CHILDREN'S BOOK TRUST
NEW DELHI

دوربین

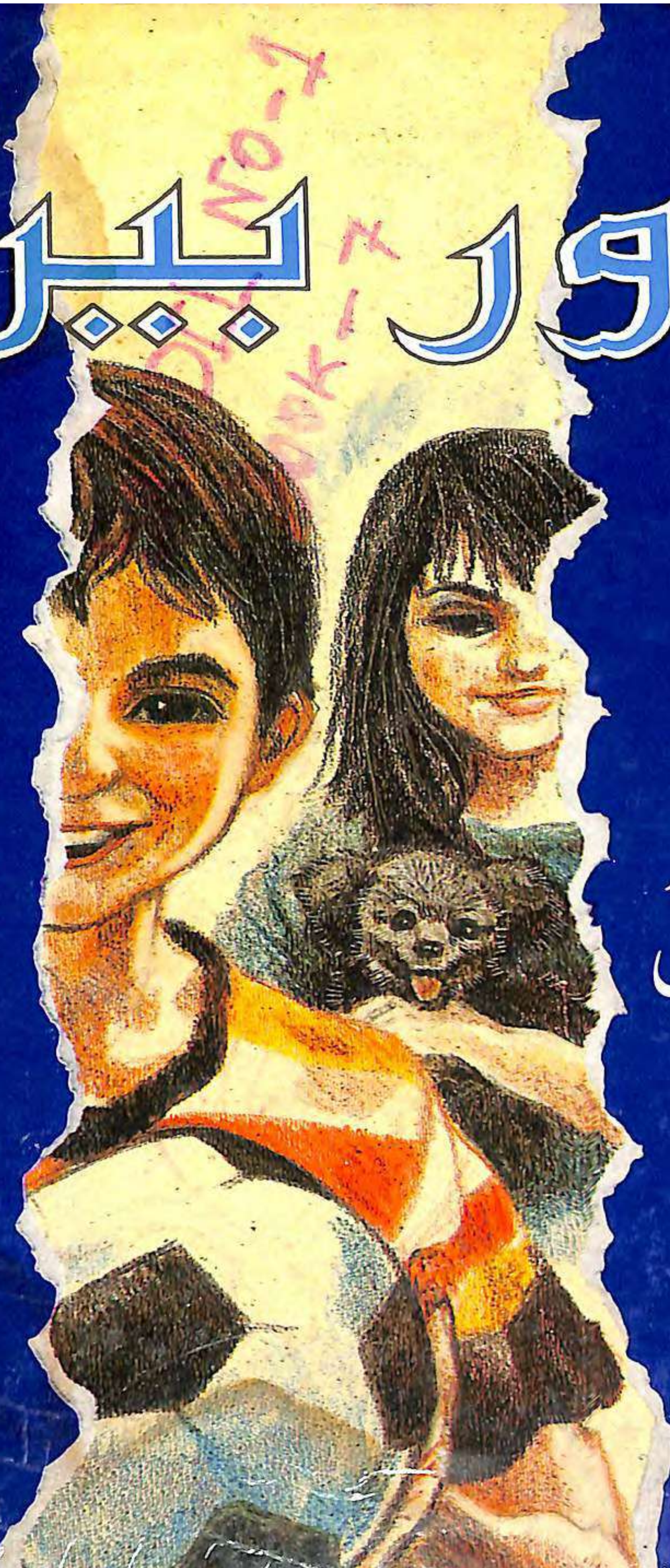

۳۴
مختصر
کہانیاں

دوربین

۳۴ مختصر کہانیاں

مترجم : شمیمہ بیگم

چلڈرن بک ٹرسٹ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان بچوں کا ادبی ٹرسٹ

پہلا انگریزی ایڈیشن : 1996

پہلا اردو ایڈیشن : مارچ 2000

تعداد اشاعت: 3000

© چلڈرن بک ٹرسٹ نئی دہلی۔

قیمت: 85.00 روپے

This Urdu edition is published by the National Council for Promotion of Urdu Language, M/o Human Resource Development, Department of Education, Govt. of India West Block-I, R.K. Puram, New Delhi, by special arrangement with Children's Book Trust and Bachchon Ka Adabi Trust, New Delhi and printed at Indraprastha Press (CBT), New Delhi.

فہرست مضامین

مضامین	مصنف	صفحہ
ٹفن چور	وتسالہ کول	5
متھن اور شادی کا پیغام	رینو کا وشواناتھن	13
ہمیشہ دیر سے آنے والی لڑکی	مالا جنار دھن	21
ہم تنہا کھڑے ہیں	انیس حمید، عائشہ حمید	28
خاندانی بندھن	نیلا سبھرامنیم	35
دادی ماں کی واپسی	دیپاولی دیبرائے	42
ایک خط	سپنا دتہ	49
گلہری کا گھونسلہ	لتا کاکو	58
ہمیشہ کا ہیرو	تھنگامنی	66
کفارہ	دیپا اگروال	74
جنگِ عظیم	ٹی پُشپیراجن	83
ننھا باورچی	ہما گنی چودھری	91
کھیلوں کا دن	مترا پھوکن	98
جارج	ڈبلیو۔ جے۔ سرکار	107
اندھیرے سے ڈرتا کون ہے؟	سنتھینی گووندن	113
پرانے اسکول سے اس کی عقیدت	رتو بھوشن	121

ٹاڈ کے پیار کے لیے	مینا کشی بالکنیش	126
ایک باغ نانی کے لیے	چیریل راؤ	133
تعریف کے لیے الفاظ نہیں	سینادتہ	139
اَن ہونی	ستیھنی گووندن	145
پیڑ بھی دوست بناتے ہیں	منی شری نواسن	151
بادشاہ کون؟	لولین ککر	158
خصوصی انعام	رامیشوری چندرا	165
نجات دہندہ راہل	نیلا سبھرامنیم	171
بہت بڑا خاندان	رینا۔ آئی۔ پوری	179
کھیل کا ساتھی	گرجارانی استھانا	187
جیسا سوچو گے پاؤ گے	ایس کلن	193
بولتا توتا	لولین ککر	199
پانچویں جماعت کی کپتان	ای۔ شیلجانائر	206
نیلی ریل گاڑی	شوبھا گھوس	213
ردی کی اصلاح	دیوکارنگاچاری	220
ایک تھا گھوڑا	ڈبلو۔ جے۔ سرکار	227
موت نہیں آئی	اگیلا گری راج کمار	234
وزیر صاحب کا بیٹا	وتسالہ کول	241

ٹفن چور

یہ واقعہ 1960ء کا ہے جب یا تو ویتنام کی جنگ کے سپاہی پریشان تھے یا میں........

میری امّی کو نانی کی تیمارداری کے لیے رام پور جانا پڑ گیا تھا کیوں کہ ان کے پیر میں موچ آگئی تھی وہ گھر میرے ڈیڈی کے حوالے اور باورچی خانہ نئی نوکرانی کو سپرد کرا کے چلی گئیں۔

اس وقت تک سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، جب تک کہ ڈیڈی نے ممی کی جگہ لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ نوکرانی کے ہر کام میں دخل دینے لگے۔ شملہ مرچ کے بھاؤ سے لے کر روٹی سینکنے تک اُنھیں اعتراض تھا روٹی کے رنگ کی پرکھ، اس پر کتنی اور کیسی چٹنی ہونی چاہیے Arehimedes کے اصول کے مطابق سبزی میں تیل کتنا ہونا چاہیے؟ اس ٹوکا ٹوکی سے نوکرانی تو بھاگ لی اور میں رہ گیا اپنے ڈیڈی کے رحم و کرم پر یکایک وہ "پکّے سودیشی" بن گئے اور اعتماد تو اُن میں غضب کا آگیا۔

یہ آزادی کے بیس سال بعد کا ذکر ہے اس وقت انگریزی یا ہلکے پھلکے کھانوں کا دستور نہ تھا اور بازار کا کھانا بھی روز روز کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ خصوصاً میرے ڈیڈی کی نظر میں تو اخلاقی طور پر بھی یہ زیب نہیں دیتا تھا۔

انھیں اپنی صلاحیتیں دکھانے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔ اس کے ساتھ وہ مجھے اپنے ہاتھ کا پکا کھانا بھی کھلا سکیں گے اور اپنے اصول اور اہمیت کا رعب بھی ڈال سکیں گے۔ مگر میری مصیبت تو اس وقت آئی جب انھوں نے کھانا پکانے کا پکّا فیصلہ کر لیا۔

پہلا کام تو انھوں نے یہ کیا کہ کاروبار کی تمام ذمہ داری اپنے ایک ماتحت کو سونپی اور خود باورچی خانہ کا رُخ کیا۔

باورچی خانہ میں چوں کہ گرمی رہتی ہے، اس لیے ایک اور شور مچانے والا پنکھا لگایا اور اپنی سہولت کے مطابق کچھ تبدیلیاں کیں اور چند نئی چیزوں کا اضافہ کیا پہلے ہی "میں نے انڈا اُبال لیا" باورچی خانہ سے اس طرح چلاتے ہوئے نکلے جیسے انھوں نے پہیّے کی ایجاد کرلی ہو۔ اب بھلا بے چارے انڈے کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈالا جائے تو وہ اُبلے گا نہیں تو کیا کرے گا؟ کیا 'دریائی گھوڑا' بن جائے گا؟

پھر جو کھانا بنا اور چپاتیاں بنی ہیں تو کچھ نہ پوچھیے چپاتیاں ایسی گویا ننّھی سمندر کے کنارے بیل باٹم پہن کر اس پر طرح طرح کے نقش و نگار بنائے۔ بڑ کے پیڑ کی ڈاڑھی کی طرح لمبے لمبے بال بکھرائے ہوں یا شمّی کپور اپنے نتھنے پُھلائے، دانت پھاڑے پیڑوں کے گرد یا آشا پارکھ کے ساتھ ناچ رہا ہو۔ میری تو زندگی ہی تلخ ہو کر رہ گئی۔ خصوصاً کھانے کے وقت جب موٹی موٹی اور پٹھان کی مانند سخت روٹیاں ایک بالٹی پانی کے ساتھ نگلنی پڑتی تھیں۔ اور دال...... دال کا عجب ہی حال تھا۔ کبھی پیلے پیلے گوند جیسی اور کبھی پتلا پانی۔ اور میرے جادوگر ڈیڈی باورچی خانہ میں ٹماٹر کو پتھر، بیگن کو روڑی، کوڑا کرکٹ، جلی ہوئی پیاز کو تار کول اور پالک کو کوئلہ بنانے کا فن دکھاتے۔ ٹماٹر کڑھائی میں چپک جاتے پھلیاں ماچس کی تیلیوں میں تبدیل ہو جاتیں اور بھنڈیاں وہ تو راکھ ہی بن جاتیں۔ رہی گوبھی وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہی پڑے پڑے سوکھ گئی۔ اور انڈے تو وہ زیادہ تکلیف برداشت نہ کر سکے اور کڑھائی میں پڑے پڑے ہی سوکھ گئے۔ مردہ مرغی بھی گو کر سے اُڑ گئی۔ دال پیالے سے اوپر چڑھ کر میز پر پھیل جاتی۔

جب میں شکایت کرتا۔ جو اکثر کرتا تھا، تو ایک لمبی جھاڑ کھانی پڑتی "آج کل کے بچے کس قدر ناشکرے ہوتے ہیں اور نافرمان بھی۔ والدین کس طرح اپنے آپ کو ان کے لیے وقف کر دیتے ہیں ارے اِن لاکھوں لوگوں کو دیکھو جو دنیا میں بھوکے مر رہے ہیں" "تجربہ ہی انسان کو کامل بناتا ہے" "کھانا پکانا بہت اہم ہے، کرکٹ سے بھی زیادہ...... انسان کو صرف کھانے کے لیے ہی زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ سارے عمدہ باورچی "مرد" ہی تو ہوتے ہیں۔ پھر بھی اس سے زیادہ خوش ذائقہ تو یہ سب ہوتا تھا جو وہ

بڑی پابندی سے میری پلیٹ اور ٹفن میں ڈال کر دیتے تھے۔

اسکول کے راستہ میں اپنا ٹفن کھولتا کہ کہیں وہ گیس سے پھٹ نہ جائے۔ کیوں کہ اسکول میں بچّے کبھی پیشاب کی بدبو کی شکایت کرتے کبھی کہتے کیا آج صبح تم نے اپنے کتّے کو نہلایا تھا؟ ایک دن تو سب نے پوچھا کیا آج بس میں آگ لگ گئی تھی؟ میرے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اب میرا پیٹ بھوک سے نہیں بلبلاتا تھا بلکہ کھانا دیکھ کر تڑپ جاتا تھا۔

پانچویں جماعت بہت غصّے سے بھر گئی۔ کلاس مانیٹر جتن کوچر نے پوری جماعت کا ایک اجلاس بلایا "روز کسی نہ کسی کے بستہ سے کھانے کا ڈبّہ چوری ہو رہا ہے، اسکول کینٹین میں کھانے کی کوئی خاص چیز ملتی نہیں تھی اس وجہ سے سبھی بچّے گھر سے اپنی کھانا لے کر آتے تھے۔ جب بھی کھانے کی گھنٹی بجتی ہر روز ایک نہ ایک چیخ سنائی دیتی اور اس کے بعد بھوکے پیٹ کی پکار...... جب سے پہلی بار...... سپریہ پاترے کے کھانے کا ڈبا اور اس کی سالگرہ کا بچا ہوا کیک غائب ہوا تھا۔ یہ روز کا ہی معمول بن گیا تھا مگر دلچسپ بات تو یہ ہے کہ چوری کے دوسرے دن ہی کھانے کا ڈبا حاضر ہو جاتا۔ اور ساتھ ہی اس میں کھانے کی کوئی نہ کوئی مزیدار چیز بھی ہوتی۔

جتن نے سنجیدگی سے کہا "یہ بُرا ہے...... بُرا...... اور بہت ہی بُرا........" جتن نے لہجہ بدل کر 'بُرا' کہا اور پوری جماعت نے بھی اس کے ساتھ نعرہ لگایا 'بُرا...... بُرا...... بُرا...... ہمارے درمیان ایک چور ہے۔ "چور" سبھی بچّے بھی اس کے پیچھے بول پڑے "ایک چور" جتن نے غصّہ سے کہا "میرے پیچھے بولنا بند کرو" ہمیں یہ معاملہ خود ہی نمٹانا ہے۔ اور وہ بھی بہت جلد۔"

"کوئی اچھا طریقہ یا ترکیب" شیکھر گلا ٹھی نے مشورہ دیا "کیوں نہ ہم نارنگ میڈم کو بتائیں" وہ ان کا لاڈلا تھا سبھی نے اسے گھور کر دیکھا "ٹیچر کو بتائیں؟" یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے ایک فلم کا ہیرو پولیس سے کہے کہ "میرے لیے وِلن کو مارو"

سواتی کوہلی نے پوچھا"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ چور ایک ہی ہے الگ الگ انسان بھی یہ کر سکتے ہیں؟" سب کی نظریں اسی پر ٹک گئیں ایک نے کہا"تمھارا مطلب کیا ہے؟ کیا ہم سب چور ہیں؟ جتن نے اسے نرمی سے سمجھایا"سواتی! اب سوچو آخر کیوں؟ جب اسے ایک کا لنچ مل رہا ہے تو دوسرے کا کیوں چُرائے گا؟

یا یہ کوئی نیا کھیل نکلا ہے؟"میوزیکل کھانے کے ڈبے" سبھی ہنس پڑے اور سواتی اپنے الجبرا کے سوالوں میں لگ گئی...... انیشا جو نمبر دو کلاس مانیٹر تھی، کچھ سوچ کر بولی"اس کے پیچھے مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"میں نے جھٹ سے کہا"بھوک"!

کچھ مسکراہٹیں.......... جتن نے کہا"مجھے تو ایسا لگتا ہے کوئی بڑا خطرہ سامنے ہے"۔چور کچھ اور بھی

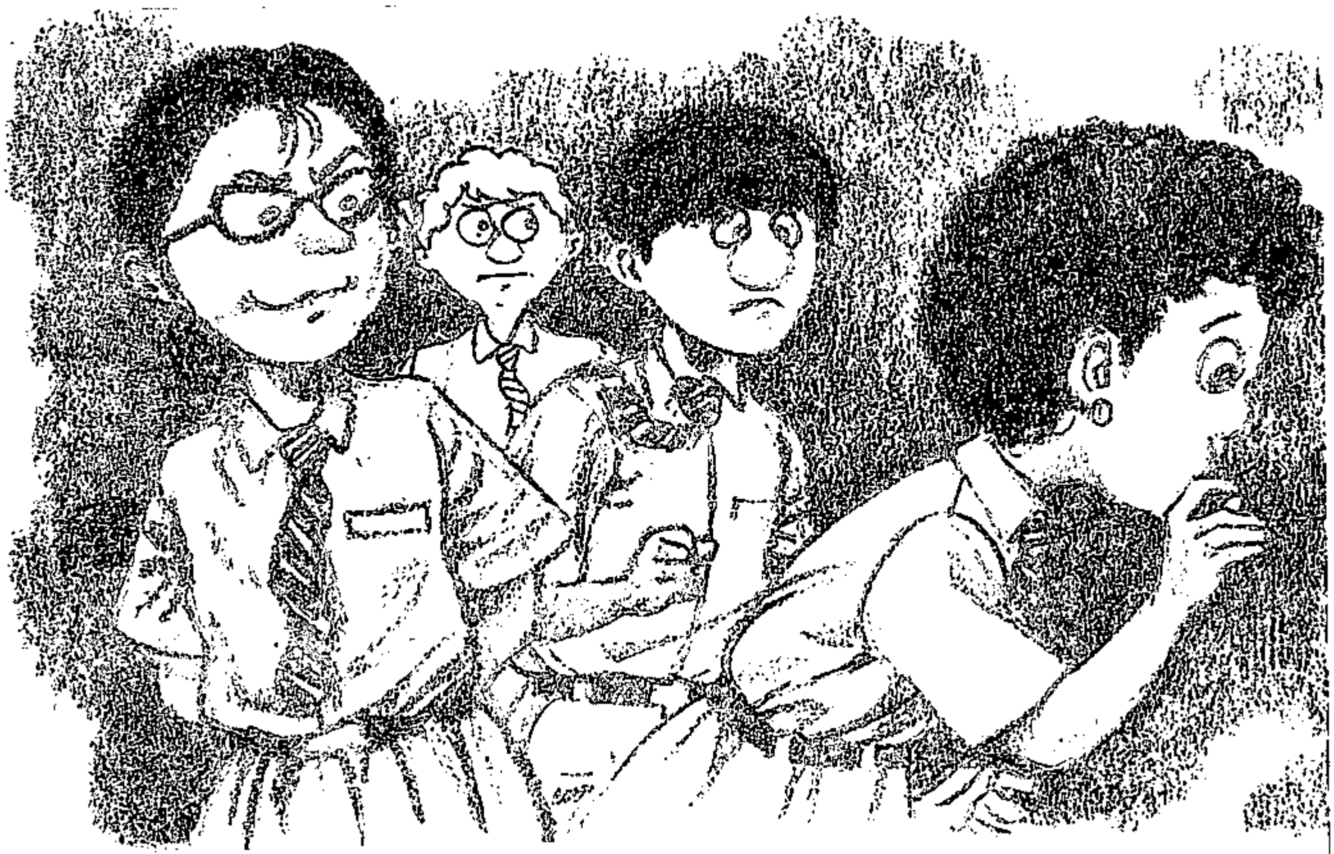

چرا سکتا ہے، چاروں طرف سے کچھ مشورے آنے لگے۔

ہاں......ہاں...... قلم

کلپ

جیومیٹری بکس

گھڑیاں

"میرا تو دل چاہتا ہے کوئی میری ساری کتابیں ہی چُرا لے" برکھا پیچھے سے بولی "کیا تم سوچتے ہو وہ ہمیں بھی چُرا سکتا ہے؟" برکھا بالکل بچّی تھی وہ ڈری ہوئی سی کہہ رہی تھی "تمھیں معلوم ہے آج کل

بچّے اغوا کیے جا رہے ہیں اور اس میں بھی آیا کا ہاتھ ہوتا ہے!"

کارا گومزر رونی سی آواز میں بولی "میری تو آیا بھی نہیں ہے!"

جتن نے اپنے ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور بولا "ہم نے ایک اچھا منصوبہ بنایا ہے سب سے پہلے تو جب کلاس خالی ہو اس کی نگرانی کرو۔" میں نے ممیا کر کہا "اس کا مطلب جو بھی رکھوالی کرے گا وہ نہ تو کھیل کے گھنٹہ میں جائے گا اور نہ ہی کھانے کی چھٹی میں، جب کہ پوری کلاس باہر ہوگی۔"

جتن نے دیکھ لیا اور میری طرف اشارہ کر کے بولا "تم مانیٹر نمبر تین ہو اب کلاس پر نظر رکھنا تمھارا فرض ہے اگر چاہو تو اپنی مدد کے لیے کسی اور کو بھی ساتھ لے لو۔"

نہیں" میں نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا۔

"میں یہ ذمہ داری صرف ایک ہفتہ کے لیے لوں گا" میری ایک صلاح ہے "کیوں نہ ہم ہر بستے کی تلاشی لیں اور دیکھیں کلاس میں کوئی ایسا ہے جو اپنا کھانا نہیں لاتا یہ ہمارے مقصد کی طرف ایک اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"خیال اچھا ہے۔"

دوسرے دن اسمبلی میں جانے سے قبل ہم نے ہر ایک کے بستے کی تلاشی لی مگر سب کے پاس اپنے اپنے کھانے کا ڈبا تھا۔ کھیل کے گھنٹہ میں کلاس میں ہی رکا پھر بھی پریتی کی آلو کی سبزی خوب چٹپٹی اور چپاتی کھالی گئی۔ پریتی نے کہا تم کسی کام کے چوکیدار نہیں ہو۔ اگر میں یہ نہ جانتی تو تمھاری ممی بہت عمدہ کھانا پکاتی ہیں تو میں یہی سمجھتی کہ تم نے ہی مرا کھانا چرا لیا ہے۔"

میرے چہرہ پر ایک شیطانی مسکراہٹ آ گئی۔ چپاتیاں ابھی تک گرم تھیں اور شوربہ کے ساتھ نرم نرم مصالحہ دار آلو۔

دوسرے دن پھر ہم نے کھانے کے ڈبوّں کی تلاشی لی کسی پر بھی شک نہیں کیا جاسکا۔ اگلے دن پریتی کا

کھانے کا ڈبا مع ایک عدد چاکلیٹ کے مل گیا اور پریتی نے ایسا ظاہر کیا جیسے وہ کھانے کے وقفہ میں اپنا ڈبہ ڈیکس میں ہی بھول گئی تھی۔ جو چور کے لیے دعوت نامہ تھا۔

مگر اب سنجے سیکری کا ڈبا غائب تھا جس میں گھسے ہوئی گو بھی کا پراٹھا اور آم کا اچار تھا اور اس تکلیف کے لیے اسے مزیدار ٹافیاں ملیں۔

تیسرے دن چور نے وجینتی کا اُپما کھایا جو نہ زیادہ پتلا تھا نہ سوکھا اس پر کٹی ہوئی پیاز اور کرکری دال چھڑکی ہوئی تھی ساتھ میں مزیدار چٹنی سے تو سانسیں ہی رکنے لگیں۔ جس کے بدلے میں اسے پیپر منٹ چاکلیٹ کا تحفہ ملا۔

چوتھے دن انجلی ایلگوینڈر کے مرغ اور پنیر کے سینڈوچز چور کے پیٹ میں گئے۔ پنیر موٹا اور مرغ نرم تھا۔ انجلی کو پھلوں کی چاکلیٹ پسند تھی چور نے ڈبےّ میں وہی رکھی۔

پانچویں دن ٹیسر نگ کے موموس غائب تھے جانے ہوا میں اڑ گئے یا کسی خالی پیٹ میں پڑے دوسرے دن ٹفن میں نہ صرف رسیلے بیر تھے بلکہ موموس چڑھا ختہ گوشت بھی تھا۔ چھٹے دن ہفتہ کو سنجن کا کشمیری پلاؤ چور کا نشانہ بنا سفید بادام...... زعفران کی خوشبو والے چاول چٹپٹے مصالحہ دار جس میں ہلکی مٹھاس بھی تھی اس کے بدلے اس کو ہزار درجہ مزیدار کرکرے ناریل کے بسکٹ ملے۔

پیر کو جیسے ہی وہ نظر آیا ٹفن چور غائب تھا۔

آپ سمجھ گئے، میری ممی واپس آ چکی تھیں۔ انھیں پکانے والی کے جانے سے دھچکا لگا اور جب پیارے پیارے ڈیڈی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا چکھا تو ان کا چہرہ ہی پیلا پڑ گیا غصہ تو بہت آیا میں ڈر بھی رہا تھا کہ اب وہ شور مچائیں گی مگر مصلحت سے کام لیتے ہوئے خاموش رہیں اور بولیں "آپ نے بہت کام کیا ہے اب آرام کیجیے اور اپنے بزنس پر دھیان دیجیے۔" میری طرف ان کا پیار اور دھیان اور بڑھ گیا اور امی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسا جان لیوا کھانا کھا کر میرا بچہ زندہ رہا۔ اب کھانا پھر کھانے کے طریقے پر بننے لگا اور مجھے نہ اب کھانے سے قبل ہنومان چالیسہ پڑھنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی کھانے کی میز کی

طرف جاتے ہوئے لرز تا تھا۔ اور نہ ہی کھانے کا ڈبا دیکھ کر مجھ پر گھبراہٹ کا دورہ پڑتا تھا۔

وقت گزرتا گیا اور اب میں ایک آزاد آرٹسٹ ہوں میری بیوی تجارتی دورہ پر کوچین گئی ہوئی ہے میں نے ابھی اپنے دس سالہ بیٹے کا ٹفن تیار کیا ہے مذاق مت اڑایئے میں نے اپنے والد کے برعکس کھانا پکانا سیکھ لیا ہے۔ آلو، کیلے کا برگر تلوں سے سجایا ہوا ساتھ میں کٹا ہوا گوبھی اور گاجر، ساتھ میں گھر کے بنائے ہوئے چپس، اس قدر کرارے جیسے سردیوں کا سورج۔

میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا ٹفن چور بنے اور لوگ کہیں کہ اس نے اپنے باپ سے سیکھا ہے۔

ایسا ہوتا تو شاید ہوتا بھی صحیح۔

❑ ❑ ❑ ❑

متھن اور شادی کا پیغام

متھن کی آنکھوں میں آنسو تھے گرمیوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں مگر اس کا ایک بھی دوست اس کے پاس نہ تھا اس نے جھنجھلا کر ایک پتھر کو ٹھوکر ماری۔ سبھی چھٹیاں گزارنے کہیں نہ کہیں گئے ہوئے تھا وہ تنہا تھا صرف چند بے وقوف لڑکیاں اس کے برابر کی تھیں مگر اشیش اور وہ ہمیشہ ہی اپنی نظر انداز کرتے رہتے تھے انھیں وہ اپنے سے کمتر سمجھتے تھے اب اشیش اس کے پاس نہ تھا تو وہ ان کے ساتھ کھیلنے کا تصوّر بھی نہ کر سکتا تھا۔ اور سب سے بُری بات تو یہ تھی کہ اس کی ماں چھٹیوں میں بھی اس سے پڑھائی کرنے کی توقع رکھتی تھی۔ اس کی ماں نے پوچھا متھن تمھارے چھٹیوں کے کام کا کیا حال ہے؟ وہ جب بھی اسے خالی بیٹھے یا مٹر گشتی کرتے دیکھتی یہی کہتیں "بجائے اس کے کہ "تم اپنا وقت ضائع کرو کیا اپنا کام شروع نہیں کر سکتے؟

اس طرح کے سوالات سے پیچھا چھڑانے کے لیے متھن ناشتہ کر کے گھر سے باہر نکل جاتا اور کھانے، چائے یا رات کے کھانے پر ہی اپنی صورت دکھاتا اِس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اشیش کے بغیر کیسے وقت گزرے گا؟ متھن نے ٹھنڈا سانس بھرا ان دنوں اس کی زندگی بہت تلخ تھی وہ اپنے دوست کے بغیر سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

کچھ لڑکے سائیکلوں پر جا رہے تھے اس نے ان کی طرف گھور کر دیکھا کاش میرے پاس بھی ایسی ہی سائیکل ہوتی؟ اس نے بار بار اشاروں کنایوں میں اپنی خواہش کا اظہار گھر میں سبھی سے کیا مگر کسی نے لا کر نہ دی اس نے میں یہ بھی چاہا کہ بلا سے اسے اپنے بڑے بھائی کی پرانی سائیکل ہی مل جائے جواب

بہت خراب ہو چکی تھی مگر اس کے والد نے کہا اگر تم نئی سائیکل چاہتے ہو "تو اپنا پیسہ بچاؤ" اس کی ماں نے مشورہ دیا "تم کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے پیسہ کما سکتے ہو" اس نے سوچا بزرگ کبھی بھی ہمارے سوچ کے مطابق کوئی مفید مشورہ نہیں دے سکتے۔

ایک دن اس کی نظر ایک لڑکے پر پڑی جو خوشی خوشی سڑک پر سائیکل چلاتے ہوئے جا رہا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کے بڑے بھائی کی شادی ہو گئی ہے اور اس نے اپنی تمام چیزیں مع سائیکل کے اپنے چھوٹے بھائی کو دیدی ہیں اس کے ذہن میں اچانک یہ تجویز آئی کہ اگر راحل کی شادی ہو جائے تو اس کی بھی تمام چیزیں مجھے مل سکتی ہیں۔ اس خیال ہی سے وہ بہت خوش اور جذباتی ہو گیا۔

راحل کے پاس ایک نئی سائیکل جسے وہ متھن کو چھونے بھی نہیں دیتا حالاں کہ اُس نے موٹر سائیکل بھی خرید لی۔ اس کے علاوہ بھی اس کے پاس بہت سی چیزیں ہیں جو اس کی شادی میں متھن کو مل سکتی ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں الگ گھر لے لیں یہ اور بھی اچھا ہو گا کم از کم دن رات ان کے طعنے تو نہیں سننے پڑیں گے۔

متھن نے اپنے خیالات پر عمل بھی کرنے کو سوچا وہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا راحل ہمیشہ کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ لگا رہتا مگر اس کے "عشق" ہمیشہ ناکام رہے۔ متھن چاہتا تھا کہ راحل کی موجودہ دوست لڑکی اس کے ساتھ لگی رہے تاکہ ان کی شادی ہو جائے۔

اس نے کھانے کے بعد اپنی ماں کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کی اور ان سے پوچھا "لوگوں کی شادیاں کیسے ہوتی ہیں؟ اس کی ماں اس کی اوٹ پٹانگ اور اوندھی سیدھی باتیں سننے کی عادی تھیں وہ کھانے کے بعد صفائی میں مصروف تھیں لاپرواہی سے پوچھا تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو؟

اس نے بہت ہوشیاری سے جواب دیا صرف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی اس کی ماں قیاس آرائی کرتی کہ اُس کے دل میں ہے کیا۔؟

"ٹھیک ہے۔ اگر لڑکا اور لڑکی آپس میں ملتے ہیں اور محبّت بھی کرتے ہیں تو لڑکا عام طور سے پیغام دیتا

ہے اگر لڑکی منظور کر لے تو شادی ہو جاتی ہے۔" "ہاں۔اب میں سب سمجھ گیا" اُس نے کرید کر پوچھا مگر پیغام دیا کیسے جاتا ہے؟

لڑکا براہِ راست لڑکی سے کہہ سکتا ہے یا اگر وہ شرمیلی ہو تو ایک کارڈ پر لکھ کر بھی دے سکتا ہے۔ انھوں نے جیسے ہی دھیان دیا متھن میز پر ہاتھ پھیر رہا ہے انھوں نے کہا "اس پر اپنے گندے ہاتھ مت رگڑو۔ میں نے ابھی صاف کی ہے۔"

متھن باورچی خانے سے ہوا ہو گیا۔اسے ایک راستہ مل گیا تھا اس نے سوچا اب راہل کے نئے رومان پر اُس کے دستخطوں کے ساتھ لڑکی کو ایک کارڈ کے ذریعہ شادی کا پیغام بھیجے گا اور یقین ہے کہ وہ لڑکی منظور کر لے گی اُس نے راہل کے بارے میں کچھ نہ سوچا اس کا خیال تھا اس میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی اور اس طرح اس کے پچھلے رومان ختم ہو جائیں گے۔ لڑکی فوراً تیار ہو جائے گی اور سائیکل متھن کے قبضہ میں آجائے گی۔

اب ایک مصیبت کا سامنا تھا کارڈ خریدنے کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی اس نے اپنی جیب کا جائزہ لیا اس کا جیب خرچ تو تھوڑا تھوڑا بانٹنے میں ہی سب خرچ ہو چکا تھا اب پیسے کہاں سے لائے؟ اس کے ذہن میں والدین۔ بھائی۔ رشتہ دار سبھی آئے مگر پیسے قرض میں ملنے کی امید کہیں سے نہ تھی۔

کارڈ کی دوکان کا مالک اور وہ پرانے حریف تھے کیوں کہ ایک دفعہ اپنی ماں کی سالگرہ پر اس نے دوکاندار سے قسطوں پر کارڈ خریدنے کی پیش کش کی تھی۔

اس نے دوکاندار سے وضاحت کی جس طرح کار۔ ٹیلیویژن وغیرہ قسطوں پر...... مگر اس نے منہ پھیر لیا اس لیے وہاں سے مدد ملنے کی امید نہ تھی۔ نہیں، اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اب اور کوئی صورت نہیں۔ بس ایک ہی امید نظر آئی کہ اپنے دوست ہری سے قرض لیا جائے جو اُس کے دوستوں کو قرض دیتا رہتا تھا ہری نے اس کے سامنے کڑی شرط رکھی کیوں کہ گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے قرض کی مانگ بڑھ رہی تھی آخر اِسے اپنی انعام میں ملی غلیل بطور ضمانت گروی رکھنی پڑی جس کے عوض اسے دس روپے ملے۔

وہ فوراً ہی دوکان پر گیا اور ایک کارڈ خرید لایا متھن کو ایک ہلکی سی پریشانی یہ بھی تھی اگر اس کا منصوبہ کامیاب بھی ہو گیا تو وہ ہری کے روپے کس طرح لوٹا سکے گا؟ کیوں کہ شادی کے بعد شاید راہل اسے نقد روپے نہ دے سکے۔ اس لیے کہ وہ بڑا کنجوس ہے۔ متھن کا جیب خرچ پہلے ہی کھڑکی کے شیشے کی مرمت کے لیے کٹ چکا تھا جو اس نے کرکٹ کھیلتے ہوئے توڑا تھا جس کے لیے اسے کئی مرتبہ خبردار بھی کیا جا چکا تھا۔

متھن نے فیصلہ کیا بہتر ہے کہ اس وقت کچھ نہ سوچے۔ اُس نے فوراً ہی اپنے منصوبے پر عمل کر ڈالا۔ حالاں کہ وہ فطرتاً خوش فہم تھا اچھا ہی سوچتا تھا پھر بھی وہ سوچ رہا تھا کہ راہل کی شادی میں کچھ وقت تو لگے گا یہ ایک رات کا مسئلہ نہیں ہے متھن نے بہت ذمہ داری اور صفائی سے کارڈ لکھا۔

اس نے بہت عجلت سے لکھا "پیاری انوشا! مجھے تم سے بہت محبت ہے کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" متھن نے پورے اعتماد کے ساتھ اس پر راہل کے دستخط کیے۔ اب وہ دِل ہی دِل میں خوش تھا کہ راہل اس کا کس قدر شکر گزار ہو گا کہ متھن نے اس کی طرف سے پیغام دیا۔ بس ایک دفعہ راہل کی شادی ہو جائے۔ پھر وہ اسے بتائے گا کہ اس نے شادی کروانے میں کتنی مدد کی ہے۔ راہل اس کا احسان نہیں چکا سکے گا۔ متھن اس خیال سے ہی خوش ہو گیا کہ وہ راہل سے کم از کم پچاس روپے لے گا اور ٹھاٹھ کرے گا۔

راہل اس وقت کچھ اور ہی محسوس کر رہا تھا۔ آفس میں بیٹھے ہوئے وہ یہ سوچ رہا تھا کہ انوشا کی توجہ سے کیسے بچ سکتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی ہی بات چلانے والی عورت تھی وہ تو یہ سوچ کر ڈرتا تھا کہ اگر کبھی انوشا نے پیغام دے دیا تو وہ منع کرنے کی ہمت کہاں سے لائے گا۔ پھر وہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ اسے انوشا سے عشق ہو گیا ہے یا وہ کیسے اس میں گرفتار ہو سکتا ہے۔

متھن پھولوں کے ساتھ انوشا کو کارڈ پہنچانے میں بہت بہت سنجیدہ تھا مگر اس کا پھول دینے کا معاملہ اس طرح چوپٹ ہو گیا کہ جب وہ برابر کے باغ سے پھول توڑ رہا تھا تو غصیلے مالی نے اسے پکڑ لیا۔ نتیجے کے طور پر کارڈ بھی اس کی جیب سے گر کر مَسلا گیا۔ اس نے لفافہ پھینک دیا مگر کارڈ بھی کیچڑ میں لت

پت ہو کر مڑ تڑ چکا تھا اب کارڈ بیکار تھا اور دوسرا خرید نہیں سکتا تھا اس نے اپنے میلے کچیلے رومال سے اسے اچھی طرح صاف کیا تو وہ اور بھی خراب ہو گیا مگر وہ خوش تھا اور سوچ رہا تھا کہ جو لڑکی راحل سے پیار کرتی ہے وہ اتنی جھکّی نہ ہو گی۔

ہمّت پیدا کر کے وہ انوشا کے گھر پہنچا۔ گھنٹی بجائی اور کارڈ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس کی حیرت غصے میں بدل گئی جب اس نے کارڈ کی حالت دیکھی وہ جانتی تھی کہ راحل اگرچہ بہت شائستہ نہیں ہے مگر اسے امید تھی کہ شادی کے بعد آہستہ آہستہ اسے بہتر بنالے گی۔ مگر یہ تو بڑی زیادتی تھی۔

شادی کا پیغام اور وہ بھی اس طرح اتنا گندا اور سڑا ہوا کارڈ اور وہ بھی بغیر لفافہ کے۔ انوشا نے غصّے میں ایک لمبا سانس کھینچا۔ یہ تو حد ہے کچھ لوگ سدھر ہی نہیں سکتے۔ انوشا جلدی سے تیار ہوئی۔ غصے نے اس کی رفتار بھی بڑھادی اور سیدھی راحل کے دفتر پہنچی۔ اس نے ڈرامائی انداز میں کہا" یہ ہے تمھارا پیغام؟ میں نے تمھارے بارے میں کیا سوچا تھا وہ غصے میں بھنائی ہوئی اُس کے کمرے میں داخل ہوئی کارڈ اس کے منہ پر مارا۔ اس کے بعد میں مر کر بھی تمھارے کمرے میں دوبارہ نہیں آؤں گی۔ اور براہِ مہربانی آئندہ مجھ سے کوئی تعلق بھی نہ رکھنا۔ سمجھ گئے؟" "ختم!"

اور جس طرح وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی اسی طرح نکل گئی۔

راحل نے حیرانی سے ایک لمبا سانس کھینچا اس واقعہ نے اُسے چکرا دیا۔

اس نے تلخی سے کارڈ اُٹھایا اور جیسے ہی اس نے لکھائی پہچانی ایک ٹھنڈا سانس لے کر بڑ بڑایا "متقن! اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ متقن نے آخر اس کی طرف سے پیغام کیوں دیا؟ مگر اس نے انوشا سے زندگی بھر کے لیے بچا دیا" مارے خوشی کے اس کی ہنسی پھوٹ پڑی۔ متقن ادھر اُدھر گھوم گھوم کر اپنے پیر تھکا رہا تھا اور سوچ رہا تھا انوشا راحل کو منظوری دینے میں کتنا وقت لگائے گی اور پھر کتنا وقت ان کی شادی میں لگے گا اس نے دیکھا راحل پھاٹک سے داخل ہو رہا ہے۔ راحل نے اسے دیکھ لیا اور سختی سے کہا "اوپر آؤ"

متھن اس کے پاس گیا۔

راحل نے وہ کارڈ پکڑ اور غصے سے کہا"یہ کیا ہے؟"

متھن نے سوچا بہتر ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لے۔ وہ جانتا تھا کہ بزرگ جلد یا دیر سے سچ جان ہی لیتے ہیں اور اسے اس حرکت کی سزا ملے گی۔

"میں چاہتا تھا کہ آپ کی شادی ہو جائے" اس نے بیزاری سے کہا۔

(اب یہ سب میرا مذاق اڑائیں گے اور اس کو چھٹیوں میں ٹیوشن پر یا کہیں اور بھیج دیا جائے گا)

آخر کیوں؟ راحل نے مختصراً پوچھا۔

"اس وجہ سے کہ پھر آپ مجھے سائیکل اور دوسری چیزیں دیں گے۔" اس کے ساتھ اپنے بچاؤ میں یہ بھی کہا کہ "یہ دستور ہے کہ آپ کی شادی کے راحل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ بس معصوم تصوّر پر ہنسنا چاہتا تھا۔ مگر وہ متھن پر یہ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اتنا خوش ہے۔ وہ اپنے بھائی کو اچھی طرح جانتا تھا۔

متھن تم نے ایک غیر ذمہ دارانہ کام کیا ہے اور میری زندگی برباد کر دی ہے۔ مگر میرا شکریہ ادا کرو کہ میں ڈیڈی کو نہیں بتا رہا ورنہ تمھاری خوب پٹائی ہوتی"

متھن نے اُداسی سے دیکھا اور سوچا کہ آج کا دن میرے لیے ٹھیک نہیں۔ اب دس روپے لوٹانے کے تمام ذرائع ختم ہو گئے اسے فکر یہ ہو رہی تھی کہ وہ روپے بھی برباد ہوئے"

اس نے پیٹھ موڑی اور باغ کی طرف واپس جانے لگا۔ راحل کو اس پر ترس آ گیا، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک بہت سنجیدہ مسئلہ حل ہو گیا۔

اس نے آواز دی "متھن"

متھن نے محتاط انداز میں مڑ کر دیکھا۔

راحل نے ہلکے سے ایک تھپڑ مارا مگر اس دفعہ اس نے ہاتھ میں کچھ پکڑ رکھا تھا۔

ادھر آؤ، یہ لو اور آئندہ میرے کسی معاملہ میں دخل مت دینا ورنہ میں تمھاری ایسی پٹائی کروں گا کہ تمھاری جان نکل جائے گی۔" متھن نے اس پیش کش کو فوراً تھیالیا اور زور سے پکڑ لیا کہ کہیں راحل ارادہ نہ بدل دے راحل کا کیا بھروسہ؟

اس نے اپنا پسینہ بھرا ہاتھ کھول کر دیکھا کہ راحل نے کیا دیا ہے اور خوشی سے چیخ پڑا یہ پچاس روپے کا نوٹ تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کے تمام مسائل حل ہوگئے اس روپے سے وہ اپنا قرض ادا کر سکے گا۔ اور بھی بہت سے امکانات روشن ہوگئے۔ چھٹیاں بھی برباد نہ ہوں گی اب وہ کچھ اچھے کام بھی کرے گا۔

ہمیشہ دیر سے آنے والی لڑکی

"اِسمتا جلدی اٹھو ورنہ اسکول کے لیے دیر ہو جائے گی۔" مسز گپتا نے اپنی سوئی ہوئی بیٹی کو ہلا کر کہا۔

"ساڑھے سات بج چکے ہیں اور آدھے گھنٹے بعد تمھاری بس آجائے گی جلدی اُٹھ کر تیار ہو جاؤ۔" اِسمتا نے بستر پر بیٹھ کر انگڑائی لی۔

وہ ایک اچھی کھلاڑی تھی اور تھانہ کے ایک ممتاز اسکول میں پہلے سال کی طالبہ تھی۔ یہ اسکول بمبئی کے باہری علاقہ میں تھا۔ اِسمتا پڑھائی میں بہت ہوشیار تھی اور کلاس میں ہمیشہ اوّل آتی تھی حالاں کہ اس بات سے اس کے والدین اور ٹیچر کو خوش ہونا چاہیے تھا لیکن اس میں دیر کرنے کی ایک بُری عادت تھی وہ اسکول بھی اکثر دیر سے پہنچتی تھی۔ کھانے کا وقفہ ہو یا کھیل کا میدان مجال ہے کبھی وقت پر پہنچ جائے۔ حد ہے کہ جب چھٹی کا آخری گھنٹہ بجتا تو گھر جانے میں بھی وہ دیر کر دیتی تھی۔ یہاں تک کہ اپنی بہترین دوست دِویا باسو سے اسی سستی کی وجہ سے اس کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔

ہر روز کا یہی تماشا تھا اِسمتا جلدی جلدی نہائی، ناشتہ کیا اور سامنے کے دروازہ کی طرف بھاگی کہ اس کے والد نے بتایا اس کی اسکول بس تو پانچ منٹ قبل نکل چکی ہے میں تمھیں کار سے اسکول چھوڑ دوں گا مگر "اِسمیتا یہ کوئی پہلی دفعہ نہیں ہوا ہے۔" اس کی ممی نے کہا "یاد ہے گزشتہ ماہ اس نے اپنے اسکول کی پکنک بھی اسی وجہ سے چھوڑ دی تھی۔ انھوں نے اِسمیتا کو یاد دلاتے ہوئے کہا بچے تمھیں ہر کام جلدی کرنا چاہیے۔"

جیسے ہی مسٹر گپتا اپنی کار اسکول کی طرف لے کر چلے اِسمتا کو وہی واقعہ یاد آیا جو اس کی ممی نے غصہ میں سنایا تھا۔ اس کی کلاس ٹیچر نے ایک تفریحی پروگرام "فذ آئی لینڈ" جانے کا بنایا ہر لڑکی کو کھانے کا کچھ سامان اپنے ساتھ لانا تھا۔ اِسمتا نے فیصلہ کیا کہ وہ پکنک کے دن کچھ پنیر کے سینڈوچ اور سنترے کا شربت لائے گی۔ وہ صبح سویرے اٹھی اور بہت خوش تھی کہ آج وہ وقت پر تیار ہو گئی۔ جیسے ہی گھر سے نکل رہی تھی اس کی ممّی نے آواز لگائی "کیا تم نے اپنے سینڈوچ اور سنترے کا شربت رکھ لیا؟" اِسمتا راستہ میں ہی رُک گئی اور رونی سی آواز میں بولی "اوہ میں تو سینڈوچ بنانے ہی بھول گئی اور اب بنانے کا وقت بھی نہیں ہے۔"

اس کی ممّی نے کہا "میں کاٹنے اور بنانے میں تمھاری مدد کروں گی۔" ان دونوں نے جلدی جلدی ڈبل روٹی پر پنیر پھیلایا اور انھیں تکونا کاٹا اور انھیں ایک بڑی پلاسٹک کی تھیلی میں رکھا۔ اِسمتا نے اپنے بھائی سے سائیکل مانگ لی اور اسکول کی طرف تیزی سے گئی مگر وہاں کلاس خالی تھی۔ اس کے پیچھے سے ایک آواز آئی "اِسمتا گپتا تم پکنک کے لیے اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟" اور جب اس نے مڑ کر دیکھا تو اِس کے فزکس کے ٹیچر غصّے سے دیکھ رہے تھے۔ "تمھاری کلاس نے پندرہ منٹ انتظار کیا اور وہ فذ آئی لینڈ کے لیے روانہ ہو گئے لڑکی کیا تم کبھی جلدی نہیں کر سکتیں؟"

"خیر" میں نے اس پکنک کو چھوڑنے کی زیادہ پرواہ نہیں کی۔ وہ کار میں یہی سوچتی رہی۔

جیسے ہی اپنی کلاس میں داخل ہوئی ایک لڑکی نے طنزیہ کہا "لو آخر آ ہی گئیں مس --- جو کبھی وقت پر نہیں آتیں۔"

دوسرے کونے سے ایک لڑکی بولی ''آج تم اکیلی ہی پکنک پر چلی گئی تھیں''؟

کلاس مانیٹر الکا سنہا نے سخت آواز میں کہا اِسمتا میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں اگر تم وقت پر نہ آئیں تو مجھے ٹیچر سے تمھاری شکایت کرنی پڑے گی۔ مجھے امید ہے آئندہ تم وقت پر آنے کی کوشش کروگی۔''

اِسمتا نے ہلکے سے سر ہلایا اور دوسری لڑکیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی دوست دِوّیا کے پاس جاکر بیٹھ گئی۔

دِوّیا نے کہا ''سچ مچ اِسمتا تم کبھی جلدی آنے کی کوشش بھی نہیں کرتی ہو۔ لوگوں کے کہنے کا بھی تم پر کچھ اثر نہیں ہوتا ایک دن تم اپنی اس بُری عادت کی وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔''

اِسمتا جھنجھلا کر اپنی بہترین دوست پر بھی بڑبڑائی۔ ''اب تم نہ شروع ہو جانا'' تھوڑی دیر ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی پڑھائی میں اتنا کھو گئی کہ اپنا خراب موڈ بھی بھول گئی۔

سالانہ امتحان نزدیک آرہے تھے اِسمتا اس مرتبہ بھی رات رات بھر جاگ کر پڑھائی کر رہی تھی کہ ہمیشہ کی طرح اوّل آئے۔ مگر سالانہ امتحان کے پہلے دن ہی اپنی عادت کے مطابق اسے گھر سے نکلنے میں دیر ہو گئی۔ جیسے ہی وہ گلی کے نکڑ پر پہنچی اس نے دیکھا کہ اس کی بس نکل چکی تھی۔

''اوہ۔ نہیں۔ اب میں امتحان کے لیے اسکول کیسے پہنچوں گی؟ وہ بہت مایوس ہو گئی۔ آج اس کے والد بھی شہر کے باہر گئے ہوئے ہیں۔''

ابھی وہ مشکل سے ایک فرلانگ ہی گئی ہوگی کہ اس کے قریب آکر ایک کار کی رفتار ہلکی ہوئی جس میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے کھڑکی سے اپنا سر نکالا اور کہا'' کیا تمھیں اسکول کے لیے دیر ہو رہی

ہے۔ میں تمھیں پہنچا سکتا ہوں؟"

اِسمتا ایک منٹ کو تو ہچکچائی مگر پھر اسے امتحان نہ چھوٹ جانے کی فکر تھی۔ اپنے شک وشبہ کو بھول کر کہ کسی اجنبی سے مدد نہیں لینی چاہیے وہ اپنے اسکول کا نام بتا کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی دھیرے دھیرے گاڑی کی رفتار بڑھتی گئی۔ دوکانیں اور عمارتیں غائب ہو گئیں اور ان کی جگہ ہرے ہرے کھیت اور سنسان سڑکیں نظر آنے لگیں۔ اِسمتا تیزی سے بولی۔ "یہ تو میرے اسکول کا راستہ نہیں ہے تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" سامنے کی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے وہ بزرگ آدمی ہنسا اور بولا "میں تمھیں بہت دن سے دیکھ رہا ہوں کہ گھر سے اسکول جاتے ہوئے دیر سے نکلتی ہو۔ میرے دل میں خیال آیا کہ تمھیں

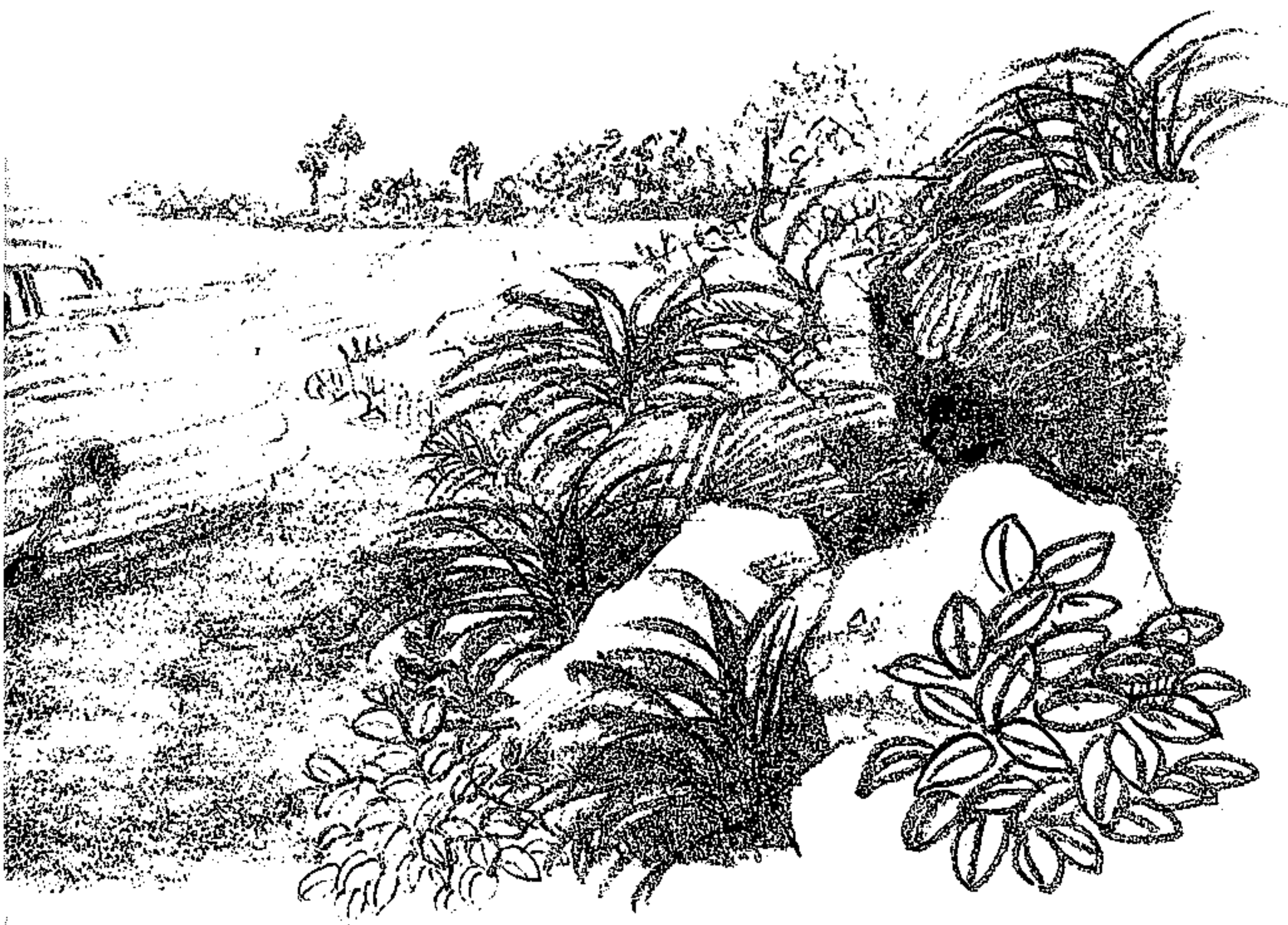

اغوا کیا جائے اور اپنے کھنڈالہ والے پرانے مکان میں لے جا کر رکھوں مجھے یقین ہے تمھاری رہائی اور صحیح سلامت واپسی کے لیے تمھارے والدین مجھے لاکھوں روپے معاوضہ ادا کر دیں گے اب سیدھی بیٹھو ورنہ مجھے تمھیں باندھنا پڑے گا۔"

"اغوا" اِسمتا صدمے سے چُپ کی چُپ رہ گئی۔ گاڑی بمبئی کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی یہاں نہ زیادہ سواریاں نظر آ رہی تھیں نہ ہی آدمی۔ وہ خود کو بچانے کے لیے کیا کر سکتی تھی؟

اس کی انگلیاں گھبراہٹ میں اسکول بیگ میں گئیں تو کسی چکنی چکنی چیز سے ٹکرائیں۔ پلاسٹک وہ ایک بڑا پلاسٹک کا بیگ تھا جس میں پکنک کے دِن اس نے سینڈوچ رکھے تھی۔ کتابوں کے ساتھ وہ بستے میں

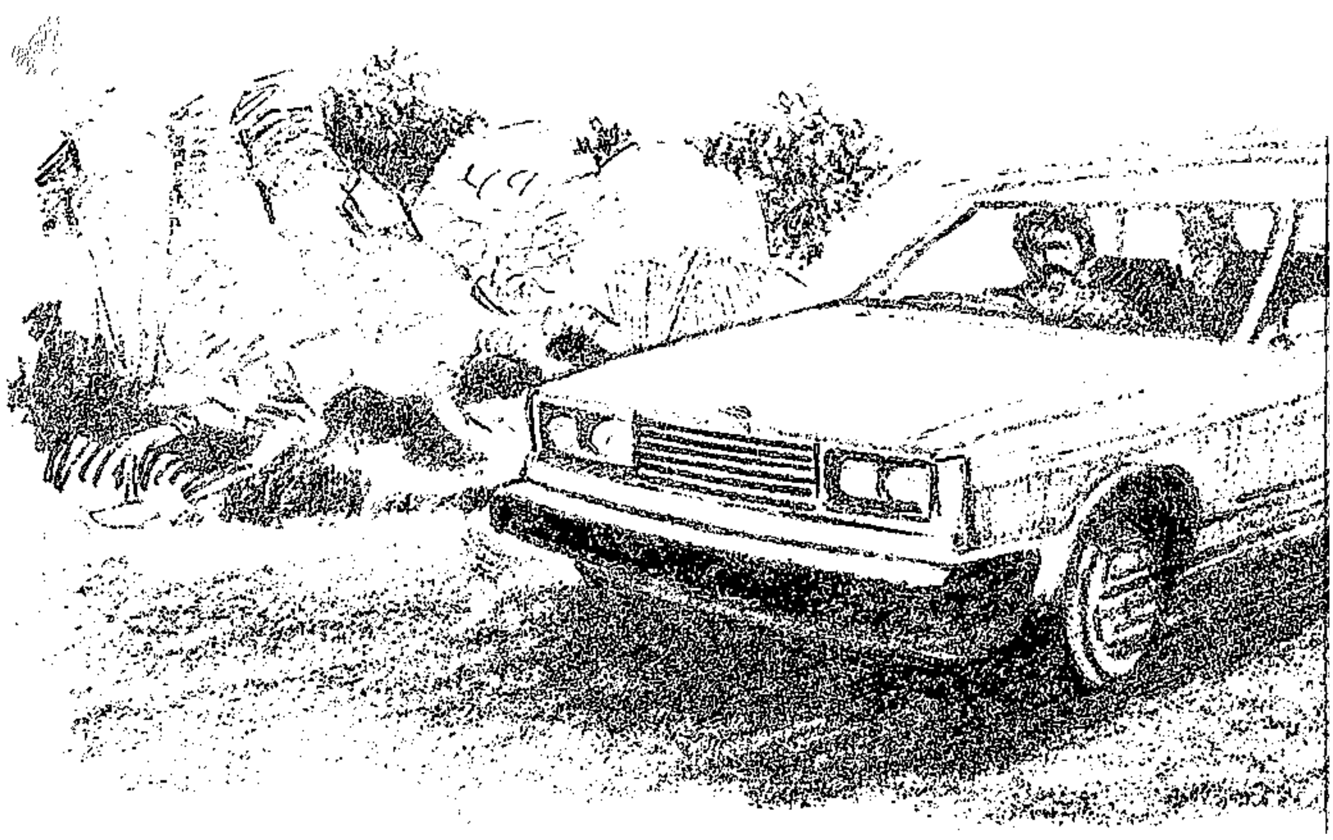

ہی رہ گیا تھا۔ جیسے ہی اِسمتا نے اسے نکالا اس کا دماغ کام کرنے لگا۔ اُسے ایک امید بندھی اس نے اس میں ہوا بھری ہاتھ میں پکڑا اور ایک ہی جھٹکے میں آگے کی سیٹ کے پیچھے دے مارا۔

''پھٹ'' اس دھماکے نے آگے والے آدمی کو آواز نکالنے پر مجبور کیا اس نے غصّے میں کہا'' کیا غلط وقت پر ٹائر پھٹا ہے'' غصّے میں چیک کرنے کے لیے گاڑی سے نیچے اُتر کر اِسمتا کے لیے یہ لمحہ کافی تھا وہ دوسری طرف سے نیچے اتری اور تیزی سے اس طرف دوڑنا شروع کر دیا جہاں سے آئے تھے۔ اغوا کرنے والا ''رکو' رکو' کہتا ہوا بھاگا مگر وہ اِسمتا کا مقابلہ نہ کر سکا وہ بہت تیز دوڑ رہی تھی کیوں کہ اسے اپنی جان بچانی تھی اپنے اسکول بیگ سمیت بھی اِسمتا اتنا تیز دوڑ رہی تھی کہ اس نے ممبئی کی طرف تقریباً ایک میل کا راستہ طے کر لیا ابھی وہ ممبئی سے کافی دور تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے تبھی اس نے ایک جانی پہچانی آواز سُنی کوئی آواز دے رہا تھا۔

''کیا یہ اِسمتا گپتا ہے'' ''تم اس سڑک پر اکیلی کیا کر رہی ہو؟ اپنے اسکول اور گھر سے اتنی دور؟'' اِسمتا نے جیسے ہی مڑ کر دیکھا اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ کوئی اور نہیں اس کے ڈیڈی کے دوست اور ساتھی مسٹر کیشون تھے جو موٹر سائیکل پر بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے اس نے جلدی جلدی اپنی پوری داستان انھیں سنائی انھوں نے حیرت سے سنا۔

''تم خوش قسمت ہو'' میں دفتر کے کسی کام سے کلیان آیا تھا کہ تمھیں یہاں پایا تم نے یہ ہوشیاری کی کہ اغوا کرنے والے کی گاڑی کے نمبر نوٹ کر لیے۔ مجھے کوئی شک نہیں کہ وہ بہت جلد پکڑا جائے گا۔ اب تم موٹر سائیکل پر آجاؤ تاکہ میں تمھیں اسکول چھوڑ دوں شاید تم امتحان میں شامل ہو سکو۔''

اِسمتا ایک گھنٹہ دیر سے اسکول پہنچی پھر بھی مسٹر کیشون نے اس کی ٹیچر کو سمجھا کر اسے امتحان میں بٹھوادیا مگر جب اسکول کا سالانہ نتیجہ آیا اسے بہت مایوسی ہوئی کہ اس کی پوزیشن بجائے اوّل کے چوتھی آئی تھی۔

اس دفعہ مجھے سبق مل گیا ہے اس نے خود ہی سوچ کر شکر کیا کہ بحفاظت خیریت سے اپنے گھر واپس آگئی ہوں اب اس نے خود سے پکا عہد کیا کہ "آئندہ کبھی دیر نہیں کرے گی۔"

ہم تنہا کھڑے ہیں

سردیوں کی آمد تھی جنگل میں خزاں کا اثر شروع ہو چکا تھا۔ کچھ جانور محفوظ جگہوں پر جانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے جب کہ کچھ سردیوں کے لیے کھانے کا کافی ذخیرہ جمع کرنے میں مصروف تھے۔ حد ہے کہ چڑیاں بھی سردی سے بچنے کے لیے گھونسلے بنا رہی تھی جنگل میں سوائے پیڑوں کے سبھی مصروف تھے، وہ پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر کھڑے تھے جو گھاس، پیلی، سُرمئی اور کتھئی رنگ کی پتیوں سے بھرے پڑے تھے۔ ہوا میں ایک جوش تھا اور ہری پتیاں بادامی اور خاکی رنگ میں بدل کر مڑی تڑی نیچے زمین پر گر رہی تھیں۔

65-64...... پرانے "سال" کے درخت نے زور سے گنا-66" پتیاں ایک ایک کر کے گرتی ہی جا رہی تھیں۔ درمیانی عمر کے مہاگنی سے خوشگواری سے ہنستے ہوئے کہا "میری پتیاں تم سے زیادہ تیزی سے گر رہی ہیں میرے رنگ کتنے خوبصورت ہیں کہ تمام جنگل میں رنگوں کے شعلے سے بھڑکتے نظر آتے ہیں۔"

ہاں یہ صحیح ہے تمام میدان میں سنہری پتیوں کا قالین سا بچھا ہوا ہے اگر جنگل کا تمام فرش ان خوبصورت پتیوں سے حسین نہ ہوتا تو ان سبز پتیوں کے جھڑنے کا کتنا افسوس ہوتا۔ ان سب پیڑوں

کے علاوہ کچھ صنوبر یعنی سدابہار پیڑ بھی تھے۔ صرف یہی پیڑ ایسے تھے جن کی پتیاں نہیں گرتی تھیں پہاڑوں کی اونچی اونچی ڈھلانیں سدابہار پیڑوں سے بھری پڑی تھیں۔اور یہ پیڑ فخر سے گردن اٹھائے سیدھے کھڑے تھے جو سخت سردیوں میں بھی ہرے ہرے پتوں کے لباس سے ڈھکے رہتے تھے مگر نیچی ڈھلانوں میں یہ سال اور مہاگنی کے لمبے لمبے پیڑوں کے درمیان دبے دبے رہتے تھے۔

یہ اکثر طعنوں اور مذاق کا نشانہ بنے رہتے کیوں کہ یہ سب سے الگ تھے ایک تو ان کی پتیاں کبھی نہیں جھڑتی تھیں دوسرے ان کی پتیاں بھی معمولی نہیں ہوتیں یہ پتلی پتلی نوکدار ہوتی ہیں جنھیں چھوا جائے تو چبھ جاتی ہیں۔ سال تلخی سے انھیں "بن کشن" کہتا جب کہ مہاگنی کہتا یہ ایسے کھوکھلے اور نوکدار کانٹے ہیں جیسے سیہ کی کمر پر ہوتے ہیں۔"

صنوبر کے پیڑوں کو بھی اپنی تقدیر سے شکوہ تھااور وہ دعا کرتے تھے کہ کاش وہ ان سب سے مختلف نہ ہوتے" یہاں تک کہ چڑیاں بھی ان کی شاخوں پر گھونسلا بنانا پسند نہیں کرتی تھی وہ کسی تھکے ماندے مسافر کو سایہ دینے کے قابل بھی تو نہ تھے۔یہی ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔ایک نوجواں سدابہار پیڑ نے دوسرے سے کہا"اس احمق کمزور پیڑ کو دیکھو جو چنار جیسا ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں ایک دفعہ پتے جھڑ جائیں تو یقیناً ننگے لگتے ہیں۔

"میں مانتا ہوں" مگر میں نے سُنا ہے کہ سارا مزا تو بہار کے موسم میں آئے گا کیوں کہ یہ سالانہ دستور ہے؟"

"اگلی بہار" ارے پہلے اُنھیں سردی سے تو نمٹنے دو۔"نوجوان سدابہار نے اپنا خوبصورت سر گھمایا۔

یہ تو ہر سال کا ہی دستور ہے کہ جیسے ہی خزاں آتی ہے سارے پیڑ جو پہاڑوں کی ڈھلان پر کھڑے ہیں

ان کے آرام کا زمانہ آجاتا ہے اور ہر چھوٹی سے چھوٹی پتّی بھی قدرتی کارخانہ یا نظام کے مطابق مُرجھا جاتی ہے۔ بے کار سی ہو کر اپنا رنگ بدلتی ہے اور پھر جھڑ جاتی ہے۔"

خزاں سردی کو راہ دکھاتی ہے شمالی ہوائیں چلنی شروع ہو جاتی ہیں جانور اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چلے جاتے اور کبھی باہر آتے ہیں جب ان کا کھانا ختم ہو جاتا ہے چھوٹی چھوٹی گلہریاں بھی اپنے میووں سے بھرے بھنڈار سے جھانک کر دیکھتی ہیں کہ سورج نکلا یا نہیں؟

کرسمس اور نیا سال آتا ہے تو اپنے ساتھ بارش اور اُولے لاتا ہے لال اور سنہری پتّیاں جو کچھ عرصہ قبل جھڑ چکی ہوتی ہیں برف گرنی شروع ہوتی ہے اور وہ ان کی جگہ لے لیتی ہیں اور اب زمین پر سفید برف کا قالین بچھ جاتا ہے ہلکی ہلکی برف پیڑوں کی شاخوں پر جمع ہوتی رہتی ہے۔

اہو۔اہو ہو۔ یہ تو بہت سردی ہے" چنار نے کپکپاتے ہوئے کہا۔ مجھے تو بے حد ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ "سچ مچ" نوجوان سدا ابہار بولا "چنار کا پیڑ بغیر پتّیوں کے کتنا عجیب لگ رہا ہے۔"

"ہاں مجھے ڈر ہے کہ سال کا پیڑ بھی پچھلی رات سردی سے چھینکتا رہا ہے۔"

"قابلِ رحم۔" سدا ابہار کے دونوں پیڑوں نے ایک ساتھ کہا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک کو بھی زرّہ برابر افسوس نہ تھا کیوں کہ پوری خزاں ان ہی پیڑوں نے ان کا مذاق اُڑایا تھا کہ "ان ہی پتّیوں کا لباس انھیں سال در سال پہننا پڑتا ہے۔"

"ہمیں دیکھو" وہ طنزیہ کہتے تھے "ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہر سال نئی پوشاک بدلنے کا موقعہ ملتا ہے جب کہ تم غریب ہمیشہ اسی پوشاک میں رہتے ہو۔ کیا تم اپنے پرانے گندے لباس سے عاجز نہیں آتے۔"

ہاں سدابہار! اپنی پرانی پتیوں سے تنگ تو آ چکے تھے مگر اس سلسلے میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے ؟ قدرت نے ہی اُنھیں سدابہار بنایا تھا وہ اپنی پتیاں کبھی بھی جھاڑ سکتے تھے۔ شدید سردی میں بھی نہیں۔ پھر بھی وہ دوسرے پیڑوں کے مذاق برداشت کر رہے تھے کیوں کہ دوسرے پیڑوں کو وہ سردی سے ٹھٹھرتے دیکھ رہے تھے۔ یہ جاڑے کی سب سے سرد رات تھی خوب تیز برف پڑ رہی تھی۔ اور دوسری صبح سب پیڑوں شاخوں پر برف جم چکی تھی۔ اور سب شاخیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

اب تم نے سردیوں میں پیڑوں میں پتے نہ ہونے کا فائدہ دیکھا؟" مہاگنی نے برف کے بوجھ سے دبے ہوئے کراہ کر سدابہار پیڑوں سے کہا" جتنی زیادہ پتیاں ہوتیں اتنا ہی زیادہ ہم پر سردی کا دباؤ رہتا اور برف زیادہ جمتی ہے۔ بہر حال ہمیں اس نقطے پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اچانک بہت زور کی گڑگڑاہٹ ہوئی اور پوپلر کی نازک شاخیں بوجھ سے چھلتی چلی گئیں اور کرر۔ کرر۔ کی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ "یا خدا تو کتنا مہربان ہے" مہاگنی نے کہا "میں ہمیشہ سوچتا تھا تم بہت کمزور اور پتلے ہو" پھر وہ سدابہار کی طرف مڑا اور بولا تم بھی میری نوجوان لیڈی۔ تم ہوشیار رہنا یہ سخت سردی تمھاری ہڈیاں تک توڑ کے رکھ دے گی۔ مجھے شک ہے کہ تمھارے پورے وجود میں کوئی مضبوط شاخ بھی ہے۔"

نوجوان سدابہار نے اپنا جائزہ لیا اور دیکھا اس کی نازک شاخیں برف کے بوجھ سے نیچے جھک رہی تھیں۔ کچھ لمحوں کے لیے تو وہ گھبرائیں مگر پھر ان کی خود اعتمادی ابھر آئی۔ پھر اس نے شوخی سے مہاگنی کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے خوبصورت نازک کندھے ہلائے۔ ان کی اس حرکت سے برف نیچے گر گئی اور بوجھ ہٹنے سے شاخیں پھر اپنی اصلی حالت آ گئیں۔

مہاگنی بڑبڑایا "مجھے سمجھنا چاہیے " پہاڑوں کی اونچی ڈھلانوں پر بات کچھ مختلف ہے۔ یہاں سدابہار بہت زیادہ ہیں اور ان کے لیے پریشانی کا باعث صرف لکڑہاروں کی کلہاڑی ہے۔ کبھی کبھی شہر سے نوجوان کرسمس پیڑ بنانے کے لیے سدابہار کاٹ کر لے جاتے ہیں اور کبھی کبھار روّی اکھٹی کرنے والے آکر اس کے نیچے کی شاخیں کاغذ بنانے کی لگدی بنانے کے لیے لے جاتے ہیں مگر سدابہار میں ایک رقیق مادہ ہوتا ہے جب اس کی شاخ کٹتی ہے تو اسے وہ جلدی ہی بھر دیتا ہے۔

آخر کچھ دن راتیں لمبی اور دن بہت ٹھنڈے نہ رہے ہوا میں بہار آگئی اور وہ جانور جو پہلے جا چھپے تھے باہر نکل آئی اور سورج کی گرمی کا لطف اٹھانے لگے۔

ایسا لگتا تھا جیسے بہار کی پری نے اپنے جادو کی چھڑی گھما کر پورے جنگل کو بدل دیا ہو۔ جنگل کی زمین پر ہری اور ملائم گھاس اُگ آئی رنگین اور خوبصورت پھول ہر طرف نظر آنے لگے ہر جگہ حسن ہی حسن تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پیڑوں پر کسی نے جادو کر دیا ہو ننگی شاخوں اور سوکھے تنوں کی جگہ اب نرم نرم بھری پتّیاں تھیں اور اس وقت تک پھوٹتی رہیں جب تک سارے پیڑ ان سے نہ لد گئے۔

نوجوان سدابہار نے اپنے دوست سے کہا " کتنا حیرت انگیز ہے اپنی زندگی میں میں نے ایسی تبدیلی نہیں دیکھی۔ "

"میرے عزیز مجھے معلوم ہے" دوسرے سدابہار نے سرگوشی میں کہا۔ "بہار انھیں ہر سال کتنی خوبصورت پوشاک دیتی ہے اور ہم ہیں کہ پورے سال یہی چبھنے والی کانٹوں دار پوشاک پہنے رہتے ہیں کتنا میرا دل چاہتا ہے کہ ہم بھی انھیں کی طرح بدل سکیں ان کی طرح نئی نئی پتّیوں کے لیے میں کچھ

بھی دے سکتا ہوں۔"

کچھ دن بعد جب پیڑ گپ شپ لڑا رہے تھے اور اپنے کپڑوں کی تعریفیں کر رہے تھے ایک چرواہا اوپر پہاڑی پر دھیرے دھیرے آیا چرواہا، تھکا تھکا سا لگ رہا تھا مگر ایک دم جب اس نے گھنے سایہ دار پیڑ دیکھے تو خوش ہو گیا مگر بکریوں نے چرواہے سے پہلے ٹھنڈا اور خوش آمدید کہتا جنگل دیکھ لیا تھا اور وہ آگے آگے دوڑنے لگیں۔ "اوہ نہیں" پیڑ خوف سے چلانے لگے کیوں کہ ان کے نہیں۔ نہیں کرنے پر بھی جو بکریاں آگے تھیں وہ ان کی نیچی شاخوں کے نیچی نیچی پتیاں لالچ میں کھانے لگیں۔

سدا بہار پیڑوں نے گھبرا کر دیکھا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ "اپنے آپ کو کیسے بچائیں" مگر پھر ان کی سمجھ میں آیا اور ششدر رہ گئے کہ کوئی بھی بکری ان کی طرف کیوں نہیں آئی حقیقت میں وہ انھیں نظر انداز کر رہی تھیں کیوں کہ کون کھاتا یہ خار دار پیڑ؟

جیسے ہی سدا بہار کی یہ سمجھ میں آیا کہ انھیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور وہ بکریوں سے بالکل محفوظ ہیں انھوں نے ایک دوسرے کو خوشی سے دیکھا "خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پاس نرم و نازک پتیاں نہیں ہیں۔ چرواہے کو دیکھو وہ تو ان پیڑوں کی اونچی شاخیں بھی اپنی بکریوں کو کھلانے کے لیے توڑ رہا ہے۔" "آج کے بعد میں کبھی شکایت نہیں کروں گا حقیت میں میں سوچتا ہوں کہ ہم جنگل کے سارے پیڑوں سے اچھے ہیں" آج تک سارے سدا بہار جنگل میں فخر سے سر اونچا کیے کھڑے ہیں اور کبھی بھی دوسرے پیڑوں سے حسد نہیں کرتے۔

❑ ❑ ❑ ❑

خاندانی بندھن

''میں جانتی ہوں کہ میں نے یہیں رکھی تھی'' انجلی بڑبڑائی آخر وہ جا کہاں سکتی ہے؟اس نے اچھی طرح میز پر رکھی کتابیں تلاش کرلیں وندنا جو اس کے ساتھ کمرہ میں رہتی تھی آئی تو اس نے مُڑ کر دیکھا ''کیوں، وندو! تم نے میری لائبریری کی کتاب دیکھی ہے کل اسے واپس کرنے کی تاریخ ہے'' انجلی نے پوچھا۔

وندنا کے چہرے پر کچھ شرمندگی کے آثار نظر آئے۔اور اِس نے کہا''کل میری سہیلی شیلا آئی تھی اس نے دیکھی تو میں نے اسے دے دی اس نے وعدہ کیا تھا کہ جلد واپس کردے گی تم اسے فون کیوں نہیں کرلیتیں؟''

انجلی نے لمبا سانس لیا جب وندنا شیلا کا فون نمبر تلاش کررہی تھی اس وقفہ میں اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کاش ! اس کا اپنا ایک الگ کمرہ ہوتا!

اس نے خاموشی سے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ گھر میں سب سے چھوٹی اور سبھی کی لاڈلی ہے۔اکثر بھائی اور بہن اسکول کے کام میں اس کی مدد بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس کا حساب بہت کمزور تھا۔اور آلوک بھیا(بڑے بھائی) اس کے ماہر تھے اس کی سست روی اور کوڑ دماغ ہونے کے باوجود بھی وہ بڑے صبر سے اسے پڑھاتے۔ارادھنا دیدی(بڑی بہن) اسے انگریزی کے کام میں مدد دیتی تھیں۔ مگر کچھ دن پہلے ہی بیاہ کر جاچکی تھیں۔اب اسے صرف وندنا پر بھروسہ تھا

جو اپنا اسکول ختم کر کے پہلے سال میں تھی انجلی اس سے دشمنی بھی مول نہیں لے سکتی تھی اس لیے زبردستی مسکرادی۔ "اچھا میں اسے فون کردوں گی کیا آپ میرا ہفتہ کے آخری دن کا مضمون لکھوانے میں مدد کردیں گی؟"

ایک گھنٹے بعد انجلی نے اپنی کتابیں رکھیں اور پر سکون ہو گئی۔ میں اپنے بھائی اور بہن پاکر بہت خوش ہوں۔ وہ میری کتنی مدد کرتے ہیں یہی سوچتے ہوئے وہ ٹی۔وی کے کمرہ میں اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے گئی۔

اس نے دیکھا کہ اس کے دادا 'پتا اور آلوک بھیا آرام سے بیٹھے ٹی۔وی میں ٹینس میچ دیکھ رہے تھے۔ انجلی نے ایک سانس بھرا جو پروگرام وہ دیکھنا چاہتی تھی اب نہیں دیکھ سکے گی انجلی اُلٹے پیروں واپس ہونا چاہتی تھی کہ اس کے پتا نے اسے دیکھ لیا اور کہا کہ سب کے لیے کچھ ہلکا ناشتہ لے آؤ۔

"انجلی آہستہ سے بڑبڑائی میں سب سے چھوٹی ہوں نا سب مجھ پر حکم چلاتے ہیں۔ اسے اپنی سہیلی ریکھا کا خیال ہے کہ وہ کتنی خوش قسمت ہے اکلوتی ہے نا اس لیے کسی بھی چیز میں اس کا کوئی ساجھے دار نہیں ہے اسے پورا یقین تھا کہ "ریکھا پر کوئی حکم بھی نہیں چلاتا ہوگا"۔ دوسرے دن شام کو انجلی باورچی خانے میں گئی وہاں طرح طرح کی خوشبوئیں آرہی تھیں۔

انجلی نے اپنی ممّی سے پوچھا "بہت عمدہ خوشبو آرہی ہے کیا پکا رہی ہیں؟"

"دیپک آج رات، آٹھ بجے کی گاڑی سے آرہا ہے اس لیے اسی کی پسند کی سب چیزیں پکا رہی ہوں۔" اس کی ممی نے جواب دیا "یہ بیسی بیلے بھات (چاول کی ایک ڈش) رات کے کھانے کے لیے ہے۔ "اوہ میں نے سوچا یہ ٹماٹر بھات ہے۔ جو مجھے بے حد پسند ہے ماں اتنا اچھا کوئی بھی نہیں بنا سکتا جتنا مزیدار آپ بناتی ہیں" انجلی نے کہا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی پسند کو بھی ترجیح دی جائے۔

اس کی ممی نے کہا "تمھیں بسی بیلی بھات پسند ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے تمھارے لیے کسی اور دن پکادوں گی دیپک کچھ ہفتوں کے لیے آرہا ہے دیپک کو گھر کے کھانے کے مزے لینے دو۔"

انجلی کی دادی جو مٹر چھیل رہی تھیں انھوں نے اس کے چہرہ پر کچھ مایوسی کے سائے دیکھے۔ اس نے

ایمانداری سے سوچا کہ دیپک بھیا ممّی کے ہاتھ کے مزیدار کھانوں سے محروم رہتے ہیں "اس سے اسے تسلی ہو گئی اور اپنے دل کو سمجھایا۔

دوسرے دِن جب انجلی نے اپنا کھانے کا ڈبا اُٹھایا تو اس کی دادی نے کہا "انجو بیٹی" !" مجھے یقین ہے تمھیں اپنا کھانا پسند آئے گا۔"

انجلی کو اس میں کوئی خاص بات نہ لگی۔ مگر جب آدھی چھٹی میں اس نے اپنا کھانے کا ڈبا کھولا تو کچھ ٹکڑے میسور پاک (ایک مٹھائی) کے رکھے تھے اور اسے احساس ہوا کہ اس کی دادی نے رات کو دیر تک جاگ کر اس کے لیے میسور پاک بنایا ہے۔ کیوں کہ یہ انجلی کو پسند تھا۔

انجلی نے محسوس کیا کہ بڑے کنبے کا یہ فائدہ ہے کہ "جب ماں نے اس کی پسند کی چیز بنانے کا وعدہ نہ کیا تو دادی نے بنادی۔ اسکول سے انجلی جب گھر پہنچی تو اس نے دادی سے لپٹ کر خصوصی اور رازداری سے شکریہ ادا کیا۔

ارچنا جو وندنا اور انجلی دونوں سے بڑی تھی اسی وقت گھر آئی تھی۔

"آہا سب سنو کہ میں نے چاکلیٹ کے اشتہار کے لیے موڈلنگ کی تھی اور مجھے چاکلیٹ کا ایک پورا ڈبا مفت ملا ہے۔

"وندو تم یہ لے لو۔ مجھے اپنے سڈول جسم کا خیال رکھنا ہے۔ وندنا نے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "بہتر ہے آپ یہ انجو کو دے دیں کیوں کہ میں بھی دبلا ہونے کی کوشش کر رہی ہوں اور وہ ڈبا اپنی بہن کی طرف بڑھا دیا۔

انجلی نے اپنی بہن ارچنا کی طرف دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا "کیا آپ مجھے فیشن کے مطابق کچھ عام استعمال کے کپڑے دلوا سکتی ہیں کیوں کہ میرا اسکول جلد ہی تفریحی سفر پر جانے والا ہے۔"

ارچنا نے مسکرا کر کہا "میں بھی اس سے اچھے دلوا سکتی ہوں مری ایک دوست نے مختلف چیزوں کی ایک بوٹیک کھولی ہے آج شام وہاں جائیں گے اور کچھ چیزیں اٹھا لائیں گے۔"

"وندنا نے بھی فوراً پیش کش کی "انجو تم میری نئی اسٹون واچ کی جینز اور لال رنگ کا ٹاپ لے سکتی ہو جو تمھیں بے حد پسند ہے۔ وہ میرے کچھ چھوٹی بھی ہے تمھارے آجائے گی تم سفر میں پہن سکتی ہو اور میں اس کے بدلے ارچنا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

اس کی ممی نے کہا "ہاں انجو وندنا ٹھیک کہتی ہے اس کی جینز اور ٹاپ ابھی نئے ہیں انھیں ضائع کرنا ظلم ہوگا۔"

انجو کا منہ اتر گیا "واہ وہ مجھے نیچا دکھائے گی اور اسے نئے کپڑے مل جائیں گے پھر اس نے کہا شکریہ وندو مجھے یہ کپڑے پسند ہیں۔"

ارچنا کے تیز کانوں نے انجلی کی ہلکی سی آواز میں حسرت محسوس کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "وندو سے بھی لے لو اور میں تمھیں اپنے ساتھ بھی لے جاؤں گی۔ میں اپنی پیاری سی چھوٹی بہن کو ایک خاص دعوت بھی دینا چاہتی ہوں۔"

انجلی کا چہرہ دمکنے لگا وہ بہت خوش ہوئی کتنا اچھا لگتا ہے کہ اسے ایک چاہنے والی بہن ملی۔ ارچنا ایک موڈل ہے اگر چہ اسے کپڑے رعائتی داموں پر مل جاتے ہیں۔ پھر بھی اہمیت ہے کہ اس نے کتنا خیال رکھا۔

ایک دن انجلی اپنی ممی کے پاس گئی اور بولی "ماں ریکھا کے والدین کو اچانک باہر جانا پڑ رہا ہے۔ کیا وہ ایک ہفتہ ہمارے پاس رہ سکتی ہے؟"

"بے شک۔" اس کی ممی نے کہا "میں ابھی اس کی ممی کو فون کر کے کہتی ہوں کہ ریکھا کو بھیج دیں" انجلی بہت خوش تھی مگر اسے فکر بھی تھی کہ ریکھا اس کے اتنے بڑے خاندان کے بارے میں کیا سوچے گی ؟۔ چھوٹا سا گھٹا گھٹا گھر۔ اس کی خواہش تھی بجائے مشترکہ کمرہ کے اسے ایک الگ کمرہ دیا جائے۔

مگر اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی ریکھا کو تو یہ انتظام بہت پسند آیا اسے انجلی اور وندنا سے گپیں لڑانے میں بڑا مزہ آرہا تھا اور ایک دفعہ پھر ریکھا نے کہا تم کتنی خوش نصیب ہو کہ اتنا بڑا اور خوش رہنے والا خاندان ہے۔

تمھارے بھائی آلوک، دیپک اور پرکاش ہیں جو ایڈنبرا ڈاکٹری پڑھنے گئے ہوئے ہیں تمھاری بہنیں

ارچنا، ارادھنا، وندنا اور تم خود ہو انجلی تم سبھی کے نام 'عبادت' اور روشنی سے جڑے ہوئے ہیں" ریکھا نے سوچ سمجھ کر رائے دی۔ انجلی دوسرے نظریہ سے سوچتی تھی اس لیے پوری طرح متفق نہیں ہوئی۔

ریکھا کے والدین واپس آئے تو انجلی کا دل ان کے گھر سے جانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ اس خیال سے خوش تھی کہ انجلی بھی کچھ دن کے لیے اس کے ساتھ جائے گی۔ اس نے سب سے وداع لی۔

انجلی نے جب ریکھا کا شاندار گھر دیکھا تو ریکھا نے اسے محسوس کیا "ہر چیز اپنی جگہ پر تھی" صبح اٹھ کر اس نے انجلی سے پوچھا "رات تمھیں نیند کیسی آئی۔"

"یہ ایک بہت ہی شاندار کمرہ ہے" انجلی نے جھوٹ بولا وہ ریکھا کے سامنے یہ تسلیم نہ کر سکی کہ اسے وندنا کی کمی بہت محسوس ہو رہی تھی۔

انجلی نے دیکھا ریکھا کے والدین اگرچہ بہت خوش مزاج تھے مگر ان کے پاس ریکھا کے لیے وقت نہ تھا کیوں کہ وہ بہت مصروف رہتے تھے۔ اور جب بجلی بند ہو جاتی تو وہ اسکریمبل (اندھیرے میں لکیریں بنانا اور ڈھونڈنا) کے کھیل کا لطف اٹھاتی اور رات کے کھانے کے بعد وہ خوش باش خاندان اور رمی سب مل کر کھیلتے۔

ریکھا نے کہا "تم کتنی خوش قسمت ہو کہ تمھارے بھائی اور بہنیں ہیں" جب آلوک بھیا اپنی بہن کے گھر کے کام کی نگرانی کرتے تو اسے بڑا رشک آتا انھوں نے ریکھا کو بھی پڑھائی میں شامل کر لیا۔

انجلی اور اس کے بھائی بہن اپنے دادا، دادی کی شادی کی پچاسویں سالگرہ منانے کے منصوبے بنا رہے تھے وہ چپکے چپکے مشورہ کرتے، سامان خریدتے اور ان کے تحفے پیک کر کے عین بروقت پر حیران کر دینا چاہتے تھے۔

ریکھا یہ سب بہت شوق سے دیکھ رہی تھی وہ بھی ان کی خوشیوں میں شامل تھی کیسا سب مل جل کر کام کر رہے تھے۔

صبح ہی صبح آلوک بھیا نے انجلی اور ریکھا کو ٹکٹ دے کر کہا "اس بزرگ جوڑے کو تین بجے والی فلم دکھانے لے جانا تاکہ وہ لوگ رات کے کھانے کی تقریب کا انتظام کر سکیں۔"

جیسے ہی دادا، دادی گھر میں داخل ہوئے وہاں خوب قہقہے لگ رہے تھے اور آزادی سے کھانے کی باتیں ہو رہی تھیں۔

سارے خاندان نے ایک ایک کر کے جیسے ہی انھیں تحفے دیے۔ دادا جی نے سب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ وہ اس کی طرف صرف اس قدر توجہ دیتے تھے کہ جتنی ایک جوان لڑکی کو دینی چاہیے۔ ہر طرح عیش کا سامان اور جو وہ چاہتی مہیا کر دیتے۔

ریکھا عام طور سے تنہا ہی کھانا کھاتی کیوں کہ اس کے والدین کبھی کبھار ہی گھر پر موجود ہوتے تھے۔ وہ جب ٹی۔ وی کا پروگرام دیکھنا چاہتی دیکھ لیتی کیوں کہ اس کے گھر میں نہ تو کوئی اعتراض کرنے والا تھا نہ دوسرا کوئی دیکھنے والا۔

انجلی جب گھر واپس آئی تو بہت ہلکی پھلکی تھی "انجو خوش آمدید۔ ہم نے تمھاری کمی بہت محسوس کی" اس کی آنکھیں بھر آئیں جب اس نے وندنا کا بنایا ہوا پوسٹر پڑھا۔

"میں نے بھی تمھاری کمی بہت محسوس کی۔ دنیا میں گھر ہی سب سے پیارا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میں ایک چاہنے والے بڑے خاندان کی ایک فرد ہوں" انجو خوشی سے چلائی۔

❑ ❑ ❑ ❑

دادی ماں کی واپسی

"پھر ٹھونس رہے ہو" ٹھکوما(دادی) نے کہا۔ رونو نے سینڈوچ پر منہ مارتے ہوئے چیخ کر کہا "ناشتہ تو میں نے گھنٹوں پہلے کیا تھا پتا نہیں آپ میں کیا گھس گیا ہے آپ تو بالکل بدل گئی ہیں۔"

ٹھکوما پچھلے کچھ سالوں میں بہت بدل گئی ہیں۔ پہلے تو وہ خود ہی اس سے کہتی تھیں کھاؤ، کھاؤ، اور کھاؤ اس کے لیے بڑھیا بڑھیا پکوان بناتیں اور جب تک وہ کھاتا رہتا اسے کہانیاں سناتی رہتی تھیں اور کہانیوں میں اسے وقت کا پتا نہیں چلتا۔

ان کی کہانیوں میں محلوں کی شہزادیوں اور بہادر شہزادوں کے قصے ہوتے تھے۔ ان کی کہانیاں ایسی نہیں ہوتی تھیں جیسی دادی جی کو پسند تھیں ان کی شروعات تو "ہمارے زمانے" سے ہوتی تھی اور "جب میں تمھاری عمر کا تھا" ٹھکوما سے جب رونو پوچھتا جب آپ جوان تھیں تو کیا ہوا تھا تو چپ ہو جاتیں اور کہتیں "ایسی کوئی کہانی نہیں ہوتی۔"

مگر اب بارہ سال کی عمر میں رونو کو کچھ عجیب سا لگتا تھا اب ٹھکوما کافی دیر تک چپ چاپ بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتیں۔ یا خود سے باتیں کرتیں اور کھوئی کھوئی سی رہتیں یا پھر رانو کو کھانے پر ٹوکتیں۔

پچھلی رات کی بات ہے کھانے پر مرغ تھا۔ رنو نے جیسے کھانے کی میز کی طرف دوڑ لگائی وہ ٹھکوما سے ٹکرا گیا۔ وہ غصے میں زور سے چلائی "چھنکو" اور اپنی گھٹیا والی ٹانگ کو مسلنے لگیں۔ ٹھکوما اکثر اُسے "چھنکو" کہنے لگی تھیں۔ رونو کو یہ پسند نہ تھا بارہ سال کی عمر میں ایک بچہ اتنا تو سمجھدار ہو تا ہی ہے کہ گھر کے نام

کا بدلنا اسے پسند نہیں ہوتا اور وہ بھی "چھنکو" جیسا نام پہلے ہی اس نے اعتراض کیا "مجھے اس نام سے مت پکارو" تو ٹھکوما اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

رونو نے خود ہی چاول اور مرغ کھانا شروع کر دیا مگر ٹھکوما کہاں چھوڑنے والی تھیں۔ انھوں نے روتی آواز میں کہا "تم میرے پیر پر چڑھ گئے۔ وہ صرف اس وجہ سے کہ تم کھانے کی جلدی میں تھے تم ہمیشہ ہی اور مانگتے رہتے ہو تمھیں کبھی تسلّی نہیں ہوتی۔ میں کہیں بھی جاؤں کھیتوں میں، دوکانوں پر، کہیں بھی تم آج سارا دن کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ مانگتے ہی رہے ہو۔" پر ٹھکوما ہی تو سارا دن اسکول میں تھا اور آپ بھی تو گھر سے باہر نہیں گئیں۔ پھر کون سے کھیتوں کے بارے میں بات کر رہی ہیں۔ "ٹھکوما ایسی بن گئیں جیسے سنا ہی نہ ہو رونو اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور وہ پلیٹ کو پٹختا ہوا چلا گیا اور جاتے جاتے بولا "ٹھکوما آپ کو ہوا کیا ہے؟ آج کل بہت خوفناک ہو رہی ہیں۔"

اس پر اس کے باپ پھٹ پڑے مگر ٹھکوما نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش رہیں۔ اور وہیں بیٹھ کر خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔ دوسرے دن پھر ایک پریشانی کھڑی ہو گئی رونو کے دو دوست آئے۔ ممی نے سموسے بنا کر رونو کو پلیٹ پکڑائی کہ ٹھکوما بول پڑیں "چھنکو' اتنے نہیں تمھارا پیٹ خراب ہو جائے گا۔"

اسکول میں دوستوں نے بھی اس کا خواب مذاق اڑایا تھا۔ وہ کچھ موٹا بھی تھا۔ اس لیے انھوں نے اسے "موٹکو" کہہ کر چھیڑا تھا۔ اس لیے چھنکو یہ کہنا بہت بُرا لگا۔ اُس نے زور سے کہا "بکو مت! ٹھکوما!"

لیکن ممی نے سُن لیا۔ انھوں نے ڈانٹا اور کہا "ابھی اِن سے معافی مانگو تمھیں ٹھکوما سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔"

رونو نے کہا "میں نہیں مانگوں گا۔"

ممی نے رنجیت اور جنیت کے سامنے ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا اور وہ روتا ہوا اوپر اپنے کمرہ میں یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ "اب میں رات کا کھانا ہی نہیں کھاؤں گا۔"

یہ حالات تقریباً ایک ماہ تک چلتے رہے۔ ایک دن رونو جب اسکول سے واپس آیا تو اس نے دیکھا ایک شریف آدمی بیٹھک میں بیٹھے اس کے والدین سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس نے سنا وہ کہہ رہے تھے۔ ''میں سفارش کر دوں گا میں ایک پناہ گاہ بنانے کا منصوبہ بنا رہا ہوں۔ جہاں اس قسم کے کیس رکھ سکوں جیسا آپ کے یہاں ہے۔''

ان کے جانے کے بعد رونو نے پوچھا یہ ''پناہ گاہ'' کیا ہوتی ہے؟'' ڈیڈی نے دانت کاٹتے ہوئے کہا'' یہ ایک جگہ ہے جہاں ہم ماں کو ماحول بدلنے کے لیے بھیج رہے ہیں؟'' ''بہت اچھے'' جہاں ان میں کچھ تبدیلی پیدا ہو سکے گی اور مجھے سکون'' رانو بولا۔

کلکتہ کی سرحد پر بیلموری میں ایسی ایک پناہ گاہ تھی۔ ٹھکوما وہاں جانے کے خیال سے کچھ جذباتی ہو رہی تھیں۔ ڈیڈی بار بار دہرا رہے تھے ''وہاں شہر سے دور چاروں طرف ہریالی ہوگی آپ کہتی ہیں کہ آپ کو اس اُجاڑ جگہ سے نفرت ہے جہاں ہم رہتے ہیں۔''

ٹھکوما نے کہا'' ہاں میں جاؤں گی میں یہاں سے نکل کر تازی ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں''۔

گھر میں سامان باندھا جا رہا تھا۔ رونو تبصرہ کر رہا تھا'' آپ بھی ہر وہ چیز سمیٹ رہی ہیں جو ٹھکوما کی ہے۔''

رشتہ دار اور دوست جلدی جلدی آتے رہے۔ اور ممّی انھیں بتاتیں یہ ڈاکٹر بوس کا مشورہ ہے وہ ایک نوجوان ڈاکٹر ہیں بہت ماہر ہیں اور ابھی باہر سے آئے ہیں، جیسے ہی رونو باہر سے آیا بات چیت رُک گئی اسے اچھا نہیں لگا مگر اس کے سوچنے کو اور بھی بہت کچھ تھا بیڈ منٹن میچ اس وقت گرمی اور تیز دھوپ تھی رونو کو نیند آ رہی تھی وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے سو گیا۔ ڈیڈی اور ممّی نے ٹھکوما کو بہت سنبھال کر اُتارا اور انھیں ''پناہ گاہ'' میں لے گئے۔

رونو کار میں بیٹھے ہی بیٹھے سو گیا تھا اس کی آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی اور وہ کلکتہ واپس جا رہے تھے کچھ سوتے کچھ جاگتے اس نے سنا۔ ڈیڈی کہہ رہے تھے ''آہ غریب ماں'' کم از کم اس کے آخری دن تو چین سے گزر جاتے اس نے بچپن سے ہی بہت دکھ اُٹھائے تھے۔ ماں نے کبھی مجھے بھی اس کے بارے میں

زیادہ نہیں بتایا۔ وہ یہی کہتی تھیں "میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔" مگر ان کی کہانی کے کچھ کچھ حصّوں سے میں واقف ہوں۔

ڈیڈی اور ممّی بے خبر تھے مگر رونو سُن رہا تھا۔ "وہ میٹھاپور گاؤں کی تھیں جہاں ان کے والد زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کاشت کرتے تھے۔ ماں اور ان کی ماں بھی ان کے ساتھ کام کرتی تھیں یہ بہت ہی سخت زندگی تھی، تبھی ان کی ماں ایک ماہ کا بچہ چھوڑ کر فوت ہو گئیں۔

ٹھکوما کے بھائی کا سن کر ممّی بہت حیران ہوئیں اور بولیں "مگر آپ کا تو کوئی ماما نہیں ہے آپ نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔"

نہیں ان کا انتقال ہو گیا اگرچہ ماں نے ان کی بہت دیکھ بھال کی مگر وہ بچ نہ سکے۔ ہر وقت روتے رہتے تھے کھیل کود اور امتحان۔

جس دن ٹھکوما کو جانا تھا اس سے ایک دن قبل رونو ان کے کمرہ میں گیا۔ الماریاں، طاق سبھی خالی تھے اور وہ سوٹ کیس بھرے رکھّے تھے جو انہیں ساتھ لے جانے تھے۔

رونو کو وہ شاندار وقت یاد آیا جو ان کے ساتھ گزرا تھا وہ کہانیاں، وہ ناریل کے لڈّو، اور وہ لاڈ سے لپٹ لپٹ جانا۔

"ٹھکوما" اس نے اپنے وجود کو پکارا جو پلنگ پر سکڑا پڑا تھا۔

"چھٹکو پھر آ گیا مجھے ستانے اب میرے پاس کچھ نہیں ہے، کچھ بھی نہیں، ایک نوالہ بھی نہیں۔ رونو واپس چلا گیا۔

دوسرے دن وہ جلد روانہ ہو گئے۔

کار تیزی سے گرانڈ ٹرنک روڈ پر جا رہی تھی۔ شہر پیچھے رہ گیا تھا شہر کے باہر کی صاف ہوا، خوشبو اور رنگ نظر آ رہے تھے مگر ممّی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ڈیڈی بھی پریشان تھے۔ ڈیڈی نے پوچھا

"ماں تم ٹھیک تو ہو۔"

ٹھکوما نے کہا"تم یہ بے وقوفی کی بات کیوں کر رہے ہو؟ مجھے پہلے سے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

ڈیڈی جب بیلموری پہنچے تو اور بھی دکھی تھے انھوں نے ایک بڑی سی حویلی کے آگے گاڑی روکی جو پرانی تھی مگر حال میں ہی اس کی مرمت ہوئی تھی۔

وہ ہمیشہ ہی بھوکے رہتے جب بارہ، تیرہ سال کے ہوئے 1943 میں تو بنگال میں قحط پڑا وہ پہلے ہی فاقوں سے کمزور تھے بچ نہ سکے اور مری ماں کی گود میں بھوک سے بلکتے بلکتے دم توڑ دیا۔ کچھ ہی دنوں میں میرے نانا نے ماں کی شادی شہر میں کر دی اور وہ بیٹھاپور چھوڑ کر کلکتہ آ گئیں۔

اس وقت تک رونو جاگ چکا تھا۔ اُس نے پوچھا"کیا ٹھکوما نے بتایا ان کے بھائی کا نام کیا تھا۔"

"تم جاگ گئے ماں اسے "چھنکو" کہتی تھیں۔"

رونو نے کہا"اوہ اب میں سمجھا اسی لیے وہ مجھے کبھی کبھی "چھنکو" کہتی تھیں۔ انھوں نے ہم دونوں کو ملا دیا تھا کبھی وہ سوچتیں یہ میں ہوں اور میرا کھانا برداشت نہیں کر پاتیں، کیوں کہ ان کا بھائی بھوک سے مرا تھا اور کبھی مجھے چھنکو سمجھ کر اور کھانے کا اصرار کرتیں۔ وہ آدمی اور وقت ملا رہی تھیں۔"

ہاں ممی نے کہا"جیسا کہ ڈاکٹر بوس نے کہا تھا یہ بوڑھی ہو رہی ہیں اور ان کی زندگی میں تلخیاں بھری تھیں وہ باہر آ رہی ہیں۔ آگے چل کر یہ حالت اور ابتر ہوتی جائے گی۔"

اس وجہ سے ہم نے انھیں ایک ایسے ادارے میں رکھا ہے جو بوڑھوں کی دیکھ بھال کرتا ہے"ڈیڈی نے کہا اور ایک چائے کی دوکان پر گاڑی روک دی۔"وہاں ان کی اچھی دیکھ بھال ہو سکے گی۔"

رونو چلا پڑا"مگر یہ تو ٹھکوما کو اُٹھا کر پھینکنا ہوا کیوں کہ وہ بوڑھی اور سٹھیا گئی ہیں۔"

"ڈاکٹر بوس کا خیال ہے یہی ان کے حق میں بہتر ہے یہ بوڑھوں کا ادارہ ہے انھوں نے اچھے ڈاکٹروں اور نرسوں کا انتظام کر رکھا ہے اگر ہم ماں کو وہاں چھوڑ دیں تو ان کی دیکھ بھال بھی اچھی ہو جائے گی اور

تم........

میں؟ کیا آپ نے میری ٹھکوما کے ساتھ اچھا کیا ہے؟ ماں نے کہا "لیکن رونو ہم نے سوچا تمھیں بھی یہ اچھا نہ لگے گا سو ہم نے اس پر عمل کر ہی ڈالا۔"

بے شک میں نے کہا تھا "مگر میں ان کے جانے سے خوش تھا مگر یہ پتہ نہ تھا کہ انھیں ہمیشہ کے لیے نکالا جارہا ہے؟"

ڈیڈی اور ممّی نے چائے پی پیسے ادا کیے اور گاڑی چلادی مگر رونو نے انھیں روک دیا "نہیں ڈیڈی واپس موڑیے۔" کچھ گھنٹوں میں ان کی کار پھر چائے کی دوکان پر رُکی مگر اس مرتبہ ٹھکوما بھی ان کے ساتھ تھیں۔

وہ خود بڑبڑا رہی تھیں "جب میں اپنا سامان کھول رہی تھی پھر مجھے واپس لے آئے"

ڈیڈی نے چائے کے لیے کہا مگر رونو کو کچھ ڈبل روٹی کے پکوڑے بھی چاہیے تھے۔

ٹھکوما نے کہا "تم پھر شروع ہو گئے۔

مگر اس مرتبہ رونو مسکرادیا اور اپنے بازو ان کے گرد لپیٹ کر بولا "ٹھکوما یہ "چھٹکو" ہے اسے کھانے دو۔ کہیں وہ بھوکا نہ رہ جائے۔

بہت ہلکی سی مسکراہٹ ٹھکوما کے ہونٹوں پر آ گئی۔

❑ ❑ ❑ ❑

ایک خط

"نیتو تمھارا ایک خط آیا ہوا ہے" نیتو کی ممّی نے اس کے گھونگھریالے، بکھرے بکھرے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نیتو نے اپنا بستہ "بستر پر پھینکتے ہوئے پوچھا" پریما" "کہاں ہے ماں؟"

اس کی ممّی نے کہا "تمھارے پپا کی میز پر ہے ہاں میرا خیال وہ پریما کا ہی ہے جلدی سے پڑھ کر واپس آؤ، مجھے بازار سے کچھ سبزیاں منگوانی ہیں"

نیتو کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اس نے کہا "میں ابھی آئی"

پریما اس کی قلمی دوست تھی جس کا خط اس کی خشک زندگی میں خوشیاں بھر دیتا تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے ایک گھٹے اور بدبودار کمرہ میں تازہ ہوا کا جھونکا آگیا ہو چاہے پریما کے خط میں کچھ ہی لکھا ہو مگر اسے لگتا تھا جیسے وہ اپنی روکھی پھیکی زندگی سے نکل آئی ہو جہاں سوائے "ہوم ورک" اسکول کے پروجیکٹ اور گھر کے اکتا دینے والے شور کے کچھ نہ تھا۔ گھر کے قریب نہ تو کوئی پارک تھا، جہاں پھولوں کے کھلنے کی بہار، چڑیوں کی چہچہاہٹ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں یا پیڑوں کے نیچے نرم نرم گھاس کا لطف لے سکے۔ نیتو نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر خط پڑھنا شروع کیا وہ پریما سے مختلف تھی وہ سمندر کے کنارے ایک

چھوٹے سے شہر میں رہتی تھی۔ اس کی زندگی بہت شاندار تھی۔ نیلی نیلی پانی کی لہریں، سنہری ریت اور بڑا سا کھلا میدان۔ وہ کتنی خوش قسمت ہے۔

ایک دن جب وہ اسکول لائبریری میں بچوں کی میگزین کے صفحات پلٹ رہی تھی، تبھی اس کے ذہن

میں قلمی دوست بنانے کا خیال آیا اس نے سوچا" یہ بہت ہی دلچسپ اور انوکھا تجربہ ہوگا عام دوستی سے ہٹ کر، جیسا کہ کہانیوں میں ہوتا ہے بہت رومانٹک اور جذباتی سا۔ وہ نہ جانے سمندر پار ہو گی یا پہاڑوں پر۔ اس نے ان لوگوں کی پوری فہرست پر نظر دوڑائی اور ان میں سے پریما کا انتخاب کیا۔ پریما راجدھانی میں رہنے والی دوست چاہتی تھی۔

پریما سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے شہر راماپورم میں رہتی تھی اس کے پتا ایک بیمار اور کمزور آدمی تھے جن کا اپنا ایک کھیت تھا اور شاید ہی کبھی اس شہر سے باہر گئے ہوں۔ نیتو اور پریما کی دوستی پروان چڑھتی رہی نیتو نے راجدھانی کے بارے میں اور پریما نے راماپورم کے بارے میں خوب تفصیل سے خط لکھے۔

جیسے دن مہینوں اور مہینے سالوں میں ڈھلتے گئے۔ دونوں لڑکیوں نے اپنے خاندان، اسکول اور مشاغل، اپنے خواب اور خواہشات ایک دوسرے کو بتادیے۔ پریما چاہتی تھی وہ اپنے پتا کے چھوٹے سے فارم کو بدل ڈالے اور اس سے خوب نفع کمائے۔ پریما جانتی تھی کہ نیتو ایک صحافی اور مصنف بننا چاہتی ہے وہ آپس میں جلدی جلدی خط نہیں لکھ سکتی تھیں کیوں کہ اتنا وقت نہ تھا مگر مہینہ میں ایک بار جب بھی لکھتیں پابندی سے لکھتی تھیں۔ جیسے پریما کے بند خط نے بھی اسے بتادیا۔

نیتو نے خط کھولا اور ورق پلنگ پر پھیلا دیئے۔ پریما نے لکھا تھا "تمھارے اسکول کے تفریحی پروگرام کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا" جے پور میں تم نے کتنا اچھا وقت گزارا ہے۔ امیر کا حیرت انگیز قلعہ۔ دل چاہتا ہے میں بھی دیکھوں۔ لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ کبھی موقعہ مل سکے گا ہمارا اسکول تو تفریح کے لیے باہر لے جانے میں یقین ہی نہیں رکھتا۔ اور تم جانتی ہو پتاجی گھر چھوڑ کر کہیں جا نہیں

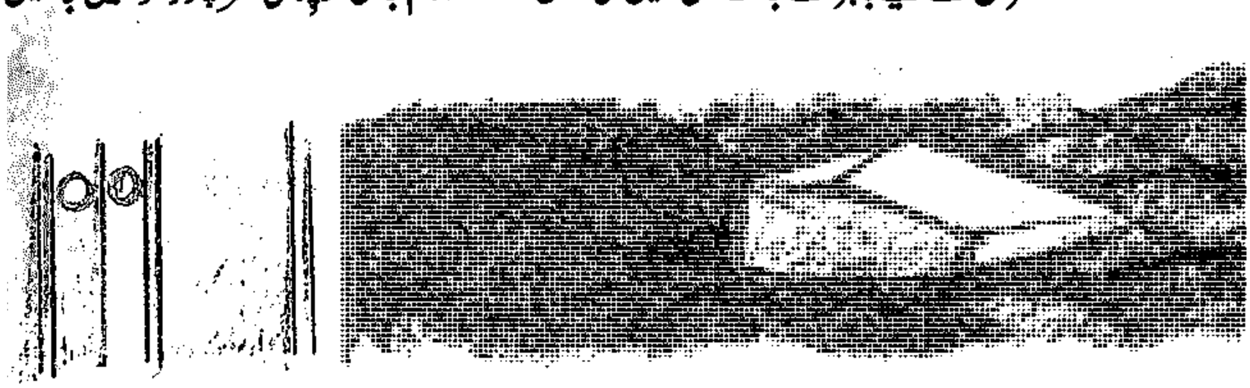

سکتے اور ماں جی اکیلے جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ انھیں اکیلا کیسے چھوڑیں۔ کوئی رشتہ دار بھی ایسا نہیں جو مجھے لے جا سکے پھر وشاکھا پٹنم ہے بھی اتنی دور کہ وہاں سے آنے کی کوئی اُمید بھی نہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے تمھارے گھر والوں اور دوستوں سے ملوں مگر اس کا بھی کوئی امکان نہیں، سوائے اس کے تم ہی آکر کبھی ہم سے ملو۔"

نیتو نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ یہاں بھی ایسا کوئی موقعہ نہیں ہے۔ اور وہ پھر خط پڑھنے لگی۔ مجھے سچ "شیڈو" (کتے کا نام) کے بارے میں مزید معلومات کرنے کا بہت شوق ہے۔ اس کی آواز کتنی پیاری ہے کیا وہ اب بھی پڑوس کے سنہرے جھبرے کتے کے تعاقب میں جاتا ہے؟ چنّی (کتا) ٹھیک ہے اور دن بدن موٹا ہوتا جارہا ہے مگر میری خواہش کہ میرے پاس بھی ایک شیڈو جیسا ایشین کتا ہوتا؟ اماں اگرچہ کتوں سے نفرت نہیں کرتیں مگر کہتی ہیں ہماری کاٹج اس کے لیے بہت چھوٹی ہے۔ کیا شاندار ڈیلیا بھی' پہلے کی طرح کھل رہے ہیں؟ اور پڑوس کا لِلی کا تالاب؟ وہ تو للی کے پھولوں سے بھرا ہوگا۔"

باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور نیتو کی چھوٹی بہنیں ریتو اور رُومی دھڑ سے کمرے میں گھسیں "یہ پریما کا خط ہے" رومی نے اشتیاق سے پوچھا "وہ کیا کر رہی ہے؟ کیا ہم اس کا خط دیکھ سکتے ہیں؟" ریتو نے پوچھا "کیا تم نے اسے لکھا تھا کہ میرے لیے کچھ خوبصورت سیپیاں بھجوادے۔ مجھے اپنے پروجیکٹ کے لیے ضرورت ہے۔"

نیتو نے کہا "کیا بے وقوفی ہے کیا سیپیاں خط میں آسکتی ہیں؟"

"اچھا اور اس نے کیا لکھا؟" رومی نے پوچھا۔ پہلے وہ پریما کا خط گھر میں سب کو سناتی تھی۔ "کچھ نہیں۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو" اس نے خط تہہ کیا اور پہلی مرتبہ وہ کچھ بے چین سی ہو رہی تھی۔

ریتو نے گھبرا کر پوچھا" کیا ہوا؟" "کوئی بُری خبر یا کچھ اور؟ تم اتنی عجیب اور شرمندہ کیوں لگ رہی ہو؟"

"تم اتنی بے تاب کیوں ہو؟ خدایا"......وہ غصّے میں آپے سے باہر ہو گئی۔ "اماں تمھیں بازار سے کیا منگوانا ہے۔ میں جا رہی ہوں۔"

ماں جی کی باورچی خانے سے آواز آئی "دودھ کا برتن اٹھاؤ اور دودھ واپسی میں لیتی آنا۔"

"کیا ریتو یا رومی یہ کام نہیں کر سکتیں" نیتو نے تیوری چڑھا کر کہا "مدر ڈیری پر اس وقت بڑی لمبی لائن ہوتی ہے۔"

اس کی ماں نے کہا "انھیں ٹیوشن پر جانا ہے۔"

نیتو غصّے میں تیوری چڑھائے ہوئے باہر نکلی۔ وہ اس وقت اپنی چہرے سے اپنے خیالات ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس کا دماغ پریشان تھا "وہ جھوٹی ہے" "وہ مہینوں سے اپنی دوست سے جھوٹ بول رہی ہے اس دوست سے جو اس کی باتوں پر یقین کرتی ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ پریا اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔ سچ نہیں دیکھ سکتی۔ ہاں......وہ جھوٹی ہے۔ اسے بہت بڑا دھچکا لگا۔ لیکن اب کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔

لیکن کیا وہ سچ مچ جھوٹی تھی؟ اس نے زندگی میں کبھی برے حالات میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔

وہ ہمیشہ اپنی غلطی مان لیا کرتی تھی۔ اسے آخر ہو کیا گیا تھا؟ نیتو نے خط ہاتھ میں پکڑ لیا وہ آگے پڑھتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

یہ سب بہت آہستہ آہستہ ہوا اور اسے اندازہ تک نہ ہو سکا۔ وہ تو اِدھر اُدھر کی باتیں صرف خط کو دلچسپ بنانے کی حد تک کرتی رہی تھی۔ اس کی نیت خراب نہیں تھی۔ کیوں کہ اس کے علاوہ لکھنے کو

اور رہ بھی کیا جاتا ہے؟ ایک چھوٹا سا اسکول جس میں سانس تک لینے کی جگہ نہ تھی۔ کچھ بھی تو نہ تھا بس رٹنا......رٹنا......اور رٹنا......ایک گھر، گندی دھول بھری اور اندھیری گلی۔ جس کے آس پاس بدصورت عمارتیں.....اور عجیب عجیب نظارے۔ پریا جو اپنی ہی کانیج میں رہتی تھی اس کے گھر کے قریب خوب صورت سمندر تھا وہ اس قابل تھی کہ اسے بھی کچھ دلچسپ بیان دے سکتی تھی۔ راجدھانی سے متعلق اس کا تصوّر بہت خوبصورت تھا کہ وہاں کا ہر حصّہ نہایت صاف ستھرا اور خوبصورت ہوگا۔ جیسے تصویروں میں ہوتا ہے۔ کیا اسے بتانے کی ضرورت تھی کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

اس نے اپنے تصوّر سے خط میں ایک باغیچہ بنالیا جس میں پیلے پیلے پھول، گلاب، ڈیلیا اور فلوکس (ایک پودا) تھے، میٹھی میٹھی مٹر کی پھلیاں۔ ہولی ہوکس (پھول) پھولوں کے گچھّے کھل رہے تھے۔ اور زمین ہری ہری مخملی گھاس سے بھری تھی۔ اور اسکے برابر کے بنگلہ میں ایک للی سے بھرا تالاب تھا جس کے آس پاس کرسیاں پڑی تھیں اور اس میں ایک السیشین کتا تھا۔ شیڈو"

یہ سب اس کے دماغ میں آئے خیالات تھے۔ اس کی خواہشات تھیں جو تصوّر کرتی تھی پریا کو خط میں لکھ دیتی۔ اسے ایک ایک کر کے سب یاد آرہا تھا۔ جیسا ہی باغیچہ اور کتا اس کے تصوّر میں تھا پریا کو لکھ دیا۔ اس نے اپنے بھونڈے اور غیر دلچسپ اسکول کو اپنے خوابوں کے شاندار اسکول میں تبدیل کر دیا۔ جہاں سب کو بے حد مزہ آتا تھا جس میں ایک بڑا سا کھیل کا میدان، ایک بڑا تیراکی کا تالاب اور بڑی سی لائبریری تھی۔ اور ایک شاندار ہال جہاں تہوار اور سالگراہیں دھوم دھاکہ سے منائی جاتی تھیں اُس کے چچازاد بھائی بہن ایسے ہی اسکول میں جاتے تھے تو اسے ان کے بارے میں بہت معلومات تھیں۔

اس کے تمام خوبصورت خیالات ایک تخیلی کہانی بن کر خطوط میں اُترتے جاتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خواب کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اور ایک ایسی شخصیت کو لکھنا جس کے متعلق یہ

تصوّر بھی نہ تھا کہ وہ سب دیکھ سکے گی کہ یہ خواب تھے یا صرف خیالات؟ اب وہ جھوٹ کا ایک پلندا نظر آرہے تھے۔ اور اگر پریما کو پتا چل گیا کہ سب جھوٹ تھا دھوکہ تھا......... جو وہ مہینوں سے بول رہی تھی تو اب سوچنے کا نہیں عمل کا وقت آگیا تھا۔ جب وہ سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو خیال آیا کہ اس نے پریما کا پورا خط ہی نہیں پڑھا۔ وہ اُچھل کر اُتری۔ بجلی جلائی اور بیگ سے خط نکالا۔ آخر میں لکھا تھا کہ "تمھارے لیے ایک شاندار حیرانی کی بات ہے تم سوچ بھی نہ سکو گی کہ کیا ہے؟ میرے چچا یعنی ابا کے چھوٹے بھائی جو کینیڈا سے آئے ہوئے ہیں اگلے ہفتہ دفتر کے کسی کام سے دلّی آرہے ہیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔ ہے نا زبردست بات..... وہ تو ہوٹل میں رہیں گے مگر میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ میں تمھارے ساتھ رہوں گی مجھے امید ہے کہ یہی ٹھیک رہے گا۔ لیکن تمھیں اگر کوئی پریشانی یا تکلیف ہو تو میں بھی ان کے ساتھ ہی ہوٹل میں رہ سکتی ہوں۔ میں تو تم سے ملنے کے لیے مری جا رہی ہوں اور خاص طور سے شیڈو سے..... مجھے یقین نہیں آرہا کہ واقعی میں تم سے مل ہی لوں گی۔ مجھے امید ہے کہ 5 / مئی کو تم گھر پر ہی رہو گی چچا مجھے تمھارے پاس پہنچا دیں گے۔"

نیتو اچھل پڑی 5 / مئی وہ تو کل ہی ہے۔ اور پریما نے کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہے۔ اس نے گاڑی کا وقت بھی تو نہیں بتایا؟

"اب وہ اس قابل بھی نہیں کس طرح اسے سب بتائے گی؟ کیسے اپنی غلطیوں کی معافی مانگے گی؟ کہ اس نے اپنی اور اپنی زندگی کے بارے میں کتنی غلط تصویر دکھائی ہے۔"

اسے محسوس ہوا جیسے پریما کہہ رہی ہے تم جھوٹی ہو "جھوٹی ہی نہیں دغاباز بھی ہو؟ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں" اس کے گالوں پر آنسو بہنے لگے۔ وہ کھڑکی میں کھڑی تھی اور خط اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ پریما اس کے اور اس کی ان دیکھی سہیلیوں کے بارے میں کیا تصوّر کر رکھا

ہو گا؟اس دوستی نے اسے زندگی کا ایک نیا رخ دیا تھا ایک نئے معنی سمجھائے تھے۔

"کیا بات ہے تم اتنی پریشان کیوں ہو؟" اس کی ماں نے کمرہ میں آتے ہوئے پوچھا۔

" پریما دلی آرہی ہے" نیتو نے گھبرا کر کہا اور وہ بھی پانچ تاریخ کو....... کیا یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہی قیام کرے۔ وہ یہاں صرف تین دن ٹھہرے گی۔"

" بے شک یہ بالکل ٹھیک ہے۔" اس کی ماں نے مسکرا کر کہا۔

وہ یہاں تمھارے اور ریتو کے ساتھ سو سکتی ہے۔ اور رومی تین دن ہمارے کمرے میں سو جائے گی۔
"شکریہ لماں مگر پریما شاید نہ رہنا پسند کرے۔" نیتو کی لماں نے کہا" اس سے پوچھ لینا" میرا خیال ہے شاید وہ رہ جائے گی۔

نیتو صبح کھوئی کھوئی اور بھاری آنکھوں سے اُٹھی اگر پریما کے چچا ہمارا مکان تلاش نہ کر سکے تو..... ایسی گندی اور اندھیری گلی نظر انداز کر دینا کوئی مشکل بھی نہیں۔ ہو سکتا ہے جیسے پریما اس علاقہ میں آئے وہ سوچے کہ پتے میں کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ یہاں نہ کوئی بنگلہ ہے۔ نہ کوٹھی...... نہ باغ...... نہ للی کا تالاب...... اور غضب یہ کہ "شیڈو" بھی نہیں اسی وقت ایک زور دار کھٹکا ہوا۔ نیتو نے ڈوبتے ہوئے دل سے دروازہ کھولا۔ پریما اور اس کے چچا کھڑے تھے۔ ہاتھ میں سوٹ کیس تھا پریما نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چلائی ..... نیتو...... یہ کتنا حیرت انگیز ہے کہ آخر ہم مل ہی گئے۔"

نیتو نے خشک سی آواز میں کہا" اندر آؤ" اور انھیں ایک معمولی سے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

پریما کے چچا نے معذرت کرتے ہوئے کہا" مجھے ذرا جلدی ہے آدھے گھنٹے بعد میری ایک میٹنگ ہے پریما کے یہاں ٹھہرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہاں اگر کوئی پریشانی ہو تو میں شام کو

آکر اسے ہوٹل لے جاؤں گا۔"

نیتو کی ماں نے کمرے میں آکر کہا "اسے ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔"

"نیتو" پریما کو اپنے کمرے میں لے جاؤ لمبے سفر سے آکر شاید یہ غسل کرنا چاہے گی۔"

جیسے ہی وہ اکیلی ہوئیں نیتو نے کہا "پریما مجھے افسوس ہے......اس سب کا جو میں نے تمھیں لکھا میری سمجھ میں نہیں آرہا.... کیسے کہوں؟ میرا مقصد جھوٹ بولنا نہیں تھا...... تم دیکھ رہی ہو۔ ہر چیز کس قدر بے رونق بھونڈی اور غیر دلچسپ ہے میں اپنے تصوّر سے اس میں رنگ بھرنا اور اوپر اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ برابر کا ولا، وہ باغ وہ اسکول کے تفریحی پروگرام سب خیالی تھے حد ہے کہ..... کہ شیڈو بھی۔ مجھے افسوس ہے میں جانتی ہوں تم سوچ رہی ہوگی میں کتنی بُری ہوں۔

پریما نے اپنی آنکھیں چمکاتے ہوئے "مگر میں نے کب کہا؟۔ میں تو سوچتی ہوں تم بہت ہی دلچسپ، تصوّرات میں کھونے والی اور جذباتی لڑکی ہو۔ جو دنیا کے سب سے اچھے خط لکھ سکتی ہو...... اتنے دلچسپ خطوط جیسے کہانیوں کی کتاب۔ سچ ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ حقیقت ہے مجھے ان سے پیار ہے۔

دلّی میں اور بھی بہت سے خوبصورت مقام ہیں ان باغوں سے بھی اچھے.... جس کا میں نے بیان کیا تھا۔ میں ان میں سے کچھ میں تمھیں لے چلوں گی۔" پریما نے جوشیلے انداز میں کہا "انڈیا گیٹ اور لال قلعہ اور لودھی گارڈن...... اور اچانک انھیں دنیا بہت ہی خوبصورت اور شاندار نظر آنے لگی۔

❑ ❑ ❑ ❑

کھٹھیری کا گھونسلا

"سونل، سونل بھاگو" میگھا اور تانیہ ایک ساتھ چلائیں۔ "بھاگو وہ دروازہ بند کرنے والا ہے۔"

سونل نے اپنی دوستوں کی آواز سنی اور دوڑ لگادی حالاں کہ اسکول کا بستہ، کھانے کا ڈبا اور پانی کی بوتل کے بوجھ سے وہ لڑکھڑا رہی تھی جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی دربان نے گیٹ بند کر دیا اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

دربان نے ہمدردی سے کہا۔ چہ۔ چہ۔ چہ۔ چہ اگر تم چند سیکنڈ اور نہ آتیں تو آج چھٹی کرنی پڑتی۔ جو بچے بھی گیٹ بند ہونے کے بعد آئے انھیں واپس جانا پڑا۔

میگھا نے کہا "جلدی کرو" اپنی چیزیں ڈالو اور اسکول اسمبلی میں چلو..... سونل اپنی دو سہیلیوں کو دھکیلتی ہوئی کلاس میں داخل ہوئی جہاں اس نے اپنی چیزیں رکھیں جیسے ہی گھنٹی بجی وہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنی لائن میں شامل ہو گئیں۔ ہو، ہو، ہا، ہا جیسے ہی پرنسپل ڈائس پر تشریف لائیں عام مسکراہٹیں شروع ہو گئیں پرنسپل کی نظر بد قسمت سونل پر پڑیں اور انھوں نے ڈانٹا "خاموش رہو" اسمبلی شروع ہو گئی۔

درجہ ہفتم کے بچے بہت خوش تھے اور شور مچا رہے تھے سونل چھینک روکنے کی کوشش کر رہی تھی ہنسی مذاق جاری تھا کہ سائنس ٹیچر داخل ہوئے انھیں بہت جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی کہ بچے سنجیدہ نہ تھے اور انھوں نے ابھی تک اپنا سائنس کا پروجیکٹ بھی شروع نہیں کیا تھا۔ انھوں نے فہمائش کی کہ

"کل تک مجھے تم لوگوں کی تجویز چاہیے اور اس مہینے کی آخر تک پروجیکٹ مکمل ہو جانا چاہیے۔ سونل نے اپنے دماغ پر زور دیا اور اسکول کے بعد اپنی دوستوں کے رُو برو ایک خیال پیش کیا۔

ہمارے باغ میں روز دو کٹھفیریاں آتی ہیں اور میرا خیال ہے ان کا گھونسلا بھی کہیں آس پاس ہی ہے شاید "غرانے والے" کے کھیت میں ہو کیوں کہ وہاں سے اکثر شام کو میں ان کے بولنے کی آوازیں سنتی ہوں "کیوں نہ ہم انھی پر اپنا پروجیکٹ بنائیں؟ کئی آوازیں آئیں ایک عمدہ خیال ہے" تانیہ نے رائے دی مگر یہ غرانے والا کون ہے؟

" کیا تم بھول گئیں ہمارے پڑوس میں مسٹر گرودر رہتے ہیں۔ اور جب بھی ہم ان کے کھیت میں جاتے ہیں، وہ مجھ پر اور میرے بھائی پر غرّانے لگتے ہیں وہ سمجھتے ہیں ہم ان کی سبزیاں چرانے آتے ہیں۔ اسی لیے میں نے ان کا نام "غرّانے والا" ہی رکھ دیا ہے" سونل نے نفرت سے کہا۔

سہ پہر کو وہ سونل کے گھر پہنچیں۔

"کیا تم نے وہ کٹھفیریاں دیکھی ہیں؟ سونل نے دو چڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو گھاس پر گھوم رہی تھیں جب یہ یہاں ہوں گی تبھی ہم اس "غرانے والے کے کھیت میں جائیں گے مجھے شک ہے ان کا گھونسلا وہیں ہے۔" میگھا نے ڈرتے ڈرتے کہا "اگر مسٹر گرودر نے ہمیں پکڑ لیا تو؟" سونل نے کہا "ہم ان کے سبزیوں والے حصّے میں نہیں جائیں گے؟ میگھا نے تشویش سے کہا "کیوں نہ ہم پہلے مسٹر گرودر سے اجازت لے لیں" تانیہ نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا "تم گھبراؤ نہیں اگر ہم پکڑے گئے تو بتادیں گے کہ ہم مجبوراً یہاں آئے ہیں۔"

بھیلا پور ایک چھوٹا سا زراعتی قصبہ تھا جہاں بہت سے گھروں میں چھوٹے چھوٹے کھیت تھے جس میں گیہوں اور مکّا کی کاشت ہو سکتی تھی۔ مسٹر گرودر بھی انھی میں سے ایک تھے۔

لڑکیاں مسٹر گرودر کے کھیت میں پھاٹک کی ایک چھوٹی سی کھڑکی سے داخل ہو گئیں وہ سیدھے ہاتھ پر لگی ہوئی سبزیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے الٹی طرف گئیں ایک تازہ تازہ کٹی ہوئی گیہوں کی فصل

تھی جو ایک ڈھیر کی شکل میں پڑی تھی۔

"ٹھٹھیریوں کا گھونسلا یہیں ہونا چاہیے" سونل نے کہا کیوں کہ "میں نے انھیں کبھی پیڑ پر نہیں دیکھا۔"
اس نے میگھا اور تانیہ کو ہدایت دی کہ "بہت ہوشیاری سے اسی کھیت میں دیکھو۔"

فوراً ہی وہاں "ٹیں۔ ٹیں۔ ٹیں کی زور دار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ٹھٹھیریوں نے محسوس کیا جیسے حملہ آور گھونسلہ کے نزدیک ہیں تو وہ اس کے ارد گرد چکر لگانے لگے۔

اسی وقت سونل نے جوش میں تانیہ اور میگھا کو پکارا دیکھو دیکھو وہ ہے گھونسلا۔"

"کہاں" !

"وہاں" اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میگھااور تانیہ نے اوپر دیکھاتوانھیں سوائے سوکھی مٹی کے کنکروں کے کچھ نظر نہ آیا۔

سونل نے اشارہ کیااس میں چار انڈے بھی ہیں۔ ٹٹیریوں نے نڈر ہو کر نیچی اُڑان بھری اور سونل جو سب سے آگے تھی،اس پر جھپٹیں۔ سونل گھبرا کر جھک گئی۔ تبھی دوسری ٹٹیری جھپٹی اور سونل کچھ انچ کے فرق سے بال بال بچی۔ تانیہ نے سہمتے ہوئے کہا"یہ ہم پر حملہ کر رہی ہیں۔ تیزی سے دوڑو"حملہ آور چڑیوں کے حملہ سے بچتے بچاتے یہ سہیلیاں دوڑیں اور گھبراہٹ میں پھاٹک کی کھڑکی کا راستہ بھول کر سبزیوں کے کھیت میں چھلانگ لگادی کچھ ہی دیر میں جب ٹٹیریوں نے دیکھا خطرہ ٹل گیاتو وہ بھی اُڑ گئیں۔

سونل نے ہاتھ اُٹھا کر میگھااور تانیہ کو روک دیااور کہا"رُکو۔ رُکو۔ ہم سبزیوں کے باغ میں ہیں۔ تانیہ اور میگھانے ڈر کر دیکھا میگھانے تو رونا ہی شروع کر دیا۔ تانیہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا

"مت رو، میگھا، میگھا ہم ابھی باہر نکل جائیں گے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔"

مگر اسی لمحہ مسٹر گروور نمودار ہو گئے۔

"اے لڑکی تم کیا کہہ رہی ہو سمجھی ہو گی کسی کو پتا نہیں چلے گا؟" ان کی آواز میں غراہٹ تھی چشمہ کے موٹے شیشوں کے پیچھے سے ان کی آنکھوں سے غصہ جھلک رہا تھا۔ ان کے چہرے پر جو گھنی داڑھی تھی وہ بھی غصے سے کپکپا رہی تھی۔

"ک۔ک۔ک کچھ نہیں جناب۔" تانیہ نے میگھا کو زور سے دبوچتے ہوئے کہا۔

انھوں نے سونل کی طرف مڑتے ہوئے کہا "میں نے تمھیں پہلے بھی دیکھا ہے۔"

سونل نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا "جناب ہم کسی غلط ارادے سے نہیں آئے تھے۔ براہِ کرم ہمیں وضاحت اور صفائی کا موقعہ دیجیے۔ ہم اسکول میں سائنس کا ایک پروجکیٹ چڑیوں سے متعلق بنا رہے ہیں آج میں نے چڑیوں کا ایک جوڑا دیکھا جنھوں نے یہاں گھونسلا بنا رکھا ہے ہم نے سوچا ذرا قریب سے گھونسلا دیکھا جائے مگر جب ہم اس کے قریب پہنچے تو چڑیوں نے حملہ شروع کر دیا۔ ہم اتنا گھبرائے کہ دوڑتے ہی چلے گئے اور جب تک یہاں نہیں پہنچے ہمیں یہ بھی نظر نہیں آیا کہ کس طرف دوڑ رہے ہیں؟"

کچھ توقف کے بعد مسٹر گروور نے کہا "تمھارا مقصد کٹھپھریوں سے ہے۔

"جی" سونل نے کہا۔

"ہم، ہاں مسٹر گروور نے کہا "کٹھپھریاں ہمیشہ اس پر حملہ کرتی ہیں جو اس کے گھونسلے کے نزدیک جائے" وہ اب ان کی وضاحت تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ انھوں نے مسکرا کر کہا "میں بھی ان کے گھونسلے پر نظر رکھتا ہوں۔" "میں تمھیں اور دوسری چڑیوں کے گھونسلے بھی دکھا سکتا ہوں" تینوں سہیلیاں سوچ رہی تھی کہ زبردست ڈانٹ پڑے گی۔ وہ گنگ سی ہو گئی تھیں وہ ان کے پیچھے چل دیں۔ مسٹر گروور نے پھر ان سے پوچھا تم کیا کہہ رہی تھی؟ کہ تم ایک پروجیکٹ پر کام کر رہی ہو؟"

"جی" تینوں نے ایک آواز میں جواب دیا۔

'ٹھیک ہے" میرے پاس چڑیوں کے بارے میں کتابیں ہیں۔ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر تم میرے ساتھ اندر چلو گی تو میں تمھیں دکھاؤں گا۔"

"آپ کا شکریہ" تانیہ نے سونل اور میگھا کی طرف دیکھ کر کہا "ہمیں بہت اچھا لگے گا۔"

مسٹر گرودر اُنھیں اندر لے گئے۔ مسز گرودر اُنھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور لیموں کے شربت سے ان کی تواضع بھی کی۔

مسٹر گرودر نے سالم علی کی لکھی ہوئی چڑیوں کے متعلق اور کتاب نکالی اور سہیلیوں نے بڑے اشتیاق سے چڑیوں کی تصاویر دیکھیں۔ ٹٹھیریوں کے گھونسلے کی بھی ایک تصویر تھی جو بالکل ویسی ہی تھی جیسا انھوں نے دیکھا تھا۔

مسٹر گرودر نے بتایا "ٹٹھیری نے تقریباً دو ہفتہ قبل چار انڈے دیے تھے اگلے چند دنوں میں ان میں سے چوزے نکل آئیں گے کیا تم انڈوں سے نکلنے والے چوزے دیکھنا چاہو گی۔"

"ہاں۔ہاں۔ سب نے ایک ساتھ کہا۔

تانیہ نے پوچھا "کیا کل اور اس کے بعد بھی جب تک انڈوں سے ٹٹھیری کے بچّے نہ نکلیں ہم دیکھنے آسکتے ہیں؟ آپ ہم پر یہ مہربانی کریں گے؟"

مسٹر گرودر بولے "ہاں میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا" اب ان کی آواز میں بالکل غراہٹ نہ تھی۔

انھوں نے کہا "اب تم سب اپنا اپنا تعارف کراؤ"

انھوں نے اپنا اپنا تعارف کرو لیا اور شکریہ ادا کر کے آ گئیں۔ تانیہ بولی "مسٹر گرودر بُرے آدمی نہیں ہیں۔" میگھا نے بھی اس کی تصدیق کی "وہ تو ہماری مدد کرنے کو بھی راضی ہیں اور ان کے گھونسلے دکھانے اور ان کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے میں بھی کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔"

سونل کافی شرمندہ تھی اس نے کہا" ہم سوچ رہے تھے وہ بالکل بھی ویسے نہیں ہیں۔ جب میں اور میرا بھائی ان کے کھیت میں گئے تو میں نے دیکھا وہ گھور رہے ہیں اور میں نے سوچا غصّے سے ان کی تیوری چڑھی ہوئی ہے مگر اب لگتا ہے چشمہ کے موٹے شیشوں کی وجہ سے وہ ایسے نظر آتے تھے۔ اور سونل نے تسلیم کیا وہ غصیلے نظر آتے ہیں مگر ہیں نہیں۔ حقیقت میں وہ شفیق اور اچھے دوست ہیں۔

سونل کا سر شرم سے جھک گیا۔

دوسرے دِن سے وہ تینوں سہیلیاں روز مسٹر گروور سے ملنے جاتی رہیں انھوں نے اپنی آنکھوں سے انڈوں سے نکلے چوزے دکھائے اور مسز گروور نے اُنھیں ناشتہ بھی کرایا۔

مسٹر گروور نے چوزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ان کے رنگ کی وجہ سے انھیں تلاش کرنا مشکل ہے۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ یہ انھیں ان چڑیوں اور جانوروں سے محفوظ رکھتا ہے جو انھیں کھا جاتی ہیں۔"

چڑیوں کا مشاہدہ مسٹر گروور کا مشغلہ تھا۔

ان کی ماہرانہ ہدایات پر لڑکیوں نے ان کی تصاویر بنائیں اور نوٹس بھی تیار کیے اس کے علاوہ پھوٹے ہوئے انڈوں کے چھلکے جمع کر کے انھیں بھی پروجیکٹ کا ایک حصّہ بنایا۔

اسکول میں ٹیچر نے ان کی بے حد تعریف کی اور انھیں 'اے' گریڈ دیا۔

مسٹر گروور کو پتا چلا کہ ان تینوں کو اسکول میں 'اے گریڈ' ملا ہے تو بہت خوش ہوئے ان کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور تینوں سے بار بار ہاتھ ملائے۔

ان لوگوں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ کیک پیش کیا جو خاص طور سے اِن لوگوں نے ان کے لیے بنایا تھا۔ مسز گروور نے کہا" تم سب کو یہاں دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔ جب سے ہمارے بچّے بڑے ہوئے اور ہمیں چھوڑ کر گئے ہیں ہم نے بہت تنہائی محسوس کی ہے۔ مگر تم لوگوں کی آمد سے ہمیں بہت خوشی ملی ہے۔"

مسٹر گروور نے بھی کہا "ہاں بہت اچھا لگتا ہے۔ اور مجھے اُمید ہے تم آئندہ بھی ہم سے ملتی رہو گی"۔

"بے شک" سونل نے کہا "ہم آپ کی جمع کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں گے اور چڑیوں کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کریں گے۔"

تانیہ اور میگھا نے بھی سر ہلایا۔

سونل خوشی سے چل پڑی! آؤ ہم سب مل کر جشن منائیں۔ ہرّے"۔ ہم سب چھ کے لیے۔ "چھ کے لیے؟ تانیہ نے چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن ہم تو صرف پانچ ہیں۔"

سونل نے وضاحت کی "پانچ ہم اور چھٹی ہماری دوستی۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ آچھیں۔ آچھیں۔ اس نے اپنی مشہور چھینکیں مارنی شروع کر دیں۔

اور سب نے دل کھول کر قہقہے لگائے۔

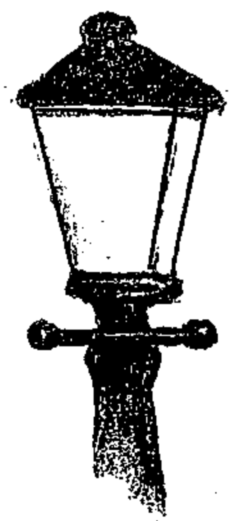

ہمیشہ کا ہیرو

مسز کپور نے کہا" کرن۔ کیابات ہے تم کھانا کیوں نہیں کھاتے پلیٹ میں پھیلار ہے ہو۔"

"مجھے یہ سبزی پسند نہیں اور مجھے فضول سے اسکول سے بھی نفرت ہے" وہ بھڑک کر بولا۔

"کیوں؟" مسز کپور نے تحمل سے پوچھا" آخر اس اسکول میں کیا خرابی ہے" کرن؟

"اس میں یہ خرابی ہے کہ یہاں فٹ بال نہیں ہے"۔

"مگر اس کے علاوہ بھی تم کوئی دوسرا کھیل لے سکتے ہو"۔

ہاں، ہاں۔ ہمارے یہاں باسکٹ بال۔ بیڈ منٹن اور ٹیبل ٹینس ہیں کیوں کرن ہیں نا؟ اس کی چھوٹی بارہ سال کی بہن سیما نے جھانکتے ہوئے کہا۔ وہ ہر جگہ آسانی سے خوش رہتی تھی اور کرن کے برعکس بہت سی دوست بھی بنالیتی تھی۔

اس نے اس حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا" کون ایسے فضول کھیل کھیلنا چاہتا ہے"۔

اس پر مسز کپور تیزی سے بولیں۔ کرن ختم کرو یہ جھنجھلاہٹ۔ کافی ہو چکا۔ جو ہے اسی کا فائدہ اٹھاؤ اور جو نہیں ملتا اس کا ماتم نہ کرو۔

باقی کھانے کے دوران کرن خاموش رہا۔ رات کو کھانے کے بعد کرن روٹھ کر اپنی پسندیدہ جگہ جا بیٹھا یعنی اپنے گھر کے پیچھے کی سیڑھیوں پر۔ وہ جب بھی پریشان یا آزردہ ہوتا اکثر وہیں جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ پچھلے دو ماہ سے مختلف انداز میں رات کے کھانے کے دوران اسی قسم کی بات چیت بارہا ہو چکی تھی۔

اس کی ممّی ہمیشہ ہی اسے خاموش کر دیتیں مگر والد نے ایک مرتبہ بھی کچھ نہ کہا اور نہ کبھی اس پر ناراض ہوئے۔

کرن جب فرینکلن پبلک اسکول میں پڑھتا تھا، تو پندرہ سال سے کم عمر بچوں کی ٹیم میں منتخب ہو گیا تھا۔ مگر انھی دِنوں ان کے والد کی کمپنی اچانک بند ہو گئی کمپنی پر جو بقایہ جات تھے نہ وہ ملے اور نہ ہی اُنھیں کوئی دوسری ملازمت مل سکی۔ اس وجہ سے وہ زیادہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اکیلی مسز کپور کی تنخواہ سے دونوں بچّوں کی فیس اور مکان کا بہت زیادہ کرایہ ادا کرنا ناممکن تھا اس وجہ سے انھیں ایک کم کرایہ کا مکان آنند نگر میں لے کر یہاں آنا پڑا۔ کرن کا دل فرینکلن چھوڑنے سے ٹوٹ گیا۔ اس نے التجائیں کیں۔ خوشامدیں کیں، رویا کہ کسی طرح وہ اسی اسکول میں رہ سکے۔ مسز کپور نے اسے بہت سمجھایا کہ گورنمنٹ موڈل اسکول ناگپور کے بہترین اسکولوں میں سے ہے مگر کرن کی سوچیں دوسری تھیں۔ وہ سوچتا تھا فرینکلن ہی بہترین ہے۔ وہ اپنی بد قسمتی کا ذمہ دار مسٹر کپور کو سمجھتا تھا۔ حالاں کہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔

ان کے والد آئے اور کہا ”کرن کیا میں تمھارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟“

”ٹھیک ہے ‘ وہ ابھی تک ناراض تھا۔

انھوں نے بہت نرمی سے کہا ”کرن مجھے بتاؤ تم کیسا محسوس کرتے ہو۔؟“

کرن غصّے سے ان کی طرف گھوما۔ اوہ نہیں آپ نہیں جان سکتے۔ اگر آپ اسکول میں ہوتے تو اسکول ٹیم میں ہو کر کبھی اسکول نہیں چھوڑتے۔ آپ کبھی بھی اپنا سامان اور بلاّ (نشان) واپس نہیں کر سکتے اگر آپ کا نام سینئر فارورڈ کھیلنے والے بہترین کھلاڑیوں میں ہوتا۔“ وہ اس قدر جذباتی ہو گیا کہ اس کی تیز آواز اب سسکیوں میں بدل گئی۔

مسٹر کپور نے نرمی سے اسے اپنی طرف کھینچا اور کہا ”کرن تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی میں کبھی ایک اچھا کھلاڑی ہیرو نہیں رہا۔ اور مجھے تم پر بڑا ناز ہے۔ اور یقین ہے کہ تم جو بھی کھیل منتخب کرو گے۔ اسی میں نمایاں رہو گے۔“

"نہیں اگر میں کوئی دوسرا کھیل شروع کروں تو اس میں ہیرو نہیں بن سکتا۔"

"تم ہیرو ہو اور ہیرو ہی رہو گے۔ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ ایک دفعہ کوشش کرو گے۔"

انھوں نے اس قدر سنجیدگی سے سمجھایا کہ کرن نے پہلی دفعہ ان کی طرف دیکھا وہ ان چند مہینوں میں کس قدر دبلے ہو گئے ہیں نوکری کی ناکامی کا اثر ہے۔ اور تب بھی کرن کا درد محسوس کر رہے ہیں۔ کرن نے جب بھی انھیں جھنجھلا کر جواب دیا انھوں نے کبھی بھی اپنی قوت برداشت نہ کھوئی۔ کرن کو اپنی خود غرضی پر بڑی شرم آئی۔

اس نے بے یقینی کی حالت میں کہا "ٹھیک ہے پاپا میں کوشش کروں گا۔"

"یہ ہے اچھے لڑکوں کی طرح"

ہم تمھارے لیے ایک ریکٹ لائیں یا ٹیبل ٹینس کا بلا؟

یا تم باسکٹ بال کھیلنا پسند کرو گے؟"

پاپا مجھے اس پر غور کرنے دیجیے۔"

اگلے کھیل کے پیریڈ میں اس نے خود کو تنہا پایا۔ کرن جانتا تھا کہ یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔ وہ ہر وقت اپنے پرانے اسکول اور فٹ بال کی اس قدر باتیں کرتا تھا کہ سب لڑکے اسے مغرور شیخی باز سمجھتے تھے۔ دوسری طرف کرن ڈرتا تھا کہ وہ کسی نئے کھیل میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ اتنی لمبی لمبی باتیں کرنے کے بعد، کے لیے مشکل تھا کہ اب وہ کسی دوسرے کھیل میں بہتر بھی کھیل سکے۔

کس طرح وہ سب سے ملے گا کس طرح دوسرا کوئی کھیل کھیلے گا؟ اس میں عمل کرنے کی قوت اور جوش بجھا ہوا تھا کھیل کے لیے وہ بے قرار تھا۔ مگر اس کا غرور اسے لڑکوں کے پاس جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ سبھاش اپنے ہاتھ میں بیڈمنٹن کا ریکٹ جھلاتے ہوئے آیا اور بولا "کرن کیا تم ڈبل میں میرے ساتھی بنو گے۔"

"لیکن میں؟

"اوہ، میں جانتا ہوں کہ تم ایک بہترین فٹ بالر ہو۔ اور مانے ہوئے سینٹر فارورڈ کھلاڑی ہو مگر

بدقسمتی سے ہمارے یہاں فٹ بال کا میدان نہیں ہے۔ مگر تمھاری طرح کا ایک اچھا کھلاڑی ہر کھیل کھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تم جانتے ہو۔

سبھاش کے تعریفی الفاظ نے کرن کے دل کو چھولیا۔ اگرچہ اپنے والد سے بات کرتے کرن میں کچھ اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ مگر پھر اسے بے اعتمادی پیدا ہونے لگی۔ "میں اچھی طرح صرف......"

"کوئی بات نہیں اگر تم کوشش اور سخت مشق کرو تو سیکھ سکتے ہو۔"

"میں سوچتا ہوں مجھے کوشش کرنی چاہیے۔"

"یہ بہت اچھا ہے، اصل میں انٹر اسکول جونیر چیمپین شپ قریب آ رہی ہے۔ اگر ہماری جوڑی اچھی بن جائے تو ہم دونوں کی ٹیم بن سکتی ہے" سبھاش نے کہا میرا باقاعدہ ساتھی اسکول چھوڑ گیا ہے۔

ایک دفعہ جب انھوں نے کھیلنا شروع کیا تو کرن کو اس میں بہت لطف آنے لگا۔

کھیلوں سے دور ہو جانے کے بعد دوبارہ کھیل شروع کرنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا بھلے ہی وہ فٹ بال نہ تھا۔ جتنا وہ ڈر رہا تھا کسی نے بھی اس کا مذاق نہیں اڑایا بلکہ حقیقت میں وہ سب بہت خوش تھے کہ آخر وہ ان میں شامل ہو گیا۔ سبھاش نے اسے مفید نکتے اور قیمتی باتیں سمجھادیں کرن ان کے خلوص کا شکر گزار تھا اور دو مہینے ضائع کرنے پر خود کو ملامت کر رہا تھا۔

سبھاش کی رہنمائی میں وہ بہت تیزی سے ترقی کر رہا تھا مہینہ کے آخر تک اس نے اپنے کوچ کو بھی متاثر کیا۔ کوچ مسٹر ڈی سوزا اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اِن دونوں کے جوڑے کو ڈبل کے لیے غور کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ کرن نے اب دوسرے دوست بھی بنائے مگر سبھاش اس کا بہترین دوست تھا۔ گھر میں بھی اب اس نے جھنجھلانا اور پیچھے کی سیڑھیوں پر بیٹھنا چھوڑ دیا۔

ایک دن اس نے نہایت خوشی کے ساتھ اپنے گھر والوں کو بتایا "کہ کل ہمارا مقابلے کا چناؤ ہے" اور تم اپنے اسکول کی طرف سے کھیلنے جا رہے ہو۔ مسٹر کپور نے اسے انگوٹھا دکھاتے ہوئے اشارہ دیا۔

اور یقیناً اسکول کی طرف سے نمائندگی کرنے کے لیے انھی کے جوڑے کا انتخاب کیا گیا۔ مگر یہاں اس کو ایک دھچکا لگا جب سبھاش نے پوچھا "تم جانتے ہو ہم پہلے راؤنڈ میں کس کے ساتھ کھیل

رہے ہیں؟" فرینکلن "انھی کے اسکول میں۔ کرن میں پھر وہی پرانا "ناکامی ہونے کا خوف لوٹ آیا۔
"کیا ہوگا اگر وہ اپنے پرانے ٹیم کے ساتھیوں کے سامنے ہار گیا؟ کیا اس کے ٹیم چھوڑ کر آنے کی وجہ سے اس سے اپنا بغض نہ نکالیں گے؟ آخری لمحوں پر ٹیم چھوڑ کر آنے پر کیا ان کا کوچ بھی اس سے ناراض ہوگا۔"

گھر پہنچا تو اس کے لیے ایک خوش خبری تھی۔

"پاپا کو نوکری مل گئی" شام کو جب وہ گھر میں داخل ہوا تو سیما نے یہ خبر ناچ ناچ کر سنائی۔

وہ خوشی سے چلاتے ہوئے اپنے پاپا کو لپٹ گیا جو خود بھی پُر سکون تھے۔

اور اس نے بھی یہ خوش خبری کہ وہ "اپنے اسکول کی ٹیم کے لیے منتخب ہو گیا ہے۔"

اور ان تمام خوشیوں میں کرن اپنی پریشانی بھول گیا مگر شام کو دیر سے اس نے اپنے والد کو بتایا "پاپا پہلے راؤنڈ میں ہمارا مخالف فرینکلن ہے۔"

"کیا پرواہ ہے کرن"

"پاپا مجھے ڈر ہے کہیں فٹ بال کے دوسرے راؤنڈ میں اگر فرینکلن کی ہار ہو گئی تو وہ مجھے تو الزام نہیں دیں گے؟"

"بالکل نہیں۔ ٹیم کے لیے ہر کھلاڑی اہم ہوتا ہے اور وہ اپنی اپنی جگہ سبھی مل کر کھیلتے ہیں مگر ایک کھلاڑی کو ہار یا جیت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہر حال میں یہ ٹیم کا کام ہے" مسٹر کپور نے اسے بہت آرام سے سمجھایا۔

"میں ہار گیا تو کیا ہوگا؟ وہ سب مجھ پر ہنسیں گے۔

پھر بھی کیا بات ہے۔ یہ صحیح ہے تم ایک بالکل مختلف کھیل کھیل رہے ہو تم اپنے اسکول کی نمائندگی کرتے ہوئے کھیلو گے۔ کھیلو اور اپنے پرانے ساتھیوں کو بھی بیڈ منٹن کے ایک دو ہاتھ دکھاؤ۔ پرواہ مت کرو۔"

"اور پاپا...... آپ مجھے کھیلتا ہوا دیکھنے آئیں گے "انھوں نے کرن کو لپٹاتے ہوئے کہا" میں نہیں چھوڑ سکتا۔"

کھیلوں کے دن کرن کے پیٹ میں ہول اٹھ رہے تھے اسے اپنے پرانے ساتھیوں سے جو خدشہ تھا وہ بالکل غلط ثابت ہوا وہ بہت ہی شائستگی سے ملے۔ مگر کرن کو محسوس ہوا کہ وہ اسے ایک اجنبی سمجھ کر برتاؤ کر رہے ہیں اور یہ سچ بھی تھا جب ان میں سے کچھ نے اس کے نئے اسکول کے بارے میں پوچھا تو وہ بھی ایک دم (اپنے اسکول کا) پوراو فاوار بن گیا۔

انٹر اسکول جونیر چیمپین شپ میں ہمارے بیڈ منٹن اور ٹیبل ٹینس دونوں میچ میں تھیں معلوم ہے اس نے فخر یہ بتایا اور پھر سبھاش کا تعارف اپنا بہترین دوست کہہ کر وایا۔

جلد ہی میچ شروع ہوگئے فرینکلن نے لڑکوں کا اکہرا میچ جیت لیا جب کہ گورنمنٹ موڈل لڑکیوں کا اکہرا، اور ڈبل دونوں میچ جیت لیے دوسرے میچ کا اسکور 1-2 تھا اب ڈبل میچ شروع ہونے تھے۔ کرن بہت گھبرا رہا تھا۔ اور تماشائیوں میں اپنے پاپا کو تلاش کر رہا تھا جب انھوں نے اسے ہاتھ ہلایا تو اس کا یقین لوٹ آیا۔

کھیل کی شروعات بہت اچھی ہوئی گورنمنٹ موڈل نے پہلا راؤنڈ (کھیل) 10-15 سے جیت لیا۔ دوسرے راؤنڈ کے دوران فرینکلن کے مجمع کی طرف سے خاصا ہنگامہ اور شور تھا اور نعرے لگ رہے تھے "ہے یہ فٹ بال نہیں ہے۔"

"غدار ایک لڑکی کی باریک اور تیکھی آواز آئی۔ کرن کا دھیان بٹ گیا اور اس سے کئی غلطیاں ہوگئیں اور وہ 8-15 سے ہار گئے جہاں میچ تھا ان کی طرف سے خوب خوشی سے نعرے لگے۔ کرن نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ میں یہ نہیں کر سکتا میں ہار گیا۔ "شاباش کرن ہمّت رکھو" کرن نے اپنے والد کی آواز صاف سنی جو اپنی سیٹ سے بیٹھے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ایک دم کرن کی گھبراہٹ ختم ہوگئی اور اس میں زبردست قوت آگئی۔ اس میں ایک نئی طاقت دوڑ گئی اس نے زبردست نشانے لگائے اور گورنمنٹ موڈل کا فرینکلن سے برابری کا مقابلہ ہو رہا تھا یہ بڑے بے صبری کے لمحے تھے جب فرینکلن کو 10-11 سے دھکیل دیا۔ تبھی سبھاش کی باری آئی اور اسکور 10-12 ہوگیا اور

گورنمنٹ موڈل جیت کے لیے کھیل رہا تھا اور یہی ہوا بھی۔ یہ سب کرن کی شان تھی اس نے پوری پوری کوشش، ان کا ہر وار اس وقت تک ناکام کرتا رہا جب تک وہ 12-15 سے جیت نہ گئے۔
سبھاش نے بھی اسے لپٹا لیا اور خوشی سے اسے انگوٹھا دکھایا کہ چیمپین شپ کا پہلا راؤنڈ انھوں نے 1-3 سے جیت لیا۔ کرن کی آنکھیں اپنے والد کو تلاش کر رہی تھی تبھی اس کی طرف دوڑتے نظر آئے۔
میں نے تمھیں کہا تھا نا کہ ایک دفعہ کا چیمپین ہمیشہ چیمپین ہی رہتا ہے۔ اور انھوں نے کرن کو زور سے لپٹا لیا۔
کرن نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے والد کی طرف دیکھا اور بھاری آواز میں سرگوشی کی "شکریہ پاپا۔"

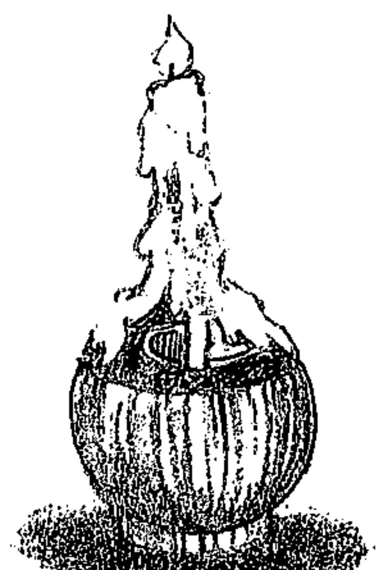

کفّارہ

"آہ... آہ...." انجلی کراہی۔ "یہ سچ مچ بہت دکھ رہے ہیں۔" وہ بے چین سی اِدھر اُدھر کروٹ بدل رہی تھی اور اپنے سوکھی سوکھی ہڈیوں والے کندھے بے چینی سے ہلا رہی تھی۔

نیہا نے تیوری چڑھا کر پوچھا "کیا محسوس ہو رہا ہے؟" وہ انجلی اور نُوپُر دونوں کو دیکھ رہی تھی جو اسی کی عمر گیارہ گیارہ سال کی تھیں اور سبھی ایک بورڈنگ اسکول "گرین لائز" کی طالبات تھیں۔ اور کھیل کے میدان کے سرے پر جو ڈھلان تھی وہ اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

انجلی بگلے جیسی لمبی لمبی ٹانگوں والی اچھی خاصی لمبی تھی۔ اگرچہ وہ بہت خوش باش اور خوش مزاج تھی مگر اس کا چہرہ ماتم زدہ سا تھا۔ نُوپُر چھوٹے قد کی ایک مجسّمے کی طرح تھی، جس کے لمبے لمبے کالے گھنے بال اس کے کندھوں پر پڑے رہتے تھے۔

نُوپُر نے کھسیاتے ہوئے کہا "کفّارہ۔"

"کفّارہ؟" نیہا نے تیوریاں گراتے ہوئے کہا "آخر تمھیں کفّارہ ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

انجلی نے دوبارہ کسمساتے ہوئے کہا "یہ نہ پڑھنے کی سزا ہے" اور اس سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔

"یہ اِس کا بہت اچھا کفّارہ ہے اور میں شرط لگاتی ہوں، اس کا اجر ہمیں ملے گا۔"

"کیا؟" نیہا گرجی۔ اس کی آواز تیز اور تیکھی تھی۔

لڑکیوں کا ایک گروپ جو والی بال کھیل رہا تھا۔ انھوں نے کھیل روک کر دیکھا کہ کیا ہو گیا۔"

"شش.... شش...... خاموش رہو ورنہ سب کو معلوم ہو جائے گا۔ مجھے یہ خوفناک خیال آیا کہ اگر میں خود کو سزا دوں۔ اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اس کا کفارہ ادا کروں تو خدا مجھے معاف کر دے گا اور امتحان میں پاس کر دے گا۔"

"تم اس کا یہ مطلب مت نکالو۔" نیہا کی آنکھیں تقریباً پھیل گئیں۔

"بے شک اس نے یہی کہا ہے۔ میں نے ہی پرنسپل کے باغیچے سے گلاب کے کانٹے لا کر اس کی کمر کے نیچے رکھے ہیں اور کتنا خوفناک وقت تھا مجھے ڈر لگ رہا تھا کہیں مالی پکڑ نہ لے۔ تم اگر پاس ہو جاؤ تو مجھے ایک شاندار دعوت دینا۔ میں نے بھی تمھاری خاطر سزا بھگتی ہے۔" "انجلی نے لاپرواہی سے کہا "کیوں نہیں۔"

نیہا نے سختی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "تم بہت ہی بکی ہو بالکل پاگل۔" انجلی کیا تمھیں سچ مچ یقین ہے کہ تم اپنی کمر میں کانٹے چبھو کر امتحان میں پاس ہو سکتی ہو؟"

کیوں نہیں" میں تکلیف اٹھا رہی ہوں۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟" کیا لوگ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کرتے؟" اور یہ یقین نہیں رکھتے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟" اس نے اپنی کمر کے نیچے ہاتھ ڈالا اور کچھ کانٹے ٹھیک کیے۔ اوہ مرے خون نکل رہا ہے۔ سچ مچ خون نکل رہا ہے میں سوچتی ہوں میں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔"

تم بالکل بے ڈھب ہو، تم دونوں ہی ایک دم ٹھس ہو" نیہا نے اپنا سر ہلایا۔ " اگرچہ ممکن ہوتا کہ کمر کے نیچے کانٹے رکھنے سے پاس ہو سکتے ہیں تو کوئی بھی پڑھائی نہ کرتا۔"

انجلی بڑبڑائی "یہ کوئی آسان نہیں ہے۔ اس کے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اُوہُ تم سمجھتی ہو نا کہ میں نے

کافی تکلیف اٹھائی ہے۔ کیا اب میں انھیں ہٹادوں۔ کچھ دن بعد پھر کرلوں گی۔"

نُوپر نے بے یقینی کے انداز سے کہا" مجھے ابھی پورا یقین نہیں ہے۔ لیکن اگر تم کچھ دن پھر کرنا چاہتی ہو تو شاید یہ ٹھیک ہو جائے۔" میرا خیال ہے..... نیہا تم میرا مذاق نہیں اُڑاؤ گی ہر ایک تمھاری طرح ذہین نہیں ہو سکتا۔ کہ ہمیشہ اوّل آتی ہو۔" اور اس نے انجلی کی کمر سے کانٹے نکالنے شروع کر دیے۔

انجلی چلائی "اوہ۔ اوہ..... جلدی کرو یہ اب بُری طرح چُبھ رہے ہیں۔"

"نُوپر نے کچھ بیزاری سے کہا "میں کچھ مدد نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ اندر گھس گئے جو مجھ سے نہیں نکلیں گے" نیہا نے کہا "تم جاؤ اور اپنے کپڑے اتار دو یہی تمھارا کفارہ ہو گا۔"

نیہا، نُوپُر کی طرف مڑی اور انجلی دوڑ گئی۔ اچانک ہی اس کی ہنسی پھوٹ پڑی۔ تم اس کی ہمّت کیوں بڑھاتی ہو؟ اِسے اکثر محسوس ہوتا کہ نُوپُر ہی اسے ایسی حماقت آمیز حرکتیں کرنے پر اُبھارتی ہے اور مزے لیتی ہے لیکن وہ اب بہت دور جاچکی تھی۔ " کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ واقعی اس طرح امتحان میں کامیاب ہو سکتی ہے! صرف اپنے آپ سزا دے کر..... بغیر کتابوں کو چھوئے؟

نُوپُر نے اپنے کندھے اُچکا کر کہا "جب تک کوئی کوشش نہ کرے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا لوگ امتحانوں سے قبل دعائیں نہیں کرتے؟ کسی بھی طرح اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کیوں کہ امتحان میں صرف دس دن رہ گئے ہیں۔" نیہا نے زور دے کر کہا "بجائے اس بے وقوفی کے کفّارہ کے اب بھی اگر وہ محنت کر کے پڑھے تو کچھ ہو سکتا ہے۔"

مگر نُوپُر کا چہرہ کچھ سکڑ سا گیا اس نے کہا "تمھارا کیا مسئلہ ہے وہ جو کچھ کرنا چاہتی ہے کرنے دو، تم سمجھتی ہو کہ تم ہی سب سے زیادہ جانتی ہو۔"

نیہا مڑی اور چل دی۔ نُوپُر کی بات سے اسے چوٹ پہنچی۔ اِن تینوں میں اچھی دوستی تھی لیکن جہاں تک پڑھنے کا سوال تھا وہ، ان دونوں سے مختلف تھی۔ اس نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنے

آپ کو بہتر سمجھتی ہے، وہ ہمیشہ اپنی اچھی صلاح دیتی تھی اگر کبھی وہ اوّل نہ آتی تو وہ سخت محنت میں جُٹ جاتی تاکہ اوّل آکر اپنا مقام پاسکے۔

لیکن انجلی اور ٹُوپُر کو سمجھانا ناممکن تھا وہ یہ یقین کرنے کو ہرگز تیار نہ تھیں کہ یہ اس کی خوش قسمتی نہیں ہے کہ وہ اسکول میں اتنا عمدہ کام کرسکتی ہے۔ ٹُوپُر ٹھیک تھی مگر انجلی کا کھلنڈرا دماغ اِدھر اُدھر لگا رہتا تھا۔ مگر پڑھائی کی طرف نہیں آتا تھا اور وہ ہمیشہ سب سے پیچھے رہتی تھی مگر اس بار اسے کلاس ٹیچر نے تنبیہہ کردی تھی اگر اس نے دھیان نہیں دیا تو دوبارہ اسی کلاس میں رہنا پڑے گا۔

شام کو وہ سب پڑھائی کی کلاس میں کتابوں پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔ نیہا کے لیے پورا دھیان دینا مشکل ہو رہا تھا حالاں کہ وہ جانتی تھی کہ اسے بہت اچھی پوزیشن لانی ہے۔ امتحان نزدیک تھے مگر اسے انجلی کی فکر تھی۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جو اس پاگل لڑکی کو یہ سمجھایا جاسکے کہ پاس ہونے کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے کامیابی کا آسان طریقہ اپنے آپ کو یہ سزائیں دینا اور کفارہ ادا کرنا نہیں ہے۔

انجلی ماتھر "یہ کیا کر رہی ہے" "یہ تمھاری شان کے خلاف ہے کہ "تم پڑھنے کے بجائے اپنی کتاب پر فضول لکھ رہی ہو"

نیہا نے دُکھ سے کہا۔ اسے محسوس ہوا کہ سب انجلی کی طرف مڑ گئے۔

اس کی جگہ بدل دی گئی۔ اسے ٹیچر کے بالکل قریب بٹھادیا گیا۔ لیکن نیہا سوچ رہی تھی کیا وہ اب بھی اچھی طرح کام کرے گی؟۔

"کیا تم پاگل ہو؟" جیسے ہی رات کے کھانے کی میز پر انجلی اس کے قریب بیٹھی اس کے قریب بیٹھی اس نے کہا "امتحان میں صرف دس دن رہ گئے ہیں؟ اور مسز کمار نے تمھیں ایک وارننگ بھی دے رکھی ہے۔"

انجلی نے اپنا چہرہ اس کی طرف موڑا اور کہا کیا تم بھول گئیں کہ میں ایک بہت تکلیف دہ کفارہ ادا کر چکی ہوں۔ "نو پر نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا 'نیہا تم جانتی ہو اگر انجلی نے یہ کفارہ پورا کر لیا تو وہ تمھیں بھی پیچھے چھوڑ سکتی ہے کیا یہی تو تمھارے لیے تجسّس کی بات نہیں ہے؟"

نُوپر "نیہا کی آنکھیں غصّے سے شعلے برسانے لگیں کیا تم اسے غلط راستہ دکھانا بند نہیں کرو گی" اس نے اپنی آواز نیچی کر لی اور انجلی کی طرف مڑی۔ "برائے مہربانی میری بات سنو! اب بھی وقت ہے اگر تم اب بھی دھیان دو تو نکل سکتی ہو یقیناً تم اتنی بے وقوف نہیں کہ یہ سمجھ لو کہ تم بغیر پڑھے ہی پاس ہو جاؤ گی۔"

جیسے ہی اس کے منہ سے الفاظ نکلے انجلی شروع ہو گئی اس نے کہا "ہاں میں بے وقوف ہوں" یا غیر معمولی ذہین۔" اس کی آواز دھیمی مگر کاٹ دار تھی اور جب میں اس قدر بے وقوف ہوں تو تم میرے ساتھ اپنا وقت کیوں برباد کر رہی ہو۔"

نُوپُر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "مجھے کہنا چاہیے کیوں ہمارے ساتھ تم باقی ذہین لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں جاتیں؟ ہمیں ہماری حماقتوں کے ساتھ چھوڑ دو" نیہا کا چہرہ پھیکا پڑ گیا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے فوراً ہی انھیں پلکوں پر ہی روک لیا وہی بے وقوف ہے۔ جو اس طرح سے بولتی ہے اور جب اس نے ان کے سخت سپاٹ چہرے دیکھے تو کچھ نہ بول سکی اور آزردہ ہو کر سوچا کیا یہ اس کی دوست نہیں ہیں؟ وہ اس طرح اسے غلط کیوں سمجھ رہی ہیں؟"

تب وہ دوسری طرف بیٹھی اَنشو کی طرف مڑی۔ وہ ایک اچھی لڑکی تھی مگر قریبی دوست نہ تھی۔ وہ ایسی نہ تھی جس طرح اس نے کھلے دل سے انجلی اور نُوپُر کو سمجھا تھا۔

اب نیہا کی سمجھ میں آیا کہ اِس طرح دل کھول کر ملنا اس کی غلطی تھی۔ انجلی اور نُوپُر نے اس سے بات چیت بھی بند کر دی۔ وہ اسے کھانے کے وقت نظر انداز کرنے لگیں کھیل کے میدان میں بچنے لگیں اور اگر کہیں جانا ہوتا تو اسے کبھی نہیں بلاتیں۔ کچھ دن بعد ایسا لگا جیسے وہ قریبی دوست نہیں بلکہ اجنبی ہوں۔

نیہا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کبھی اس کا دل چاہتا انھیں چھوڑ دے پھر پرانی باتیں سوچ کر وہ چاہتی کہ برآمدے میں یا کہیں چلتے پھرتے ان کو پکڑ کر کہے کہ ہم یہ سب فضول باتیں بھلا کر پھر پہلے ہی کی طرح اچھی دوست بن جائیں۔ مگر جب ان کے چہرے بدلے ہوئے نظر آتے اور وہ جس طریقے سے اس کی طرف دیکھتیں کہ جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو تو وہ کہہ نہیں سکتی تھی وہ محسوس کرتی اگر وہ اس کی پروا نہیں کرتیں تو اسے بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

یہ بہت تکلیف دہ احساس تھا۔ نیہا اکیلی تھی بالکل تنہا۔ اگر وہ چاہتی تو کلاس میں کسی بھی گروپ سے دوستی کر سکتی تھی۔ کسی میں بھی شامل ہو سکتی تھی کیوں کہ اسے سبھی پسند کرتے تھے وہ انجلی اور نُوپُر کی طرح ہوا میں نہیں اُڑی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے کے لیے تیار رہتی تھی جو بھی اس سے کچھ بھی پوچھنا چاہے وہ حساب کے سوال ہوں یا ہندی کی مشکل عبارت کے ٹکڑے۔

مگر نیہا کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوست بدلے یا تلاش کرے اس نے اپنے آپ کو پڑھائی میں غرق کر دیا تاکہ وہ اپنی تلخیاں بھلا سکے۔

دن گزرتے گئے امتحان شروع ہو گئے۔ ہال میں بیٹھ کر نیہا انتظار کر رہی تھی کہ پرچہ ملے کہ نیہا کو پھر کچھ کوفت اور پریشانی شروع ہو گئی اس سے اگلی لائن میں کچھ ہی نشستوں کے فرق سے انجلی بیٹھی تھی نُوپُر نظر نہیں آئی شاید وہ کہیں پیچھے تھی۔ وہ انھیں کامیابی کی دعا دینا چاہتی تھی مگر یہ خطرہ مول نہ لے سکی۔ اس نے اداسی سے سوچا کہ امتحانوں سے قبل وہ ایک دوسرے کو کامیابی کی دعا کے کارڈ دیا کرتے تھے۔ اس نے وہ سب کارڈ جمع کر رکھے تھے کبھی نہیں پھینکتی تھی۔ سچ تو یہ ہے وہ ہمیشہ سوچتی تھی یہ دعائیں ہی اس کی قسمت چمکاتی ہیں۔

امتحان کا پرچہ اس کی میز پر آیا۔ اس نے اٹھایا اور جھٹ پٹ لکھنا شروع کر دیا اگلے دو گھنٹے وہ لکھتی رہی۔ لکھتی رہی اور لکھتی ہی رہی۔ پرچہ ختم ہو گیا اور جب وہ لڑکیوں کے جتھے کے پاس گئی انھوں نے جو کچھ کیا تھا سب باہر ایک دوسرے کو بتا رہی تھیں اس نے ایک دم سب بتا دیا۔ ایک پرچہ ختم ہوا جو بہت

اچھا ہو گیا لڑکیاں اس کے گرد جمع ہو گئیں اور اس سے پرچہ کے متعلق پوچھنے لگیں وہ سوالات کے جواب بتا رہی تھی کہ اس کی نظر انجلی پر پڑی اس کا جوش ختم ہو گیا انجلی کا چہرہ غم زدہ سا نظر آیا اس کے آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔

"انجلی کیا ہوا؟" وہ ایک دم بول پڑی۔ پھر اسے یاد آیا کہ بہت دن سے اُس کی تو بول چال بند ہے۔ تب وہ پھر ان لڑکیوں کے جھُنڈ کی طرف مڑی جو اس کے اِرد گرد جمع تھیں۔

پھر اس نے اپنا جائزہ لیا۔ سوچا کہ وہ انجلی کے لیے ایسی گری ہوئی بات کیسے سوچ سکتی ہے۔

اور کافی دیر میں جب وہ اپنے بستر پر لیٹی تو اِسے اپنا قصور نظر آیا۔ شاید میں نے انجلی کو سمجھانے میں زیادہ محنت نہیں کی۔ میں اپنے آپ میں جھنجھلائی رہی۔ اور شاید اس کے احساسات کو چوٹ پہنچائی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ میں نے پڑھائی میں کتنی ہی لڑکیوں کی مدد کی ہے لیکن انجلی کی کبھی نہیں کی۔ کیا اس وجہ سے کہ اس نے کبھی مجھ سے مدد نہیں چاہی؟ یا اس وجہ سے وہ خود کو کمتر نہ سمجھنے لگے۔؟ اسے کبھی احساس نہ ہوا کہ انجلی کس قدر جذباتی اور دل پر اثر لینے والی ہے۔ وہ لیٹی ہوئی ایسے ہی سوچے جا رہی تھی۔ بُرا ہی بُرا.... اسے دوسری لڑکیوں کے سانسوں کی آوازیں آ رہی تھیں کبھی خراٹوں کی آواز آ رہی تھی کہیں پلنگ کی چر چراہٹ کوئی کروٹ لے رہا تھا کہ ایک دم ایک چیخ..... کراہ......

اس نے سوچا شاید کسی نے بُرا خواب دیکھا ہے۔ مگر پھر اس نے دوسری کراہ سنی اور لگاتار آواز آ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی کے درد ہو۔ نیہا مڑی۔ آدھی بیٹھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور اگلی چیخ کا انتظار ہی کر رہی تھی کہ ایک دم پھر سُنائی دی۔ وہ اٹھ گئی پلنگ سے پیر اُتارے اور آس پاس دیکھا۔ "یہ کون تھا" اندھیرے میں کہنا مشکل تھا۔ لیکن جیسے اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں اس نے دیکھا کہ کوئی تکلیف سے پلنگ پر اُلٹیاں پلٹیاں کھا رہا ہے اور جیسے ہی وہ اندھیرے میں اس طرف بڑھی دیکھا وہ انجلی تھی۔ نیہا نے آہستہ سے کہا "انجلی، انجلی، کیا ہوا ہے۔"

"میری کمر" انجلی کی آواز درد کی وجہ سے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ زخمی ہے۔ بہت زخمی۔ اور جیسے ہی اتفاقاً

نیہاکاہاتھ انجلی کے منہ پر لگا اسے ایک دم صدمہ پہنچا۔ وہ گرم تھا بے حد گرم۔
نیہانے ایک منٹ بھی ضائع نہیں کیا وہ ایک دم میٹرن کو جگانے اوپر دوڑی۔
انجلی کو جب ہسپتال لے جایا گیا تو پتا چلا زخم بہت خراب ہو چکا ہے اور انجلی کے زخم کا زہر خون میں مل چکا ہے۔

نرس نے کہا" میں سوچ بھی نہیں سکتی اس نے خود کو یہ تکلیف کیسے پہنچائی۔؟
نیہانے کہا اسے ایک وہم ہو گیا تھا اس نے گلاب کے کانٹے چھو لیے" انجلی کا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے فوراً لے جایا گیا۔

دوسرے دن اپنے امتحان کے بعد نیہا اور نوپُر شرمندہ سی انجلی کو دیکھنے گئیں بخار آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا اور کمر کا درد بھی کم تھا۔ اس نے بتایا۔

"اوہ۔ نیہانے اپنے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے مس کمار سے بات کر لی ہے اور انھوں نے کہا کہ وہ تمھیں ایک موقعہ اور دیں گی۔ کیوں کہ تم بیمار ہو.....وہ اس کی طرف جھکی۔ مگر نہیں جانتی تھی کہ اور کیا کہنا ہے۔"
انجلی مسکرائی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا" نیہا شکریہ ! تم ایک سچّی دوست ہو۔ اور میں احمق تمھیں پہچان نہ سکی۔"
"شش" نیہانے کہا" سب کچھ ہوا اور ختم ہو گیا۔ ٹھیک ہے نا، نُوپُر ؟۔ اور آئندہ ہم سب مل کر پڑھیں گے۔ "او کے" (سب ٹھیک ہے) "یقیناً" انجلی اور نُوپر دونوں مل کر بولیں۔ "مزید کفارہ نہیں۔"

❑ ❑ ❑ ❑

جنگِ عظیم

کرپچی ایک بڑا چوہا تھا۔اس کے تین بچے تھے جن کے نام تھے کرونچی، منچی اور پنچی۔

وہ تینوں ایک بڑے سے مکان خوشی خوشی کھیلتے تھے۔ جس کا نام "گرین کاٹج" تھا۔ وہ چار مہینوں سے خالی پڑا تھا اس وجہ سے کرپچی اور اس کے بچے جہاں چاہتے آزادی سے بھاگتے پھرتے تھے۔

ایک رات کرپچی نے اپنے بچوں کو بلا کر کہا "آؤ! اب گھر چلیں اور رات کا کھانا کھائیں۔" وہ سب ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے جہاں ان کا بِل تھا اور وہ بل ہی ان کا گھر تھا۔ کرپچی نے اپنے گھر میں طرح طرح کے کھانے جمع کر رکھے تھے جیسے روٹی۔ پھل۔ جام۔ پنیر۔ کیک اور میوے جو وہ پڑوسیوں کے گھروں سے چرا کر لاتا تھا۔

کرپچی نے نہایت آرام سے وہاں تین بِل اور بنا لیے تھے۔ ایک سونے کے کمرہ میں ایک کھانے کے کمرہ میں اور ایک باورچی خانہ میں اور سب بِل ایک دوسرے سے ایک سرنگ کی طرح آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ سو یہ تیز دانت والے جانور ایک بِل سے دوسرے بل میں آسانی سے آجا سکتے تھے۔ کرونچی، منچی اور پنچی اکثر اس میں آنکھ مچولی کھیلتے تھے۔ یہ سرنگیں اسی طرح برابر کے گھر کے بِل سے ملی ہوئی تھیں جو کرپچی کے دوست اور رشتہ داروں کے تھے۔

کرپچی اور اس کے گھر والے رات کا کھانا کھا کر چین سے سو رہے تھے اگلی صبح اُٹھ کر جب وہ اپنی یوگا کی ورزش کے لیے باہر نکلنے ہی والے تھے تو انھوں نے باہر کچھ ہلچل کی آوازیں سنیں۔ ڈرائنگ روم،

صوفہ، فرنیچر اور رنگین ٹیلی ویژن سے بھرا ہوا تھا۔

دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنے اسکول جانے کی تیاری کے لیے شور مچا رہے تھے اور ان کے والد کھانے کے کمرے میں ناشتہ کر رہے تھے اور ان کی ممی لا کر رکھ رہی تھیں۔ کریچی کو ان کا یہ زبردستی کا قبضہ پسند نہیں آیا۔ "اب اس کے بچے کیسے آزادی سے کھیل سکیں گے۔"

کروچی نے اپنا سر کھجاتے ہوئے سوچا یہ شیطان کہاں سے آ گئے؟ سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ بچوں کو ہوشیار کر دینا چاہیے "پیارے بچو! یہاں کچھ نئے کرائے دار آ گئے ہیں۔ اس وجہ سے دن کے وقت کبھی باہر نہ نکلنا، یہ خطرناک ہو سکتا ہے" اس نے اپنے بچوں کو سمجھایا۔

رات کو کریچی نے اطمینان سے سب لوگوں کے سونے کا انتظار کیا اور پھر خاموشی سے اپنے بچوں کو لے کر باورچی خانے میں گئی اور وہ ایک لائن میں دیوار کے سہارے سے پہنچے۔

کریچی کی مونچھوں کے بال پھڑکنے شروع ہو گئے اس کا مطلب تھا کہ کہیں قریب ہی کوئی میٹھی چیز رکھی تھی۔ اس نے فوراً ہی پیتل کا وہ برتن تلاش کر لیا جس سے خوشبو آ رہی تھی۔

کریچی کو تو چوری کا خوب تجربہ تھا۔ بغیر کسی شور شرابے کے تینوں نے مل کر اس کا ڈھکن ایک طرف گرا دیا۔

"دیکھو ہمیں یہاں کیا ملا؟" کریچی نے پکار کر کہا۔ اُپما (ایک قسم کا میٹھا کیک جو چاول کے آٹے سے بناتے ہیں) یہ اصلی گھی میں تلا گیا ہے۔"

بچے مل کر شور مچانے اور ناچنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ پیالے میں جھانک کر بولے "اُپما، اُپما کریچی نے جھڑکتے ہوئے کہا "ہش، ہُش۔ اتنا شور مت مچاؤ۔"

ان کے منہ میں پانی آنے لگا بہت دنوں سے انھوں نے اُپما چکھا بھی نہ تھا۔ سو وہ اس وقت تک کھاتے جب تک ان کا پیٹ خوب نہ بھر گیا۔ اس کے بعد کریچی؟ اور اس کے بچے حفاظت سے واپس اپنے گھر آ گئے۔ دوسری صبح جب گھر کی مالکن باورچی خانے میں آئی تو اسے ایک جھٹکا سا لگا اور وہ خوف سے چلا

پڑی۔ برتن کا ڈھکن ہٹا ہوا تھا اور اُپما کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔

وہ سمجھ گئیں کہ یہ چوہے شرارت ہے۔ انھوں نے اپنے شوہر کو کھانے کا یہ حشر دکھایا اور کہا اس سے پہلے کہ "چوہے کی کوئی اور بربادی کریں ہمیں ان کا کچھ انتظام کرنا چاہیے۔"

ان کے شوہر نے کہا "شام کو جب میں گھر آؤں گا تو ان کے لیے ایک چوہے دان لے کر آؤں گا۔" کرپچی اس وقت باورچی خانہ کے بل میں تھی اس نے ان کی یہ باتیں سُن لیں۔ وہ اپنے بچّوں کے پاس بھاگی اور سرگوشی میں اُنھیں بتایا۔ "وہ ہمیں پکڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس وجہ سے تم اندر ہی رہنا اور جب میں باہر جاؤں تو ایک قدم بھی نہ نکالنا" کرونچی نے پوچھا "ماں! یہ پھندہ کیا ہے؟"

کرپچی نے پھر اُنھیں آگاہ کرتے ہوئے کہا "تم یہیں ٹھہرے رہنا۔ شام کو جب وہ لے آئیں گے تو میں تمھیں دکھادوں گی۔ اس وقت میں باہر جارہی ہوں۔"

اور فوراً ہی سرنگ سے نکل کر اس نئی صورتِ حال کے متعلق اپنے دوستوں سے فوری مشورہ کرنے چلی گئی اس کے جاتے ہی پنچی نے باہر جانا چاہا۔

کرونچی جو اِن میں سب سے بڑا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اسے سمجھانا چاہا کہ "باہر مت جاؤ ماں نے تمھیں منع کیا ہے۔"

مگر پنچی سب سے چھوٹا ان سب میں شریر تھا۔ اس نے کسی کا مشورہ نہ مانا۔ اُپما اُسے ورغلا رہا تھا اس نے بڑے فخر سے اپنے بھائیوں سے کہا "میں اپنی حفاظت خود کرسکتا ہوں۔" اور پنچی کھسک لیا۔ وہ سیدھا باورچی خانہ میں جا گھسا۔ اور آہستہ آہستہ اس الماری پر چڑھنے لگا۔ جہاں اُپما اب بھی اسے ترغیب دے رہا تھا۔ اِس نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا کہ گھر کی مالکن گیس کے چولہے پر کھانا پکارہی ہے۔ اس کے چھوٹے لڑکے کا جو اس کے برابر ہی کھڑا دھیان چوہے کی طرف گیا۔

لڑکے نے خاموشی سے کونے میں پڑی جھاڑو اٹھائی اور تیزی سے چوہے کو مارنے بھاگا۔ چٹک۔ چٹک۔ اس نے دو مرتبہ ماری اور تیسری دفعہ بہت زور سے پنچی کی دُم پر پڑی جو اس کے بہت زور سے لگی

اوراس کی دُم سے خون نکلنے لگااوراسے محسوس ہوا جیسے اس کادم نکل رہا ہے۔

اور اس نے پوری اپنی ہمت جمع کر کے ایک آخری کوشش کی اور اپنے بل کی طرف اتنا تیز دُور جتنازندگی میں کبھی نہیں بھاگا تھا۔

لڑکے نے جھاڑو سمیت اس کا پیچھا کیا اور اس کی اماں چیخیں "اس روگ (بیماری) کو مار ڈالو۔" پنچی بل میں گھسا اور اس کے بھائیوں نے وقت پر آکر اسے کھینچ لیا۔

"اونہہ، اونہہ!" پنچی کا سانس رُکا ہوا تھا۔

کرونچی اور منچی نے دیکھا کہ اس کے خون بہہ رہا ہے انھوں نے اس لڑکے کو خوب کوسا جنھوں نے اس کے چھوٹے بھائی کو زخمی کیا۔

وہ بڑبڑاتے جا رہے تھے۔ اور اس کا زخم صاف کرتے ہوئے کہتے جاتے تھے "بے وقوف تمھیں منع کیا تھا مگر تم نے نہیں سُنا"

اسی وقت کر یچی لوٹ آئی اسے پنچی کو درد میں تڑپتے دیکھ کر بہت دُکھ ہوا۔ اس نے کہا "یہ کس نے کیا ہے؟"

کرونچی نے پوری کہانی سنادی۔ کریچی کو دُکھ بھی تھا اور غصہ بھی۔ اس نے پنچی کے زخم پر کچھ دوائیں لگائیں خوش قسمتی سے قریبی ڈاکٹر کے کلینک سے کچھ عرصہ قبل دوائیاں آسانی سے مل گئیں کریچی نے جراثیم مارنے والی دوائی سے زخم صاف کیا پھر آیوڈین لگا کر زخم پر پٹی باندھ دی۔
کریچی نے اسے کچھ کھانے کو دے کر سُلا دیا وہ اس لڑکے سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔ لیکن کیسے؟ یہ ایک مسئلہ تھا۔

شام کو گھر کا مالک اپنے وعدہ کے مطابق چوہے دان لے کر آئے رات کو انھوں نے باورچی خانہ میں چوہے دان میں پیاز کا وڈا (ایک ناشتہ) ٹِک میں لگا کر چوہوں کو ترغیب دینے کے لیے رکھ دیا۔
کریچی ہر چیز بہت خاموشی سے نوٹ کر رہی تھی۔ رات کو جب انھوں نے سب بتّیاں بُجھادیں اور

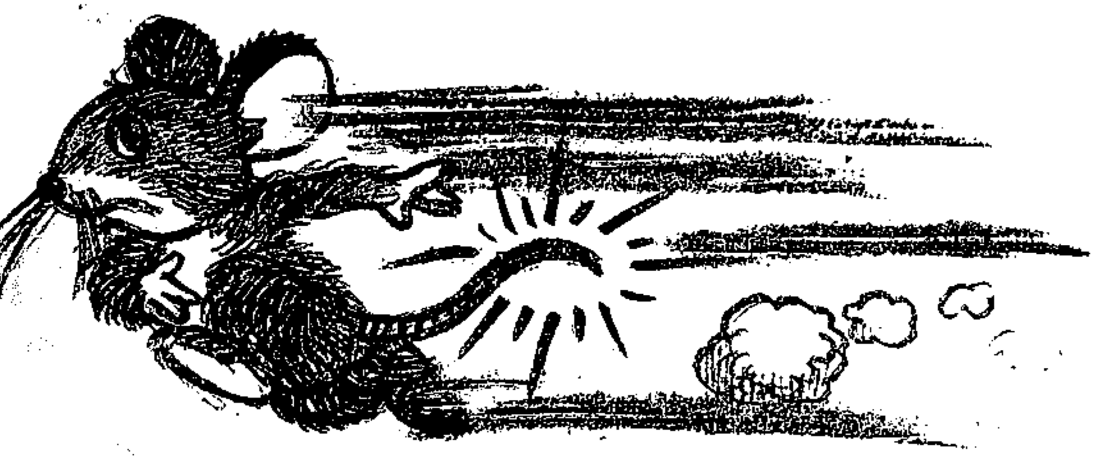

سونے کے لیے چلے گئے تو کریچی اپنے بچّوں کو لائی اور انھیں سب سمجھایا کہ کس طرح اس میں پھنسایا جاتا ہے۔ یونجی بھی اپنی دُم پر بڑی سی پٹی بند ھوائے ایک مضحکہ خیز حالت میں ان کے ساتھ تھا۔

کریچی نے بتایا "جب تم ڈوڈا کے لالچ میں اس جال میں جاکر جیسے ہی اِسے کھینچو گے ٹک ہلے گا اور یہ بند ہو جائے گا اور تم پھندے میں پھنس جاؤ گے۔ پھر یہ مار ہی ڈالیں گے۔ بچنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔" بچوں کو جیل کے خیال سے تھر تھری لگ گئی۔

کریچی نے پھر سختی سے ہدایت دی "پیارے بچّوں تم کبھی بھی اس خوفناک جال کے قریب بھی نہ جانا۔

آدھی رات کو کرنجی سرنگ سے نکل گئی۔ اور وہ مقامی وشنو مندر پہنچی' جہاں اس کے ہزاروں رشتے دار اور برادری والے رہتے تھے۔ کریچی کو دیکھ کر سارے رشتہ دار اس کے اِردگرد جمع ہو گئے "کیا ہو گیا کریچی؟" "تم اتنی اُداس کیوں ہو؟" انھوں نے بہت لگاوٹ اور پیار سے پوچھا کریچی نے دُکھے دل کے ساتھ انھیں سارا واقعہ سنایا۔ اور آخر میں اس نے ان سے ایک اپیل کی کہ "میرے دوستوں! میں تم سے مدد اور تعاون چاہتی ہوں جس سے ان کمینوں کو سبق سِکھا سکوں۔"

وہاں ایک ہل چل مچ گئی اور آپس میں صلاح مشورہ ہونے لگا۔ ایک بوڑھا چوہا کھڑا ہوا جس کی سبھی عزت کرتے تھے۔ اور اپنی بلند آواز میں کہا۔ "آرڈر۔ آرڈر" ! اور حکم مانا گیا۔

بوڑھے چوہے نے کہا "ہمارا فرض ہے کہ کریچی کی مدد کریں وہ اور اس کے بچّے ہمارے لیے قابلِ تعظیم ہیں۔ حملہ بچاؤ کا بہترین طریقہ ہے ہمیں ان انسانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دینا چاہیے جو کریچی اور اس کے بچّوں کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔"

"لڑائی لڑائی!" سبھی کی آواز گونجی۔

سبھی لڑائی چاہتے تھے۔ یہی وقت ہے کہ ہم سب ایک ہو جائیں۔ اور ایک باقاعدہ قرارداد پیش ہوئی اور اتفاقِ رائے سے پاس ہو گئی۔

اور ان چوہوں کا انتخاب کیا گیا جن میں لڑنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔ اور انھوں نے ایک چال سوچی کہ

اگلی رات وہ اپنی جنگ شروع کریں گے۔ جس کا نام "طوفانی عمل" طے پایا۔ خوش قسمتی سے کرائے دار چوہوں کی خوشیوں، کانفرنس اور قرارداد سے بالکل بے خبر تھے اور گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

اس رات کریچی کے گھر کشمکش عروج پر تھی۔ آدھی رات انھوں نے دس دس سپاہیوں کی پانچ ٹولیاں بنائیں اور ہر ٹولی ایک ایک کمرہ میں گئی۔ اُنھیں پوری ہدایات دی گئی تھیں کہ کم سے کم وقت میں جتنا زیادہ سے زیادہ نقصان کر سکتے ہو کرنا۔

اب اپنا "طوفانی عمل" اگلے ہی گھنٹے میں ختم کر کے بغیر کسی گھر والے کو پریشان کیے ٹھنڈے ٹھنڈے واپس آ گئے۔

سویرا ہوا سب سے پہلے ماں کی آنکھ کھلی انھوں نے اپنے چاروں طرف دیکھا "اُف خدایا انھوں نے کیا کیا؟ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکیں۔" انھوں نے ہیجانی طور پر چلاّنا شروع کر دیا "دیکھو اسے دیکھو" ان کے شوہر اٹھ گئے پھر بچے جاگے اور انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا پورا گھر لگتا تھا جیسے زلزلہ یا کوئی طوفان آ گیا ہو۔

گدّوں اور تکیوں میں سے نکلی ہوئی روئی اِدھر اُدھر تیرتی پھر رہی تھی۔ بہت سی کتابوں کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ قیمتی سِلک کی ساڑھیاں۔ سوٹ۔ بچّوں کے کپڑے اس طرح برباد ہوئے تھے کہ مرمّت کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔

یہ کیا ہے؟ والد اپنا سر پکڑ کر غصّہ سے زیادہ روحانی اذیت سے چیخ رہے تھے۔ "یہ انھوں نے کس طرح کیا؟ اور انھوں نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ دیکھو ہمارا ٹیلی ویژن اور ٹو اِن ون بھی تو نہ چھوڑا۔" انھیں دِلی دُکھ اور افسوس تھا۔

پوری صبح چاروں لوگ نقصان کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے کہ کیا باقی بچا ہے اور صفائی میں مصروف رہے۔

آخیر میں والدہ نے والد کو یہی بتایا کہ اب "ہم ایک منٹ بھی اس بھوت گھر میں نہیں رہ سکتے براہِ کرم جلد

سے جلد کوئی دوسرا امکان تلاش کیجیے۔"

بچّوں نے بھی ماں سے اتفاق کیااور ان کی حمایت کی اور والد نے بھی تسلیم کیا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا حل نہیں ہے اور وہ ایک جائیداد کے دلال کے پاس گئے۔

شام کو وہ ایک خوشخبری لے کر واپس آئے "میں نے اگلی گلی میں ایک مکان لے لیا ہے" انھوں نے اپنے بے قرار گھر والوں سے کہا کہ "کل پہلی فرصت میں ہم گھر بدل رہے ہیں۔"

انھوں نے اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا۔

کرونچی اور اس کے دوست یہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

دوسری صبح لاری آئی۔ قلیوں نے سب سامان لادا اور فوراً ہی روانہ ہو گئے۔

کرپچی اور اس کے ساتھی سامنے کے دروازہ پر لائن سے انھیں خدا حافظ کہنے کے لیے جمع ہو گئے اور وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلے گئے۔

چوہوں کے ہجوم نے خوب گانا اور ناچ کر اپنی فتح کا جشن منایا۔ اب پورا مکان ایک مرتبہ پھر کرپچی کے قبضہ میں تھا۔

کرپچی نے اپنی تیکھی آواز میں گانا گایا۔

"ہم سب مل کر ساتھ رہیں گے۔

کسی انسان سے نہ جھکیں گے۔

ہم نے بہت سی جنگیں جیتی۔

بہت سی اور جیتیں گے۔

وہ دن جلد آئے گا۔

جب پوری دنیا ہماری ہوگی۔

ہِپ ہِپ۔ ہُر رے!" اُن کی آواز تمام گلی میں گونج رہی تھی مگر انسانی کان اسے نہیں سُن سکتے تھے۔

ننھا باورچی

مسٹر اُٹانو رائے اپنے آفس "رائے اینڈ رائے آر کے ٹیکٹ اور انجینئر" سے شام کو کافی دیر سے واپس آئے اور آتے ہی پوچھا "پَبلو کہاں ہے؟" مسز رائے نے جواب دیا "باورچی خانہ میں؟ پھر مسٹر رائے کو خاموش کرنے کے خیال سے بولیں "اس نے اپنا گھر کا کام ختم کرلیا اور شام کو فٹ بال بھی کھیل آیا۔"

مگر وہ باورچی خانہ میں کیوں ہے؟" مسٹر رائے نے پوچھا "کیا یہاں کھانا پورا نہیں ہے؟"

مسٹر رائے جانتے تھے کہ شام کو ہمیشہ پبلو کو بھوک لگتی ہے۔

اسکول سے واپس آکر پبلو جلدی سے اپنا گھر کا کام ختم کرلیتا ہے۔ وہ اپنے چھ فٹ لمبے کلاس ٹیچر مسٹر ڈے سے ڈرتا تھا چاہے کلاس کا کمرہ ہو یا فٹ بال کی مشق۔ مسٹر ڈے عمل میں یقین رکھتے تھے وہ سبق بھی دہراتے رہتے اور سست لڑکوں کو ہدایت دے کر اُبھارتے رہتے۔ شام کو پبلو اپنے پڑوسی دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیل کر واپس آیا تو اسے ممی کے ہاتھ کی تیاری کی ہوئی ناشتہ کی بھری ہوئی پلیٹ ملی۔ مگر اسے پھر بھوک لگی۔ پھر بھوک لگتی ہی رہی۔

دو سال قبل پبلو نے کھانے سے پہلے ہلکے سے ناشتہ کا مسئلہ حل کرلیا تھا۔ وہ باورچی خانہ میں گیا۔ اور توس بنالایا آہستہ آہستہ اس نے ترقی کی اور ڈبل روٹی سے سینڈوچ اور تلے ہوئے آلو کے ٹکڑے بھی بنانے لگا۔

مسز رائے نے کہا" پبلو کے لیے کافی بھی کافی نہیں ہے۔ ہری ان کا باورچی تھا اور بہتر ہو گا کہ اسے باورچی خانہ کا معاون بھی کہا جائے اس نے مسز رائے کی تیز نظروں کے تحت تربیت پائی ہے اور اب بھی انھی کی نگرانی میں تھا۔ اور ایک بات جو نہ مسٹر رائے جانتے تھے نہ مسز رائے کہ ہری، پبلو کی کتنی عزّت کرتا تھا۔ شام کو ہری جو فٹ بال کا شوقین تھا برابر کے بچّوں کو کھیلتے دیکھتا اور پبلو کے کھیل کو سراہتا تھا وہ درمیان میں کھیلتا اور پبلو کے کھیل کو سراہتا تھا جو درمیان میں کھیلتا اور گیند پر اسے پورا عبور حاصل تھا مگر باورچی خانہ میں ہری، پبلو کی ہمّت افزائی کرتا اور پبلو نئے نئے تجربے کرتا رہتا۔

مسٹر رائے چلاّئے "پبلو باورچی خانہ سے باہر نکلو!" اس نے جواب دیا "بس پانچ منٹ۔ پاپا۔"

"ابھی" مسٹر رائے اور بھی زور سے چلاّئے اور اس دفعہ ایسا لگا جیسے پورا گھر ہل گیا ہو۔

مگر کچھ دیر بعد پبلو باورچی خانہ سے باہر آیا تو اس نے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیالہ پکڑ رکھا تھا اور اس نے خوش ہو کر پوچھا "آپ کچھ کھیر لیں گے" مجھے اس کی تیاری ختم کرنی تھی کیوں کہ ہر چیز کا وزن دیکھنا اور دیکھنا کہ کتنی دیر پکایا جائے بہت ضروری ہے۔

اب انھوں نے کچھ نرم رویہ آزمانے کا فیصلہ کیا اور انھوں نے بہت پُر سکون آواز میں کہا "پبلو" سمجھنے کی کوشش کرو صرف جاہل لوگ ہی باورچی بنتے ہیں اور وہ بھی پرانے زمانے کی بات ہے۔ کوئی مرد اس کے لیے مناسب نہیں ہے میں نے بہت ہوٹلوں کا کھانا کھایا ہے مگر کوئی بھی باورچی اتنا عمدہ کھانا نہیں پکا سکتا جتنا میری ماں پکاتی تھیں۔"

مسز رائے نے کہا مگر "ماں نے تو حساب میں ایم۔ ایس۔ سی کیا تھا اور ہر کلاس میں اوّل آتی تھیں وہ اب بھی آپ کو پڑھا سکتی ہیں۔

"میں حساب کی قابلیت کی بات نہیں کر رہا ہوں"

مسٹر رائے نے کچھ جھنجھلا کر جواب دیا "بے شک لڑکیاں سائنس میں اچھی ہو سکتی ہیں لیکن لڑکے باورچی خانے کے لیے مناسب نہیں ہیں۔"

مسز رائے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "بہت سی لڑکیاں ہی اکثر امتیازی پوزیشن حاصل کرتی ہیں"

مسٹر رائے چاہتے تھے کہ ان کی بیوی یہ مباحثہ ختم کریں مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہیں پبلو نے کہا "میری ممی بہت اچھی باورچن ہیں اور ان کے بعد میں ہوں۔"

"خاموش رہو" دونوں نے ایک ساتھ کہا مگر آوازوں میں فرق تھا۔

مسٹر برنارڈ اسکاڈ، جو کلکتہ کی فرم۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ اسکاٹ سافٹ ویر سروس سینٹر کے صدر تھے، اور انھیں آفس کے لیے ایک بلڈنگ کی تیاری کے لیے مسٹر اٹانو رائے سے نقشہ بنوانا تھا۔ دونوں نے مل کر ہر چیز پر بحث کی اور دونوں کے خیالات مل گئے۔

دونوں نے مل کر بلڈنگ کے ماحول کے بارے میں دوستانہ بات چیت کی اور فیصلہ ہوا کہ بلڈنگ سورج کی قوت سے ٹھنڈی کی جائے گی اور چھت میں سورج کے خلیوں کا استعمال ہوگا پانی سائیکل کی طرح چلتا رہے گا جبکہ کوڑا کرکٹ کینٹین میں کھانا پکانے کے کام آئے گا اس بلڈنگ کی خصوصیت یہ ہوگی کہ درمیانی حصہ میں خوشگوار تبدیلیاں ہوں گی۔ اور آس پاس کے ماحول کو بھی بہتر بنایا جائے گا۔ مسٹر اسکاٹ نے پوچھا۔ "آپ نے باغ کا بھی خاکہ تیار کر لیا ہے؟ پودے، مٹی، کھاد، اور صفائی کا خیال بہت اہم ہے۔ ہمارے لوگ چاروں کی طرف ہریالی بہت پسند کرتے ہیں۔"

خوشگوار بحث کے بعد طے پایا کہ پودوں کے ساتھ ایک بڑی سی کھلی جگہ ہو اور کینٹین کے پاس جڑی

بوٹیاں بھی لگائی جائیں۔ فوراً ہی باتوں کا رُخ کھانے کی طرف مڑ گیا۔ مسٹر اسکاٹ کے لیے یہ بہت دلچسپ موضوع تھا جب بھی ایس۔ ایس۔ ایس آفس آئے تو انھوں نے وہاں کے خاص کھانے کھائے مسٹر رائے نے کہا" سکتو" بنگال کا خاص کھانا ہے جو ہوٹل میں نہیں ملتا یہ ایک ہلکا پھلکا کھانا ہے۔ جس میں ہمارے دوسرے کھانوں کی نسبت بہت ہلکے مصالحے ہوتے ہیں۔ یہ کھانے کے شروع میں کھایا جاتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ صرف " سکتو" ہی کھانا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ کچھ اور نہیں لیتے۔ "میری بیوی "سکتو" بہت عمدہ بناتی ہیں۔ کیا آپ لینا چاہیں گے ؟"

مسٹر اسکاٹ نے خوش ہو کر اشتیاق سے کہا مجھے بڑا لطف آئے گا اور شاید مسز رائے مجھے اس کے پکانے کا طریقہ بھی بتادیں۔"

اور اسی رات کا کھانا طے ہو گیا۔

"سکتو" کی دعوت کی دن ہری غائب ہو گیا۔

گزشتہ شام اسے اپنے گاؤں سے پیغام ملا کہ اس کی ماں کی گائے کے ایک کالا بچھڑا ہوا ہے جس کی پیشانی پر سفید دھبے ہیں یہ بہت مبارک مانا جاتا ہے اور گائے کو اعزاز دیا جاتا ہے۔

مسز رائے کے لیے پیغام دے کر ہری 4 بجے صبح کی پہلی گاڑی سے کیننگ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہاں سے اسے کشتی کے ذریعہ سندر بن جانا تھا اور وہ دن سال میں ایک ایسا دن تھا جب مسز رائے کی طبیعت ناساز ہو جاتی تھی۔ مسٹر رائے نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا میں اپنی بہن کو فون کر کے بلالوں" مسز رائے نے سختی سے کہا بالکل نہیں، میں انتظام کرلوں گی" مسٹر رائے جو بہت ہی پریشان تھے اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔ دفتر میں مسٹر رائے بالکل دل جمی سے کام نہیں کر سکے انھیں پریشانی رہی وہ سوچ رہے تھے انھیں ٹیلی فون کریں مگر ان کی بحث اور جرح کی عادت یاد کر کے خود کو روک لیا۔ وہ

جلدی گھر آئے تو مسز رائے کو مسکراتے دیکھا۔ پبلو فٹ بال کھیلنے باہر گیا ہوا تھا۔

مسٹر اسکاٹ ٹھیک وقت پر یعنی سات بج کر دو منٹ پر پہنچ گئے۔ یہ ایک بے تکلفانہ رات کا کھانا تھا اس لیے اور کوئی مہمان نہ تھا۔ مسٹر اسکاٹ بہت ہی خوشگوار اور زندہ دلی کے موڈ میں تھے انھوں نے پہلے مسز رائے کو ایک خوبصورت سا گلدستہ پیش کیا پھر پبلو سے کھیلوں کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

مسٹر اسکاٹ نے کہا "میں بھی فٹ بال کھیلتا تھا مگر وہ امریکن طریقے کی تھی۔"

پبلو نے جوشیلے انداز میں کہا "میں نے وہ ٹی۔وی پر دیکھا ہے "کھلاڑی ایک دوسرے پر چھلانگیں لگاتے ہیں اور چہرے کی حفاظت کے لیے خاص خیال رکھا جاتا ہے تم گیند کے لیے لڑتے ہو ہم سردیوں میں کھیلتے ہیں جب بہت سخت سردی ہوتی ہے کھیل کے بعد بڑا مزا آتا ہے مگر مجھے ہمیشہ "ساسر" پسند تھا تمھیں فٹ بال بہت پسند ہے تم کس پوزیشن میں کھیلتے ہو۔"

"سینٹر فارڈ۔"

مسٹر اسکاٹ نے کہا "ہر کام کے لیے ایک دماغی منصوبے کی ضرورت ہوتی ہے۔" اور وہ پیشہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتے تھے کہ مسز رائے نے درمیان میں ٹوک دیا اور کھانے پر زور دیا۔ "مسکٹو" سے کھانا شروع کیا گیا۔ مسٹر اسکاٹ نے چاولوں میں 'مسکٹو' ملا کر جیسے ہی چکھا بولے یہ اصلی چیز ہے بڑھیا ایجاد، نفیس مزہ رنگوں کا امتزاج مکمل۔ کوئی بھی تو کمی نہیں، مسز رائے میں اس کے لیے آپ کا پر خلوص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اگر آپ مجھے اس کا نسخہ بھی بتادیں تو میں بہت شکر گزار ہوں گا۔"

مسز رائے نے کہا "شکریہ مسٹر اسکاٹ" "میں آپ کو اس کا نسخہ ضرور دوں گی مگر حقیقت میں یہ پبلو نے تیار کیا ہے اور 'مسکٹو' کے لیے جو چیزیں چاہئیں اس کا تازہ علم پبلو کو ہے" مسٹر اسکاٹ نے پہلے

کمپیوٹر کے متعلق بات کی اور اندازہ لگایا وہ اس میں بے حد دلچسپی لیتا ہے۔ انھوں نے کہا "پبلو میری طرح ہے۔ کمپیوٹر اور کھانے پکانے میں دلچسپی لیتا ہے" پھر انھوں نے سکو میں چھوٹی چھوٹی پتّیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "یہ کون سی جڑی بوٹیاں ہیں؟ اور ایس۔ ایس۔ ایس سینٹر میں جڑی بوٹیوں کے باغ کا خیال مسٹر اسکاٹ کا تھا۔

پبلو نے 'ٹھنگونی' پتیوں ان کا مزہ اور خوشبو کے بارے میں بتانا شروع کیا تبھی مسٹر رائے درمیان میں بول پڑے "بچوں کو اپنی دلچسپی کے کام کرنے پر دوسروں کو ان کی ہمّت افزائی کرنی چاہیے۔ اور یہ بہت ہی مضحکہ خیز بات ہے کہ بہت سے مرد ایک چائے کی پیالی بھی نہیں بنا سکتے۔"

مسز رائے اور پبلو نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا مگر وہ ان سے نظر چُرا گئے۔ مسٹر اسکاٹ نے آہستہ سے کہا آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں" اور انھوں نے کھانا پکانے کی باریکیوں پر پبلو سے خیالات کا تبادلہ جاری رکھا۔

❏ ❏ ❏ ❏

کھیلوں کا دِن

سنجو نے کنکھیوں سے سورج کی طرف دیکھا سورج پہاڑوں اور آسمان کے درمیان ایک پیلی، چمکدار فٹ بال کی مانند نظر آ رہا تھا جب اس کا رُخ جنوبی اُفق پر تھا۔ اِس کا اندازہ تھا کہ دس یا اس کے آس پاس کا وقت ہو گا اگرچہ یہ فروری مہینے کا شروع تھا۔ پھر بھی کافی گرمی تھی اس نے اپنی کلائی پر بندھی لال اور سفید پٹی سے اپنے ماتھے کا پسینہ صاف کیا اور ڈوبتے ہوئے دل سے نظریں دوڑائیں۔ نہیں وہ ابھی تک نہیں آئے اس سے قبل کہ کوئی اور متوجہ ہو اس نے پھر نظریں دوڑائیں۔

کھیل کے میدان میں ایک شور برپا ہوا۔ جونیئروں کی تیکھی تیکھی آوازیں اور خوشی کے نعرے اور سینئر یا پرانے لڑکوں کی زوردار حلق پھاڑتی آوازیں، کان پھاڑ رہی تھیں۔ کچھ لڑکے اس کے اِرد گرد جنگلیوں کی طرح اُچھل کود مچا رہے تھے۔ اپنے پسندیدہ کھلاڑیوں کا دل بڑھا رہے تھے زور زور سے چلا رہے تھے۔ بڑھو.... بڑھو "ریڈ ہاؤس" اور کچھ ذاتی تعلقات کی بناء پر 'نام لے کر کہہ رہے تھے اور تیز.....اور تیز....داس۔ بار بار ان کے ہونٹوں پر یہی الفاظ تھے اپنے ہاتھ اونچے اور نیچے کر کر کے ہلا رہے تھے اور ایک دوسرے کے گلے لگ رہے تھے۔ جب بلو ہاؤس" کے ڈگ وجے شرمانے آہستہ آہستہ دوڑتے ہوئے رسّی توڑ دی تو وہ لوگ بے قابو ہو گئے۔

"واہ واہ، سنجو ہم جیت گئے "بلو ہاؤس" کے رانا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پر سنجو آلتی پالتی مار کر گھاس پر

ہی بیٹھا رہا وہ ہلکے سے غرّایا اور اپنے سفید جوتے کی لیس سے کھیلتا رہا تاکہ رانا اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

اس کی ممّی ہر سال سالانہ کھیلوں کے دن شام کو ہی اس کے جوتے صاف کرتی تھیں۔ مگر اس بار نہیں کیے۔ اس سال ہر بات الگ تھی اس سال اس نے اپنے جوتے خود دھوئے تھے اور خود ہی پالش کیے تھے۔ اسے پالش سفیدی جیسی لگ رہی تھی۔ وہ چھ مہینے سے اپنے سب کام خود ہی کر رہا تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ اس کے جوتے اس کے دوستوں کی طرح صاف نہیں تھے۔ بلکہ پوتے ہوئے تھے۔ اس کے دماغ میں جو غلط خیال اُٹھے اُس نے انھیں دبانے کی کوشش کی۔ پر وہ اس میں ناکام رہا تھوڑی دیر کے لیے اس کے غلط خیالات نے پلٹا کھایا۔

ایک ہنسی کی آواز کے ساتھ وہ ماضی سے ہٹ گیا اور حال میں آگیا۔ اس نے دیکھا اس کے چاروں طرف وہ لڑکے جو اسے پسند کرتے تھے وہ ہمیشہ کلب ڈرل، میں حصّہ لیتا تھا۔ اور جو اسکول کے سالانہ کھیلوں کے دن کا خاص آئیٹم تھی اور یہ ہمیشہ کی طرح آخر میں رکھی جاتی تھی اسکول کی بڑی کلاسوں کے اسّی بچّے کھیلوں میں حصّہ لینے کے لیے بالکل تیار تھے صاف ستھرے کپڑے سفید چمکتے ہوئے کرکٹ کے کھلاڑیوں کی طرح۔ ہنستے کھکھلاتے ایک دوسرے کو داد و تحسین دیتے ہوئے میدان میں اپنی اپنی باری کے منتظر تھے۔ بہت سے کھڑے دوسرے کھلاڑیوں کا دل بڑھا رہے تھے۔ حقیقت میں سنجو ہی ایک اکیلا تھا کہ وہ الگ تھلگ میدان میں بیٹھا تھا۔

اپنی پتلون کو جھاڑتے ہوئے وہ بے دلی سے اٹھا۔ اس نے اس بڑے سے رنگین شامیانے کو بھی نظر انداز کر دیا جو اسکول کے میدان میں لگا ہوا تھا اب اس کا دھیان بڑے سے رنگین شامیانے کی طرف گیا تو وہ کس قدر خوبصورت لال اور پیلے رنگ کی دھاریاں اس پر پڑی تھیں اور ہوا سے وہ میدان میں لہرا رہا تھا جہاں بھیڑ جمع تھی۔

"یہ چھوٹی کلاسوں (جونیرز) کے تین ٹانگوں کی دوڑ ہے" رانا نے سنجو کے کان کے پاس جوش کے

ساتھ سیٹی بجائی تا کہ وہ سُن لے۔

سنجو نے جھنجھلا کر اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا "بس زیادہ اتراؤ نہیں" اس نے جھک کر رانا پر اپنا بوجھ ڈالا اور اس کا سہارا لے کر میدان میں کھیل دیکھنے لگا۔

کے۔ جی کے بچوں کا پروگرام جو کھیل کے شروع میں ہوتا ہے وہ ختم ہو رہا تھا اور بچے اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جو اشارے کرتے ہیں اس میں کچھ ناکام تھے تمام میدان میں لڑکے اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوم رہے تھے۔ بچوں کی ٹانگیں ایک ساتھ بندھی ہوئی تھیں اور کچھ گر گر پڑتے تھے۔ کچھ گر کر پھر اُٹھ جاتے تھے، کچھ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے۔ ایک جوڑے نے بہت مشق کی تھی۔ شروع میں وہ ایک.....دو..... کر کے آہستہ آہستہ چلے پھر تیز چلنے لگے اور جب ان کی میوزک رُکی تو انھوں نے ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیے وہ اپنے حریف کو کئی گز پیچھے چھوڑ کر خود دوڑ ختم ہونے کی لائن پر پہنچ گئے کامیاب ہونے والوں کے لیے خوب خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اور ان کے ٹیچر مسٹر کالیٹا نے لاؤڈ اسپیکر پر اُن کے ناموں کا اعلان کیا۔ رانا نے اپنی عادت کے مطابق اپنے ہی انداز میں کسی کو ہاتھ ہلایا۔ اب مزید اس کے سہارے کھڑا ہونا ناممکن تھا اس لیے سنجو سیدھا کھڑا ہو گیا سنجو نے کالا اور سفید کلب اٹھایا اور ڈرل شروع ہونے سے قبل اسے چکر دینے لگا۔

رانا چیخا "میرے والدین آگئے ہیں۔ وہ آگئے میری بہن بھی ساتھ ہے۔ او ہو۔۔۔ ہو۔۔۔ مجھے امید ہے کہ آخر میں چکر دیتے ہوئے میں اپنا کلب نہیں گراؤں گا۔"

اب تقریباً ساڑھے دس بج چکے تھے کھیل شروع ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے جن لوگوں کو آنا تھا تقریباً سبھی آچکے ہیں شاید ٹینٹ بھی والدین کے بوجھ سے اتنا بھر چکا ہے کہ بس گرا ہی رہا ہے۔ اس نے پھر میدان کی طرف دیکھا "وہ شاید اب بھی نہیں آئے۔ اس دفعہ نہیں آئے اور شاید پھر کبھی بھی نہیں آئیں گے؟" اور وہ غصّے میں کلب کو زور سے چکر دینے لگا اور ایسا لگا جیسے وہ اس کے ہاتھوں میں دھندلا

رہا ہے۔

اس کے قریب سے کسی نے کہا "اوہ وہ کیا اپنی شان دکھا رہا ہے۔" سنجو ادھر دیکھے بغیر ہی جانتا تھا کہ وہ رنجیت ہے۔ وہ خود کو اس گروپ میں کلب گھمانے کا ماہر سمجھتا تھا۔ جب کہ اس کے دوست رانا، پپو، امیت اور اس کے دوسرے دوستوں کو یقین تھا کہ سنجو ہی بہترین ہے۔ یہاں تک کہ اس کے کھیلوں کے استاد مسٹر چودھری کا بھی یہی خیال تھا جو انھیں کلب ڈرل سکھاتے وقت ہمیشہ سنجو کی طرف اشارہ کرتے اور اسے آگے مربع میں نمایاں مقام پر کھڑا کر کے سب سے کہتے تھے کہ "اس کی حرکات ذہن میں رکھ کر اس کی نقل کریں۔" مگر رنجیت جو بارہ سال کا تھا اسے یقین تھا کہ وہ سنجو سے ہر حال میں بہتر ہے کیوں کہ وہ ابھی صرف ساڑھے دس سال کا ہے عام طور سے سنجو جھنجھلا جاتا مگر آج تو اس نے اس کے طعنے کی بھی پرواہ نہ کی۔

رنجیت کے والدین اس آخری ڈرل کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ سبھی کے والدین آ چکے تھے سوائے اس کے اپنے..... پچھلے سال تک اس کے والدین کھیلوں کے دن ضرور آتے تھے اور وہ تمام کھیل دیکھتے، تاکہ اگلی نشست مل سکے مگر اس سال کچھ مختلف تھا...... اس کی ممی نے آج صبح کہا تھا۔

بے بی کو آج کھانسی ہے اور تھوڑا ابخار بھی ہو گیا ہے۔ ہمیں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے تم محسوس نہ کرنا اگر ہم آج کھیل کے دن نہ پہنچ سکیں" نہیں کرو گے نا؟ تم سمجھ گئے نا؟ آخر تم ایک بڑے لڑکے ہو..... بے بی کے دادا (بڑے بھائی)" ایک مرتبہ پھر مجمع کی طرف سے خوشی کا شور اٹھا۔ یہ سینئرز (بڑے بچے) کی رکاوٹ والی 100 میٹر کی دوڑ تھی۔ مسٹر چودھری سینئروز کے لیے ہمیشہ بدل بدل کر دوڑیں رکھواتے تھے اس میں آسانی تھی۔ انڈے اور چمچے کی دوڑ جس میں آہستہ چلنا ہوتا ہے اس طرح قسم قسم کے کھیل ہو جاتے ہیں۔ سنجو اپنی عمر سے لمبا تھا اس لیے وہ اپنے ساتھیوں کے سروں پر سے بھی دیکھ سکتا تھا گرین ہاؤس کا پسندیدہ دستہ دوسری اور تیسری رکاوٹ پار کر چکا تھا اور اب آہستگی

سے آرہا تھا۔ ریڈ ہاؤس کے تیز کھلاڑی اسے پار کر کے آخری لائن تک پہنچ گئے۔ میدان کی دوسری طرف سے ریڈ ہاؤس کے لیے داد و تحسین کے نعرے بلند ہونے لگے وہ بے حد خوش ہو کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ مگر سنجو جو بلو تیلے ہاؤس کا تھا، خاموش ہی رہا۔ ہاں اب وہ بے بی کا "دادا" تھا۔ دس سال تک وہ اپنے والدین کا سنجو بابا بنا رہا۔ اپنے والدین کا انمول "سنجو بابا" مگر اچانک اس کا مقام...... بدل گیا اسے نے اپنے جوتے خود پالش کرنے پڑتے۔ ممی بے بی کے ساتھ اس قدر مصروف رہتیں کہ وہ اسے گھنٹوں پڑھاتیں اور گھر کا کام کرواتی تھیں اب وہ صرف پانچ منٹ کا رہ گیا۔ اور وہ پانچ منٹ بھی بے بی کی مانگوں کی نذر ہو جاتے۔

اب کل رات کی ہی مثال لے لو۔ اس کی ممّی نے کہا۔ "سنجو کل کا دن بڑا اہم ہے۔ ساتھ ہی بے بی کو کچھ گاڑھی گاڑھی چیز کھلاتی جا رہی تھیں "راتا کی ممّی نے تمھیں مشق کرتے ہوئے دیکھا ہے تم کلب ڈرل میں آسانی سے بہترین مظاہرہ کرو گے۔" انھوں نے کہا۔

سنجو ان کو ایک دم حیران کر دینے والا تھا اور جو بات اس نے بہت دن سے چُھپا رکھی تھی وہ آج بتا دینا چاہتا تھا مگر.... نہیں بتا سکا۔ مگر بے بی نے انھیں اس طرح ہتیار کھا تھا کہ وہ بات ہی نہ کر سکا اس نے ممی کے کان کا بُندا کھینچ لیا ان کے کان کو زور کا جھٹکا دیا اپنے منہ کے کھانے کے تمام چھینٹے دیوار پر اڑا دیے تو اس کے لیے ممّی سے بات کرنا ناممکن ہو گیا۔ اس نے بے بی پر حقارت سے ایک نظر ڈالی جو بغیر دانتوں کے مسوڑھوں سے مسکرا کر اپنے سنجو دادا کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے کل کے لیے اپنے کلب کا معائنہ کیا جوتوں کو پالش کیا اور رکھ دیا۔

اب اس کے سامنے میدان میں چل کر جانے والی سیک دوڑ (لوٹ لوٹ کر چیزیں تھیلے میں بھرنا) شروع کرنے کے لیے لڑکے تیار تھے۔ میدان کے گرد دائرے میں خوشی کی لہر سی دوڑ گئیں۔ دوسری جماعت کے بچے پھیلے ہوئے تھے بہت سے ایسے کھڑے تھے جیسے موت کا انتظار ہو۔ راتا اس کے قریب کھڑا ہنس رہا تھا اور اس نے سنجو کو اس طرح پکڑ رکھا تھا جیسے وہ ابھی گر جائے گا۔ سیک دوڑ میں پانچ

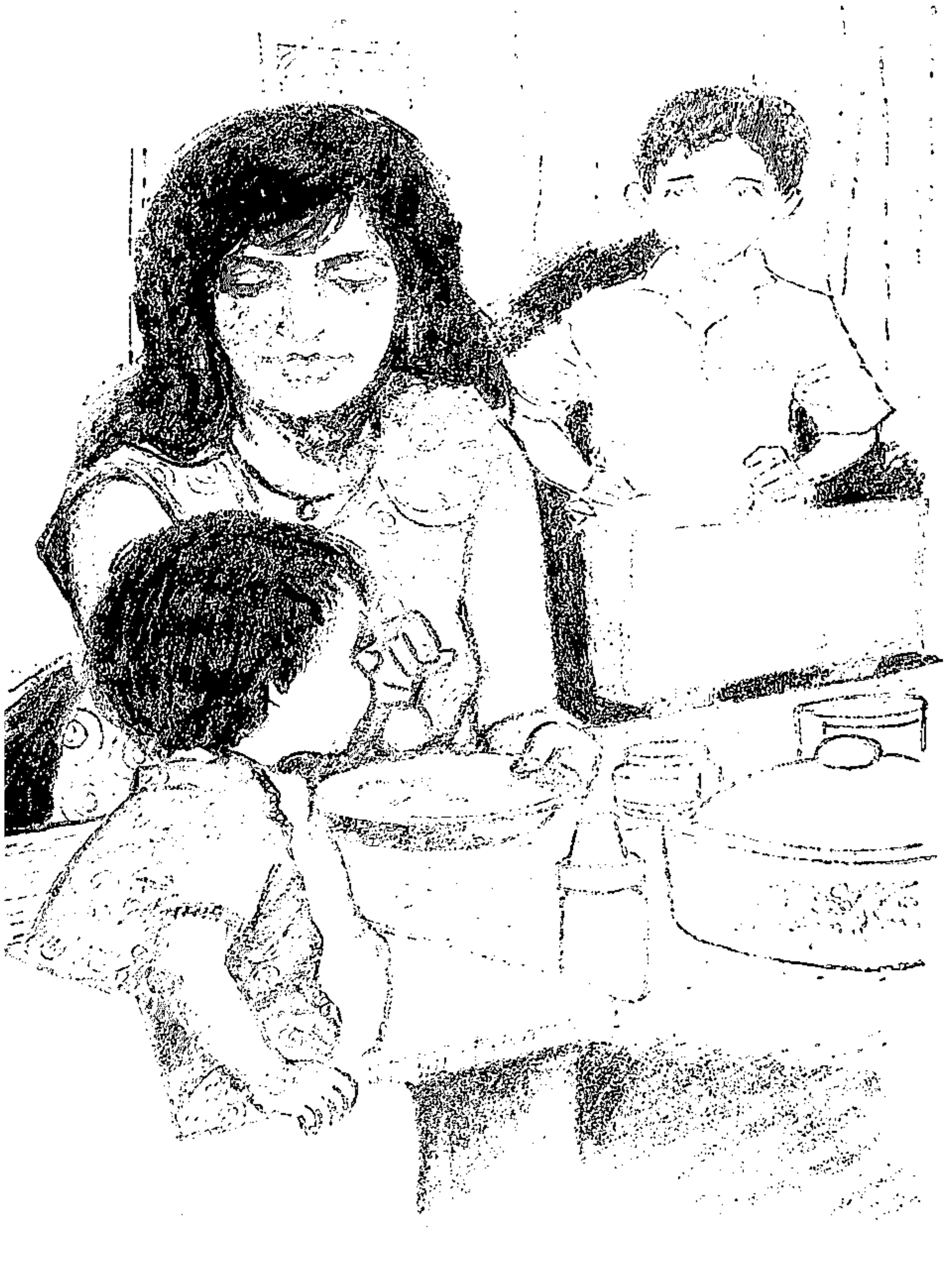

بھاگنے والے باقیوں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور مضبوطی اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھتے جارہے تھے۔ دوسرے نمبر پر آنے والے کا پیر کہیں اڑا اور وہ لڑھکتا ہوا میدان میں گر گیا بقیہ چار بڑھتے گئے دیکھنے والے پاگل ہوئے جارہے تھے تیسرے نمبر والے کا پاؤں کہیں الجھا وہ ڈگمگایا۔ پہلے کی توجہ ہٹی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا نمبر دو اسے نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھا اور آخری لائن پار کرلی۔ اس کے چہرہ پر اطمینان کی جھلک تھی۔

مگر مجمع اسے نہیں دیکھ رہا تھا ہر ایک اُس بچّے کے لیے شور مچا رہا تھا۔ جو گر گیا تھا۔ جب کہ آخری لائن چند فٹ کے فاصلہ پر رہ گئی تھی وہ کسی طرح اُٹھ گیا اب وہ چمکدار گولوں والی انڈر ویر پہنے بیچ میدان میں کھڑا اپنا نیکر تلاش کر رہا تھا۔ جو تھیلے میں جا پڑا تھا۔ سنجو سمجھ گیا کہ اب وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا بے بی ڈائپر میں عجیب سا لگتا ہے۔ بہت عجیب مگر بہت ہی پیارا۔ جس وقت وہ مٹھی بند کر کے ہاتھ پیر چلاتا اور کلکاریاں مار کر د----ا---و---دوا ہر وقت سنجو کو دیکھکر کہتا تب وہ اسے بہت پیارا لگتا تھا حقیقت تو یہی ہے کہ سنجو بے۔بی کو بے انتہا چاہتا تھا خاص طور سے جب سے اس نے سنجو کو خوش کرنا شروع کیا تھا۔ اسے کیا پسند نہیں تھا۔؟ بلکہ بہتر لفظ یہ ہے کہ کہا جائے وہ اس سے ---نفرت--- کرتا تھا جب ماں کی توجہ اس کی طرف ہوتی تھی وہ ہمیشہ اس کے ہی ساتھ مصروف رہتی تھیں۔ اگر کھانے کا وقت نہ ہوتا تو نہلانے کا ہوتا اور وہ بھی نہیں تو تیل مالش کا ہوتا وہ دھوپ میں اپنے والدین کے پلنگ پر لیٹتا۔ جہاں تک اس کے والد کا سوال تھا وہ اپنے دفتری کاموں میں مشغول رہتے۔ صبح ناشتہ کر کے جاتے اور شام کو دیر سے واپس آتے۔

گزشتہ سالوں میں اس کے والد اسکول کے کھیلوں میں اس کی ادائیگی دیکھنے کے لیے چھٹی لیتے تھے اِس سال بھی انھوں نے چھٹی لی تھی مگر صرف بے۔بی کو ڈاکٹر کے یہاں لے جانے کے لیے۔

سنجو اُداسی سے سوچ رہا تھا وہ اس کے دل کی بات کبھی نہیں سمجھ سکیں گے اور وہ جو حیران کن خبر انھیں اچانک دینا چاہتا تھا دل ہی میں رہ جائے گی حقیقت تو یہ ہے کہ سنجو اکیلا کھڑا تھا۔ بالکل اکیلا جو لڑکے

کلب ڈرل میں حصہ لے رہے تھے وہ سب اکھٹے تھے مگر سنجو ان سے کچھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ سنجو ان سب میں بہترین تھا۔ ہاں سب سے اچھا۔ بھلے ہی رنجیت جل کر کچھ بھی کہے سنجو کے کلب کی ایک بھی حرکت نہیں چھوٹتی تھی چاہے وہ نیچے جائے یا ہوا میں اوپر ہو حقیقت میں وہ اتنا مشاق تھا کہ کھیل کے استاد نے کہا تھا کہ صرف سنجو ہی ہے وہ اسّی ڈرل کرنے والے لڑکوں میں نمایاں حیثیت لے گا۔ وہ اکیلا ہی ڈرم کے ساتھ پانچ منٹ تک اپنے کمال دکھاتا تھا اور اس کے پیچھے ایک مربع میں سارے لڑکے سیدھے کھڑے رہتے اس نے بہت محنت سے یہ مقام حاصل کیا تھا۔ یہی خفیہ بات وہ اپنے والدین کو بتانا چاہتا تھا مگر نہ بتا سکا۔ وہ اُنھیں اپنے تنہا (اکیلے) کمالات دکھا کر اُنھیں حیرت زدہ کرنا چاہتا تھا۔

اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ اس سال وہ کھیلوں کے دن نہیں آئیں گے۔

کھیلوں کا استاد ان کے قریب گھوم گھوم کر کہہ رہے تھے "لڑکوں تیار ہو جاؤ۔ وقت ہو رہا ہے.....ہاں .....ترتیب میں آجاؤ۔ ارے سنجو کہاں ہے؟ اوہ تم یہاں ہو.....یہاں سامنے کھڑے ہو جاؤ۔"

پندرہ منٹ کے بعد آخری آئٹم کلب ڈرل کا اعلان ہونے والا ہے سبھی بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

سارے اسّی لڑکے سر کی پٹیوں سے جوتوں تک سفید رنگ میں چمک رہے تھے۔ ان کے سفید اور کالے کلب کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے اب وہ اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے جہاں رنگین لائنیں تھیں سنجو اکیلا ہی چل رہا تھا اس کے لیے میدان میں سفید رنگ کا نشان تھا جو اُس نے تلاش کر لیا۔ اُس نے میوزک کی اور لائینوں پر بھی دھیان دیا۔ اپنے کلب کو ٹھیک طور سے رکھا اس نے اپنے کھڑے ہونے کے انداز اور توازن کا جائزہ لیا۔ وہ اپنی ٹیم کو نیچا نہیں دِکھانا چاہتا تھا چاہے گھر سے کوئی اس کی ہمّت افزائی کے لیے بھی نہ آئے۔

اس نے اپنے آس پاس کا تفصیلی جائزہ لیا۔ پنڈال کچھا کچھ بھرا ہوا تھا سامنے کچھ ہی فٹ کے فاصلے پر خصوصی خیمہ تھا پرنسپل اور کچھ سینئر استاد وہاں بیٹھے تھے۔ان کے ساتھ کچھ وہ لوگ تھے جنھیں خاص طور سے مدعو کیا گیا تھا یا وہ والدین تھے جو جلدی پہنچ گئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ پرنسپل اس کی طرف دیکھ رہے تھے پھر اس نے اور آگے دیکھا۔

اور خوشی، خوشی..... وہاں وہ تھے ہاں بالکل وہیں اس سے چند فیٹ کے فاصلے پر، پرنسپل کے پیچھے، بالکل ایسی جگہ جہاں سے وہ ڈرل اچھی طرح دیکھ سکیں۔ حیرت ہے کہ سنجو انھیں پہلے نہ دیکھ سکا۔ وہ وہاں سے نظر نہ آسکے جہاں وہ میدان میں پیچھے کی طرف ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ممّی گلابی رنگ کی ساڑھی میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں۔ پپا فخر سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور ہاں وہاں بے بی بھی تھا۔ سنجو نے دیکھا بے بی نے اسے پہچان لیا۔ اس نے دیکھا بے۔ بی کے ہونٹ ہل رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے۔ د---ا---د---ا---دا---ڈرم پر تیاری کی چوٹ پڑی۔ اور سنجو کی رگوں میں جوش بھر گیا۔ اس میں پوری خود اعتمادی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سب کام آرام سے ہو جائے گا۔ اس کا پورا خاندان اس کے پپا--- ممّی---اور چھوٹا بھائی اس کی ہمّت افزائی کے لیے وہاں تھے۔

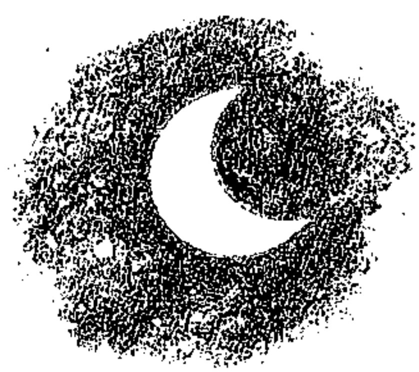

جارج

جارج براؤن رنگ کا ایک بڑا چوہا سانپ ہے۔ وہ اپنی قسم کا ایک عمدہ نمونہ تھا۔ دو میٹر لمبا.... ہو سکتا ہے کچھ بڑا بھی ہو۔ آخر کار وہ ہمیں نظر آ ہی جاتا تھا۔ اور جب چلا جاتا تو ایسا لگتا جیسے ہمیشہ کے لیے چلتا ہی چلا جا رہا ہو۔

کلکتہ میں ہمارا گھر ایک سنسان علاقہ میں ہے۔ پتلی سی سڑک جنگل کے سرے پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ جو ہمارے باغ کی دیوار کے مغرب میں ہے۔ اس سڑک کے دونوں طرف مکانات ہیں جہاں کوئی آمد و رفت، خرید و فروخت نہیں اس وجہ سے بہت پر سکون ہے۔ پورے دن گلہریاں ایک دوسرے کا پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ درختوں پر مختلف قسم کی چڑیاں چہچہاتی رہتی ہیں۔ پپیہا، الّو، بُلبل، ہُد ہُد۔ خوبصورت نیلے، پیلے اور ہرے طوطے اور گوریے اور کوّے جن کے گانوں سے تمام دن ہوا بھی لطف اندوز ہوتی رہتی ہے۔

گزشتہ مارچ میں ایک دن جارج سچ مچ اندر آ گیا۔ میں اور مری بہن بر آمدے میں کرسیوں پر ست سے بیٹھے تھے۔ جہاں سے باغ پورا نظر نہیں آتا تھا ہماری کتابیں گود میں کھلی پڑی تھیں۔ ہم ان پھولوں کو سراہ رہے تھے جو باغ کی اونچی دیواروں کے اوپر لگے ہوئے تھے۔ خوب رنگ برنگے پھول تھے۔ لان کی گھاس باقاعدہ کٹی ہوئی تھی۔ جس پر اب بھی شبنم کے قطرے کی نمی تھی مجھے یاد ہے کہ وہ موسم بہار کی ایک خوبصورت صبح تھی اور میری نظریں ناریل کے اس اونچے پیڑ پر جمی ہوئی تھیں جو

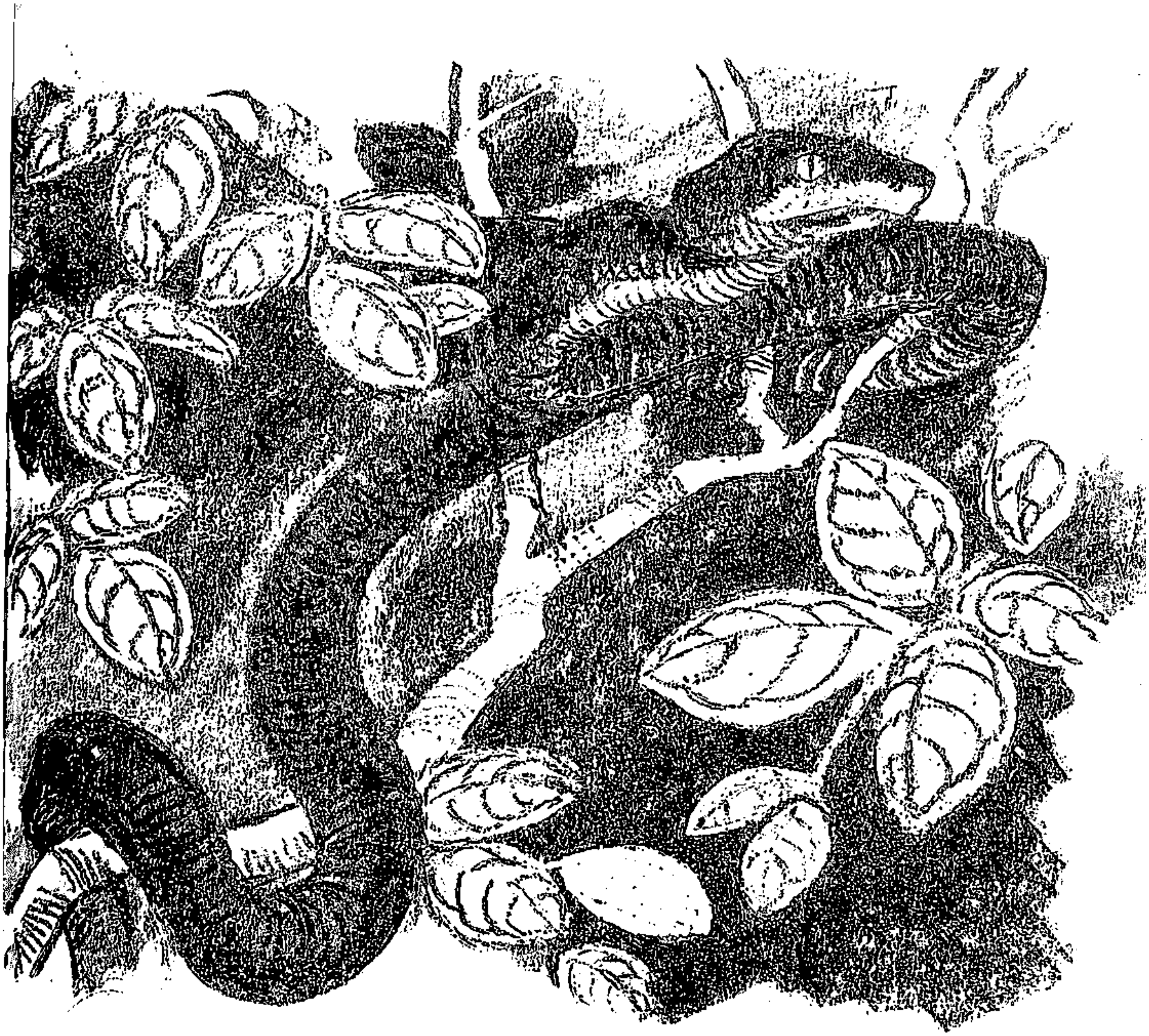

باغ کے آخری سرے پر تھا۔ اور پام کے شاندار پیڑ کی تعریف کر رہے تھے جو ہوا سے ہل رہا تھا۔

اچانک ہم لرز کر رہ گئے۔ سستی غائب ہو گئی۔ جب ہم نے دیکھا ایک چھوٹی سے گول چیز پام کے پیڑ کی چوٹی سے گر رہی ہے اور اس کے پیچھے ایک بہت بڑی بھاری اور لمبی شے تھی جس نے ممی کی دل پسند ہبی کس کی جھاڑیاں توڑ دی تھیں۔

وہ چھوٹی سی شے ایک چوہیا تھی جو اپنے جان بچانے زمین کی طرف بھاگی جاتی تھی اور وہ بھاری چیز جو ہمارے خوف کا باعث بنا ایک بڑا چوہا سانپ تھا جو چوہیا کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کچھ لمحے بہت پریشانی کے گزرے یہ ایک ڈرامہ تھا کہ ایک چھوٹی چوہیا آڑی ترچھی دوڑ رہی تھی وہ پورے باغ میں اپنی جان بچانے کو بھوکے سانپ کے آس پاس تھی اور سانپ اس کا پیچھا کر رہا تھا ایک کالا کوا اوپر بیٹھا یہ تماشا دیکھ رہا تھا اور موقعہ کا منتظر تھا۔ موقعہ دیکھ کر وہ نیچے اُترا اور سانپ کا کھانا لے اُڑا۔

سانپ اپنے شکار سے محروم ہو کر طرح طرح کی لکیریں کھینچتے ہوئے راستہ کی تلاش میں باغ میں گھوم رہا تھا۔ جلد ہی اسے ایک مناسب پیڑ مل گیا جس پر چڑھ کر وہ دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ وہاں سے وہ دوسری طرف اُتر گیا تب ہماری جان میں جان آئی اور تب سکون ملا۔

دو دن بعد پھر وہی ڈرامہ دہرایا گیا...... چوہیا پکڑنے والا۔ وہی سانپ پھر پام کے پیڑ سے اُترا، وہی جھاڑی ٹوٹی، چکراتے ہوئے اسی پیڑ پر پہنچا اور اسی دیوار پر جا کر غائب ہو گیا۔

تیسری ملاقات پر ہم نے سوچا ہم سانپ کو 'جارج' کہیں گے آخر اس طرح اکثر آنے جانے والے کا کچھ تو نام ہونا چاہیے۔

ہمارے والد نے باغ اور اس کے پاس کا اچھی طرح معائنہ کیا اور نتیجہ نکالا کہ دیوار کے دوسری طرف جو بڑا کانٹوں دار پیڑ ہے۔ اس کی ایک شاخ ہمارے پام کے پیڑ کو چھوتی ہے۔ اس طرح جارج کی رسائی آسانی سے چوہیا تک ہو گئی جس کے خاندان نے پام کے پیڑ پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ ڈیڈی نے وہ شاخ کٹوا دی۔

وہ تکلیف دہ شاخ کٹوانے کے بعد جارج نے وہاں سے آنا بند کر دیا۔ اب اس نے صحیح طریقہ سے آنے کا راستہ منتخب کرنے کی بجائے ...... یعنی سامنے کا دروازہ پکڑا۔ اب اس نے باقاعدہ ہمارے باغ کی

چھان بین شروع کر دی اور ہم اس کے عادی ہو چکے تھے۔ اگر چہ پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر جو ہمارے دل میں خوف پیدا ہوا تھا۔ وہ آج تک نہ بھلا پائے تھے۔ ہماری ممی جب بھی اسے دیکھتیں چیخ مارتیں طوطے بھی جب جارج کو دیکھتے بری طرح چیخنے لگتے یہ بتانا مشکل ہے کہ کون زیادہ ڈرتا تھا؟ مری ممی ......یا...... جارج..... وہ کئی کئی دن ان کے سامنے نہیں آتا تھا۔

"ہمارے پڑوسیوں کو بھی اس کے متعلق سب کچھ معلوم تھا جب وہ اسے دیکھتے ان کے چہرے پیلے پڑ جاتے تھے، کانپنے لگتے اور مردہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آجاتی وہ سانس روک کر ایک دوسرے کو بتاتے تھے وہ ایک لال رنگ کا سانپ ہے۔" بے ضرر ہے۔ ہمیں اسے مارنا نہیں چاہیے۔ یہ ہمیں چوہوں سے بچاتے ہیں۔ یہ کسانوں کے دوست ہیں۔"

کبھی بھی کسی نے جارج کو مارنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بہت بڑا ہے۔ وہاں وہ اکیلا ہی نہیں بلکہ اس جیسے اور بھی کئی ہیں۔

ایک دفعہ میں نے برآمدہ کی سیڑھیوں پر کچھ پڑا دیکھا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ پتلی سی رسی کا ٹکڑا ہے جیسے ہی ہاتھ میں اُٹھایا حیران رہ گیا کہ وہ میرے ہاتھ سے اس طرح اُچھل کر ہوا میں اُڑا جیسے بوتل سے کارک۔ میں ایک دم ڈر گیا۔

وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ایک ڈاڑھی والا آدمی بڑی پگڑی باندھے آیا تھا وہ جنگل میں آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔ اس کی آنکھیں زمین پر اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے وہ کچھ تلاش کر رہا ہے۔ وہ ہمارے باغ کی دیوار سے کچھ گز کے فاصلے پر رُکا اور اسے کھودنا شروع کر دیا اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے ہم لڑکیاں بہت ہی اشتیاق اور بے تابی سے اسے دیکھ رہے تھے تھوڑا سا کھودنے کے بعد اس نے پیڑ کی ایک جڑ پکڑ کر کھینچنا شروع کیا اور اسے اس وقت تک کھینچتا رہا جب تک وہ ایک ہلکی سی چھپاک کی آواز کے ساتھ باہر نہیں آگئی۔ اس نے اسے اٹھا کر رکھ لیا اور جسے ہم پیڑ کی جڑ سمجھ رہے تھے۔ وہ مڑا تڑا سا "کوبرا" تھا ہم اپنی جگہ برف کی طرح جم کر رہ گئے۔ ہماری آنکھیں پھٹی رہ گئیں اس نے سانپ کو دم سے پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لٹکا رکھا تھا۔ اسی دن ایک آدمی ہمارے دروازہ پر آیا اس کے

ہاتھ میں دو گول ٹوکریاں تھیں جنھیں اس نے تھوڑا تھوڑا کھول رکھا تھا۔ جس میں سے چمکتے ہوئے تار نظر آرہے تھے اس نے ہم سے کہا" آپ چاہیں تو اپنی خوش قسمتی کے لیے انھیں چھو سکتے ہیں۔ یہ کاٹیں گے نہیں یہ ایک شاخ ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر یہ سانپ کے قریب رکھ دی جائے تو وہ بے ضرر ہو جاتے ہیں۔

"نہیں، تمھارا شکریہ" اور ہم غیر ارادی طور پر چلانے لگے اور اس وقت سکون ملا جب اُس نے اپنی ٹوکریاں اٹھائیں اور چلا گیا۔

ایک دن ہمارا دھیان پرندوں کی چیخوں کی طرف گیا۔ جارج ان کے گھونسلوں پر حملہ کر رہا تھا ..... میں نے اسے جنگل کے ایک پیڑ کی شاخ پر دیکھا وہ آہستہ آہستہ گھونسلے کی طرف بڑھ رہا تھا پانچ یا چھ چڑیاں بہادری سے اس کے سر پر چلا رہی تھیں اور منہ پر پھڑ پھڑا رہی تھیں اور غصے سے بری طرح چیخ رہی تھیں۔

انھوں نے اس کی بھوک مٹانے کا راستہ روک دیا اور جب چند منٹ بعد میں نے دیکھا تو جارج غائب ہو چکا تھا..... یا ہو سکتا ہے نیچے گر گیا ہو...... کیوں کہ اسے پیڑ سے گرنے کی عادت تھی۔

مانسون میں بہت پھرتیلا ہو جاتا تھا حالانکہ سردیوں میں کچھ سُست نظر آتا تھا کیوں کہ وہ کبھی کبھی نظر آتا تھا۔ کبھی وہ کسی جھاڑی میں دیوار پر دھوپ سینکنا دکھائی دیتا اس کا ایک خاندان بھی تھا جو اس کے ساتھ آہستہ آہستہ گھاس پر رینگتے نظر آتے تھے۔

پھر موسم بہار آیا۔ جب جارج پہلی مرتبہ ڈرامائی انداز میں ہماری زندگی میں داخل ہوا تھا۔ اسے ایک سال گزر چکا تھا وہ اب بھی کہیں نہ کہیں آس پاس تھا اور میں ہمیشہ اس بات سے اندازہ لگا سکتی ہوں کہ وہ کہاں ہو گا کیوں کہ وہ جدھر جاتا ہے شور اور چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ مکر جی کے گھر سے شور شرابا سنائی دیا وہ وہیں ہو گا ہاں ..... میں نے سامنے کے دروازہ سے دیکھا تو مجھے ان کے پیلے اور گھبرائے ہوئے سے چہرے نظر آئے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جارج کو دیکھ رہے تھے جو تیزی سے ان کے باغیچہ میں جا رہا تھا۔ وہ جنگل میں واپس جانے کے لیے وہاں آیا تھا۔ دھوپ میں سڑک پر چلتے ہوئے وہ چمک رہا

تھا اس کا لمبا وجود بہت شاندار تھا۔

اس سے ہٹ کر پڑوسیوں کا ایک گھٹیا کا مار اکتا سا یے میں اونگھ رہا تھا اس نے جارج کو دیکھا اور اس میں جوانوں کی سی چستی آ گئی وہ بھونکا اور اس کی بوڑھی بیکار ٹانگ اس طرح گھر کی طرف بڑھی جیسے تیل سے صاف کی ہوئی پچکاری جارج آرام سے چلتا ہوا جنگل میں داخل ہو گیا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو میں نے کہا "اگلی ملاقات تک کے لیے الوداع جارج" میں نے دیکھا کہ گلہریوں کا خاندان خوشی خوشی پیڑ پر کھیل رہا ہے۔اور مجھے گزرا ہوا زمانہ یاد آ گیا۔ سات سال قبل جب میں اور میری بہن کمسن تھے۔ہم چپ چاپ گھر سے کھسک جاتے اور آس پاس کے ہرے بھرے میدانوں میں جا کر کھیلتے جو جنگل کے سرے پر تھے۔ ہم جنگلی پھولوں کے گچھے کے گچھے جمع کرتے اور آنکھ مچولی کھیلتے اور ہمپاس کی اونچی اونچی گھاس میں چھپ جاتے تھے اور چپ چاپ نیولے اور ان کے بچوں کی دھوپ میں بہت بھاگ دوڑ دیکھتے ۔ وہ دن بہت اچھے تھے وہاں بہت تھوڑے مکانات تھے رات کو ہم گیدڑوں کی آوازیں سُنا کرتے تھے۔

اب وہ تمام ہرے بھرے میدان ختم ہو گئے جہاں ہمپاس گھاس لہراتی تھی ان کی جگہ اب قطاروں کی قطاریں مکانوں کی ہیں اور کارخانے دھواں چھوڑ رہے ہیں۔اب تو نیولے بھی ہمیں کبھی کبھار ہی نظر آتے ہیں اور جنگل میں گیدڑ بھی نہیں چلاتے "کہاں گئے یہ سب ؟"" میں یہ سوچ کر بہت اُداس ہو جاتی ہوں۔اب تو مجھے دور سے ظالم کلہاڑیوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کیا لوگ اب جنگل کے بچے کھچے ٹکڑے کو بھی صاف کرنے آ گئے ہیں۔وہ سارے پیڑ کاٹ ڈالیں گے ؟.....اور...... پیڑوں کے نیچے لگی جھاڑیاں بھی اُکھاڑ دیں گے ؟..... ان کی جگہ زیادہ سے زیادہ مکان بنا دیں گے۔" اُنھیں کھانا کہاں سے ملے گا؟ چڑیاں اپنے گھونسلے کہاں بنائیں گی؟ کیا یہ سب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا؟

❑ ❑ ❑ ❑

اندھیرے سے ڈرتا کون ہے؟

وہ سب لوگ ارون کو جانتے ہیں اسے ایک ہوشیار لڑکا سمجھتے تھے۔ وہ ملنسار، اسکول کے کام میں اچھا اور ایک عمدہ کھلاڑی بھی تھا۔ مگر اس میں ایک کمی تھی جو کوئی نہیں جانتا تھا... کوئی بھی نہیں...... سوائے اس کے ماں باپ اور چھوٹی بہن کے۔ ارون کو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔ جی ہاں۔ ارون کم روشن کمروں، اندھیرے کونوں اور حد ہے، کہ رات سے بھی ڈرتا تھا۔

اس کی کوئی وجہ، کوئی دلیل نہیں یہاں تک کہ ارون خود بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ اندھیرے سے کیوں ڈرتا ہے۔ اس کے قریبی لوگ بھی اس راز کو نہیں پا سکے۔ لیکن ارون رات کی سیاہی سے خوفزدہ رہتا تھا اسے ایسا لگتا جیسے خوفناک آوازیں آرہی ہیں، پراسرار سائے کسی کی بھی شکل اختیار کر رہے ہیں وغیرہ۔

اسی وجہ سے اگرچہ ارون کا اپنا ایک خوبصورت کمرہ تھا مگر رات کو وہ اپنی سات سالہ بہن کے کمرہ میں سوتا تھا اور اس کے بھی ایک کونے میں روشنی رکھتا تھا۔ ارون کبھی بھی ایسے اندھیرے کمرہ میں نہیں گیا جہاں روشنی نہ جلی ہو کبھی کبھار اگر بجلی چلی جاتی تھی تو جب تک بجلی نہیں آجاتی سکڑ کر پڑ جاتا اور کانپتا رہتا تھا۔ وہ کبھی بھی رات کی کسی دعوت میں جاتا تھا اور نہ ہی چاندنی راتوں میں سیر کرتا۔ وہ ہر رات جب تک اسے نیند نہیں آجاتی تھی پلنگ کی چادر میں لپٹا آنکھیں بند کیے پڑا رہتا تھا۔ اس کے والدین اس کی طرف سے کافی پریشان رہتے تھے۔

ایک رات اس کی ممّی نے پاپا سے کہا "مجھے لگتا ہے اس کا ڈر بڑھتا جا رہا ہے۔ اور یہ ڈر بڑھتا ہی جائے گا۔"

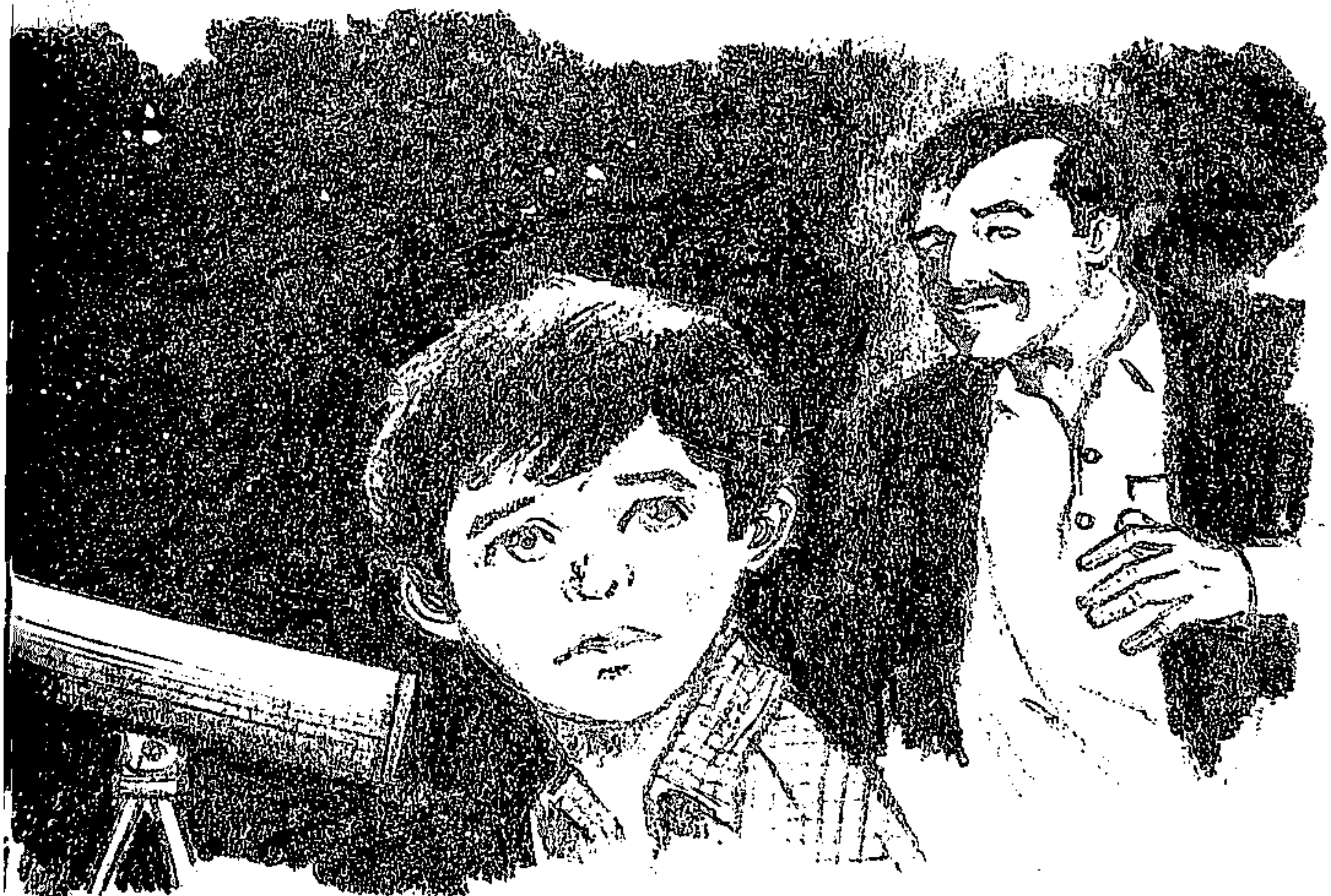

اس کے والد نے کہا "بے شک اور مجھے معلوم ہے اسے کیا چاہیے۔ میں اس کے لیے ایک دوربین خرید لوں گا تاکہ وہ اس میں رات کو ستارے دیکھ سکے۔ مجھے یقین ہے جب وہ اس میں روشن آسمان اور بہت سی دلچسپ چیزیں دیکھے گا تو کچھ دن میں وہ اپنے سارے وہم بھول جائے گا...... "کچھ دن بعد ارون کے والد اس کے لیے ایک اچھی سی دوربین لے آئے اور اسے اوپر برآمدے میں بھی لگادیا۔

ایک دن کھانے کے بعد انھوں نے ارون سے کہا "ارون ادھر آؤ۔ میں تمھیں ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ جو مکان کی چھت کے اوپر برآمدے میں ہے۔"

"اُوہ برآمدہ؟" ارون کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں "لیکن میں اوپر نہیں جاسکتا وہاں بہت اندھیرا ہے۔"

"بکواس" اس کے والد نے کہا اور اسے کھینچ کر دھکا دیا "چلو۔ آؤ وہاں ایک بہت ہی دلچسپ چیز ہے جس کا تم تصوّر بھی نہیں کرسکتے اور کسی چیز کے بارے میں سوچ بھی نہ سکو گے۔"

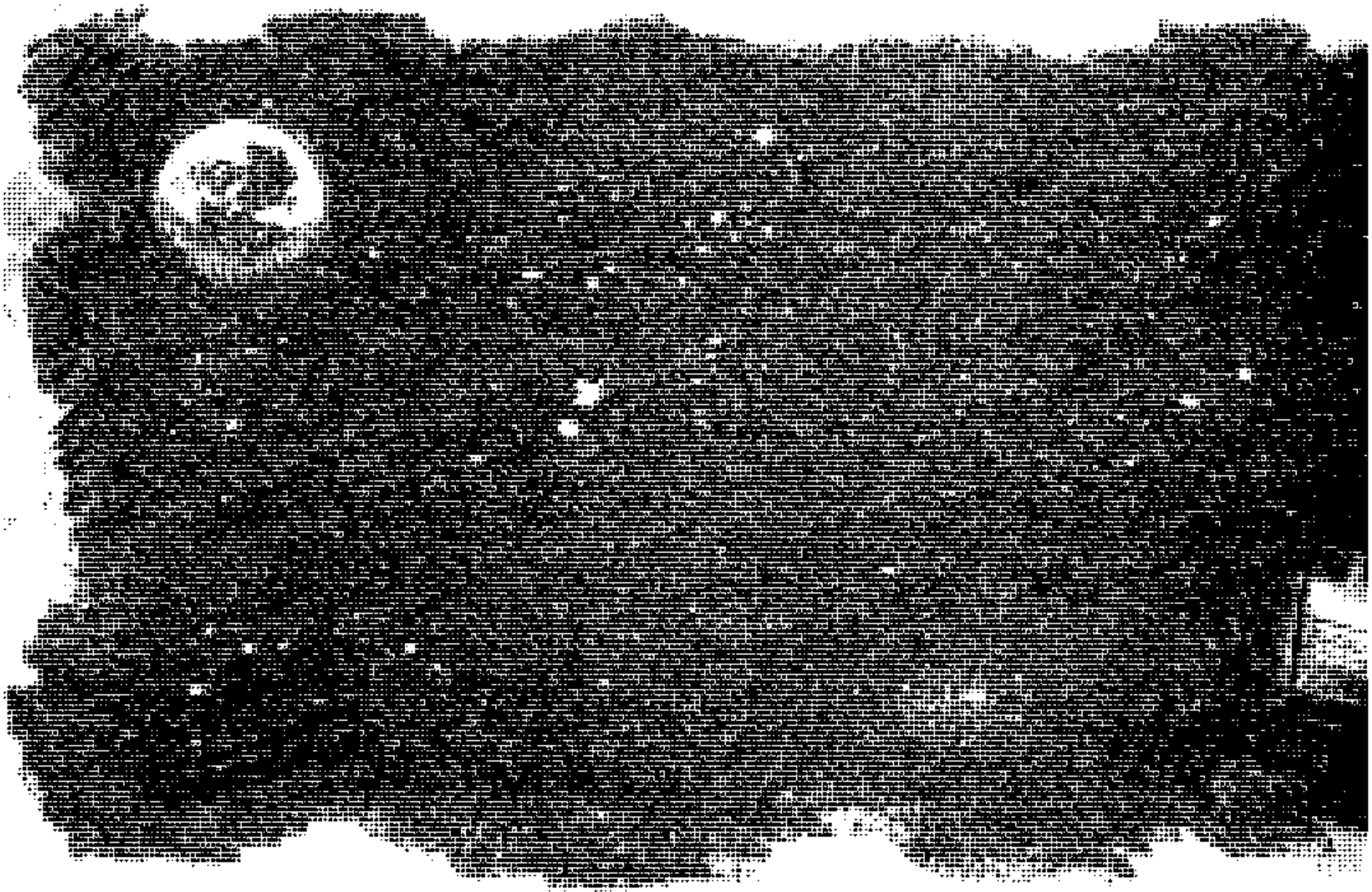

لیکن۔ آہ۔ جب ارون نے دور بین سے چمکتا ہوا سنہری چاند، جھلملاتے ستارے اور بھی شاندار منظر دیکھے تو اسے نہ خوشی ہوئی نہ حیرت بلکہ اس کے دانت خوف سے بجنے لگے اسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا اس نے اپنے والد کا ہاتھ کس کر پکڑ لیا۔

اس نے ڈری ڈری آواز میں پھسپھسا کر اپنے والد سے کہا "یہ کیسا شور ہے" اور خوف سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"اوہو۔ کچھ بھی تو نہیں' شاید پتیوں کی سرسراہٹ ہو گی، یا کوئی کیڑا مکوڑا پیڑ پر چڑھ رہا ہو گا...." اس کے والد نے یہ کہہ کر لاپرواہی سے ٹال دیا۔

ارون پر پھر اسی پُرانے ڈر کا غلبہ ہو اور اُس نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے بند کر لیں۔

"ارون، اس کے والد نے نرمی سے نصیحت کی "یہ بند کرو اور دور بین میں دیکھو۔" مگر یہ سب بے کار تھا آخر کار وہ واپس نیچے روشن کمرہ میں آگیا۔ کچھ دن بعد ارون کے استاد نے ایک اعلان کیا "میرے پاس تمھارے لیے ایک حیرت انگیز اطلاع ہے۔ ان کے ارد گرد پچاس زندگی سے بھرپور لڑکے جمع تھے "ہم سب جارہے ہیں..... ایک تفریحی سفر پر....."

بچّوں میں جیسے خوشی کے بُلبلے پھوٹنے لگے اُنھوں نے اتنا شور مچایا کہ ٹیچر نے میز تھپتھپا کر کہا "خاموش!" انھوں نے کہا یہ صرف ایک دن کی پکنک نہیں ہے بلکہ ہم پورے دو دن اور دو راتوں کے لیے جارہے ہیں" وہاں ہم خوب پیدل چلیں گے کھلی جگہوں پر کیمپ لگائیں گے اور یہ بہت ہی بہادری اور ہمّت کی مہم ہوگی۔" کلاس میں جوش اور اشتیاق زبردست پیدا ہوگیا تمام لڑکوں کے دل خوشی سے بے قابو ہونے لگے کہ دو دن کے تفریحی سفر پر باہر جارہے ہیں مگر ارون ٹیچر کی آواز سن رہا تھا اور اس پر دہشت طاری ہورہی تھی وہ اپنی نشست پر بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ایک تفریحی سفر وہ بھی دو دن کا..... اس کے اندر ایک ہیجان برپا ہوگیا..... وہ نہیں جاسکتا اس نے اپنا سر ہلایا ٹیچر اپنی بات ختم کرکے آخیر میں کہہ رہی تھیں "یاد رکھو یہ سفر ہر ایک کے لیے لازمی ہے کوئی بھی یہاں نہیں رہ سکتا سوائے اس کے کہ کسی کے پاس معقول وجہ ہو یا بیمار ہو جاؤ مگر اس کے لیے آپ کو ثبوت پیش کرنا ہوگا یعنی ڈاکٹری سرٹیفیکٹ....."

ارون مشکل سے ضبط کر رہا تھا "اوہ میرے خدا" اس نے سراسیمگی کے عالم میں سوچا "میں کیا کروں گا؟" اس رات کھانے کے دوران ارون نے تفریحی سفر کا ذکر چھیڑا "ہماری جماعت تفریحی سفر پر جارہی ہے......اس نے شروع ہی کیا تھا۔

"ارے یہ تو بہت اچھا ہے" اس کی ممّی نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے تم بہت لطف اٹھاؤ گے۔ تم جا کہاں رہے ہو؟"

"میں نہیں جارہا" ارون نے جلدی سے کہا "میں نہیں جاسکتا" "میں بالکل نہیں جاؤں گا..... یہ دو دن اور......" وہ ختم کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ ہلکی آواز میں بولا "دو راتیں"

"تو" اس کے والد نے کہا "مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بہت اچھا خیال ہے یہ تمھارے لیے بھی اچھا ہو گا تمھیں جانے کے لیے میری طرف سے اجازت ہے....."

ارون نے دکھ سے کہا "مگر میں نہیں جانا چاہتا۔" ٹیچر نے کہا ہے کہ اگر ہم ڈاکٹری سرٹی فیکٹ لے آئیں تب ہمیں ضرورت نہیں.....

"نہیں" والد نے ختم ہونے سے قبل ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں یہ تو سوچو بھی نہیں تم جاؤ گے ضرور جیسے سب جارہے ہیں اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

غریب ارون کی عجب حالت تھی۔ کلاس کے ساتھ ساتھ تفریحی سفر پر جانے کے نام پر کوئی بھی اتنا بُجھا بُجھا کبھی نہیں ہو سکتا، جتنا ارون تھا اس کی جماعت کے لڑکے جوش و خروش سے جانے کی تیاریاں کررہے تھے اور طرح طرح کے منصوبے بنارہے تھے۔ ارون کی ممّی نے ہر طرح اسے خوش کرنے کی کوشش کی اس کے لیے نئی نئی چیزیں لائیں مگر ارون عمدہ عمدہ چیزیں اور پکنک کا سامان دیکھ کر ذرا بھی خوش نہیں ہوا نہ اسے وہ عمدہ عمدہ کھانے اور پکوان بھارہے تھے جو اس کی ممی نے ساتھ لے جانے کے لیے رکھے تھے بس وہ تو یہی سوچے جارہا تھا رات وہ کیسے گزارے گا وہ سفر کے دوران کیا کرے گا؟ وہ دُعائیں کررہا تھا کہ زلزلہ آجائے، کوئی طوفان آجائے تاکہ یہ سفر ہی ختم ہو جائے۔ مگر ہائے افسوس ایسا کچھ بھی نہیں ہوا نہ ہی اسے خسرہ یا چیچک نکلی حد ہے کہ بخار تک بھی نہیں ہوا۔

تفریحی سفر پر جانے کا دن بہت چمکیلا اور صاف ستھرا تھا والدین ارون کو اسکول تک چھوڑنے آئے مگر وہ بالکل خاموش تھا، اس نے اپنی پکنک کی ٹوکری بھی بڑی مشکل سے پکڑ رکھی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ہاتھ کی ہڈیوں میں گھن لگ گیا ہو۔ یعنی وہ اس سے اٹھ نہیں رہی تھی۔

"خوش رہو" ممّی نے اس کے کان میں کہا "سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا بہت اچھا رہے گا۔"

ارون بمشکل مسکرایا "اوہ مجھے ایسی امید ہے....." اس نے خود سے کہا۔

ارون کچھ دیر کے لیے اپنی پریشانیاں بھلا کر بس میں بیٹھ گیا دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق، گانا ہنسنا اسے اچھا لگا۔ شام کو جلد ہی وہ اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں انھیں کیمپ لگانا تھا یہ ایک بہت خوبصورت ہری بھری اور مست وادی تھی جہاں چھوٹے چھوٹے خیمے لگے ہوئے تھے لڑکے خوشی سے چیختے اور لہراتے جوش میں بس سے اترے۔

ان کی ٹیچر نے اپنے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ہے نا یہ حیرت انگیز"

ارون نے جیسے ہی خیمے دیکھے اسے محسوس ہوا کہ "بے چینی کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں "او خدا یہ اتنے چھوٹے چھوٹے اور اندھیرے ہیں۔ میں ان میں کیسے سو سکوں گا۔"

ٹیچر کہہ رہی تھیں "دو لڑکے ایک خیمہ میں.... ہر ایک اپنا ساتھی خود چن سکتا ہے....."

"دو لڑکے ایک خیمہ میں؟" اللہ تیرا شکر ہے" ارون نے یہ سوچ کر خوش ہو گیا کہ "آخر کار میں اکیلا نہیں رہوں گا۔"

اس نے اپنے چاروں طرف ساتھی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں اور اس کی نظر وکاس پر پڑی۔ وہ ایک سیکنڈ اس سے بات کرنے میں ہچکچایا۔

"کیوں! وکاس کیا ہم دونوں ایک خیمہ میں رہ سکتے ہیں" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟ ہاں!" وکاس نے گردن ہلائی۔

ارون اور وہ کوئی خاص دوست نہیں تھے اسے حیرت تھی کہ ارون اس کے ساتھ کیوں رہنا چاہتا ہے۔ مگر ارون اس کا سبب جانتا تھا۔ وکاس سنگھ کلاس کا سب سے مضبوط اور سختیاں جھیلنے والا لڑکا تھا اسے کراٹے میں براؤن بیلٹ ملی ہوئی تھی اور مار دھاڑ کرنے میں بھی آگے رہتا تھا۔ وہ کافی سخت مزاج بھی لگتا تھا۔ اس سے اندازہ تھا کہ وہ بہت بہادر بھی ہو گا۔ واہ اندھیرے میں لڑنے کا کتنا اچھا طریقہ نکالا ہے۔ یہ وکاس سے لڑنے سے اچھا ہے نا؟

مگر وکاس سنگھ کی موجودگی اس کے لیے کوئی خاص مفید ثابت نہیں ہوئی۔ جب وہ اس اندھیری رات میں سونے کے لیے بستر میں گھسے ارون کو وہی ڈر محسوس ہوا وہی شور سنائی دینے لگا۔ رات کے سناٹے میں طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں ارون اپنے اوپر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"جب تمھیں خوف محسوس ہو، اچھی اچھی باتیں سوچنا، اس کی ممی نے ایک دفعہ صلاح دی تھی۔ اس لیے ارون نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کیں اور 'آئس کریم، چاکلیٹ، تفریحی پارک کے بارے میں سوچنا شروع کیا مگر اس سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آیا وہ لرزنے لگا، اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے تاکہ دانت نہ بج سکیں۔

"ارون؟ ارون؟.... وکاس اسے دھیمی آواز میں پکار رہا تھا۔

"ہاں" ارون کی آواز بھی لرزتی ہوئی سی تھی مگر اسے امید تھی کہ وکاس توجہ نہیں دے گا۔ "ارون تمھیں یہاں اچھا لگ رہا ہے۔"

ارون نے ایک لمبا سانس لیا تاکہ وہ جواب دینے سے قبل خود پر قابو پا سکے۔

اس نے بڑی مشکل سے کہا "سب کچھ ٹھیک ہی ہے؟" "اچھا مگر مجھے نہیں لگا" وکاس کی آواز کانپ رہی تھی "مجھے یہ بالکل پسند نہیں آیا! مجھے اس سے نفرت ہے۔ "یہاں کس قدر اندھیرا اور خوف ہے۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"میرا خیال ہے ہمارے خیمہ کے باہر کوئی ہے" اس نے ایک لمحہ رک کر اپنی بات جاری رکھی 'سنو" "کیا تم شور سُن رہے ہو؟ اوہ نہیں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے..... اس نے خوف سے ڈوبی آواز میں بات ختم کی۔ اور ایک سسکی سی بھری۔

ارون نے اپنے دوست کے الفاظ سنے تو اسے یقین نہیں آیا اور وہ بھونچکارہ گیا جواب نہ دے سکا تو یہ بھی..... "وکاس کا سکون پوری طرح بکھر چکا تھا اس نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

ارون اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے کہا "ارے بھئی، ہمّت کرو" وہ خود حیران رہ گیا کہ اس کی آواز اتنی مضبوط اور ٹھہری ہوئی کیسے آرہی ہے۔ "یہاں ڈر کی کوئی بات نہیں ہے" یہ آواز جو تم سن رہے ہو ہو سکتا

ہے باہر کوئی جانور ہو۔" اس نے اپنے تکیہ کے نیچے سے ٹارچ نکالی اور خیمہ کے کھلے حصّے سے روشنی باہر ڈالی جہاں ایک الّو گھورتا نظر آیا اور وہ سنجیدگی سے گھورتا ہوا اُڑ گیا۔

"دیکھو" ارون نے فخر سے کہا "میں نے تم سے کہا تھا۔"

"یہ ایک بے ضرر چھوٹا سا الّو ہے۔ وکاس آؤ اور ایک نظر دیکھ لو۔"

"اور میرے خدا، صرف ایک چھوٹا سا الّو؟ کیا سکون ملا ہے" وکاس معصومیت سے مسکرایا۔ اور اس نے آنسو بھری آنکھوں سے ارون کی طرف دیکھا وہ جھینپا جھینپا سا تھا۔ ارون تھوڑا سا آگے کی طرف جھکا اور سمجھانے کے انداز میں اس کی ہمّت بڑھانے اور اعتماد پیدا کرنے لگا۔

"اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے" کیوں نہ ہم اب تھوڑی سی نیند لے لیں۔"

ابھی وہ اپنے سونے والے بیگ میں لیٹے ہی تھے کہ وکاس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ارون"

"ہاں"

"ارون کیا تم اس کے بارے میں کسی کو بتاؤ گے؟"

"نہیں" ارون نے سچائی سے کہا "ہرگز نہیں" وکاس بولا "اوہ تمہارا شکریہ!" میں سوچتا ہوں اگر کوئی مجھے چھیڑے یا مجھ پر ہنسے تو میں برداشت نہیں کر سکوں گا...." ارون بالکل خاموش تھا۔ وکاس نے اپنی بات سنجیدگی سے جاری رکھتے ہوئے کہا "میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم مجھے بے وقوف اور ڈرپوک سمجھ رہے ہوگے۔" "نہیں، میں نہیں سمجھتا" ارون نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

اس سے قبل تم کبھی مجھ جیسی ڈرپوک بلّی سے نہیں ملے ہوگے؟"

"اوہ اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا" ارون کے چہرے پر اندھیرے میں ایک خفیہ (چھپی ہوئی) سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ایک دفعہ میں کسی سے ملا تھا، بالکل تمہارے ہی جیسے سے۔ مگر یہ بہت پہلے کی بات ہے۔"

پرانے اسکول سے اس کی عقیدت

اس اسکول میں آج راجو کا پہلا دن تھا وہ رات بھر سو نہ سکا اور نہ ہی رات کو اس سے کھانا کھایا گیا۔ حیران۔ پریشان .....

اپنے اسکول کا وہ ایک ذہین لڑکا تھا۔ پانچ سال تک وہ اپنی جماعت میں ہمیشہ اوّل آتا رہا اسے کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس وجہ سے اس کی انگریزی اور ہندی بہت اچھی تھی۔ وہ معلومات عامہ پر بھی کتابیں پڑھتا تھا اس کی وجہ سے اسے سائنس اور ہسٹری میں بھی ترقی ہوتی رہی۔ اور جہاں تک حساب کا تعلق ہے اس کا تو وہ جادوگر تھا۔

اس سے قبل کہ استاد بورڈ پر سوال پورا لکھتے۔ وہ جواب کے لیے بے قرار ہو کر ہاتھ اٹھا دیتا تھا۔

پرانے اسکول میں اس کے بے شمار دوست تھے اور استاد بھی اسے بہت پسند کرتے تھے۔ وہ ہر ایک کو مسکرا کر خوش آمدید کہتا اور زندہ دلی سے "ہیلو" کرتا تھا۔ اگر کسی کو بھی کسی طرح کی پریشانی درپیش ہوتی، راجو سب سے پہلے بڑھ کر اس کی مدد کرتا پرانے اسکول میں کبھی بھی کسی نے اس کی معذوری کی طرف انگلی نہیں اٹھائی۔ اس کی ایک ٹانگ بہت کمزور اور پتلی تھی۔ اس کے گھٹنے بھی اتنے مضبوط نہ تھے کہ بہت دیر تک اس کے جسم کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ اسی وجہ سے وہ بہت تک کھڑا نہیں رہ سکتا تھا اور اسے کھیلوں کی بھی ممانعت تھی۔ راجو اپنے دوستوں کو بیٹھ کر کھیلتا ہوا دیکھا رہتا۔ اور جب بھی

اسکول کے میچ ہوتے وہ زور زور سے شاباشی دے کر ان کا دل بڑھاتا اور اگر کبھی اس کے دوست میچ ہارتے نظر آتے تو راجو اپنے فقروں سے ان کی ہمت بڑھاتا جس سے ان کی امیدیں بڑھتیں اور وہ نئے جوش و خروش اور ہمت سے کھیلتے۔

تمام رات راجو اپنے پرانے اسکول کے بارے میں سوچتا رہا اور دعا کرتا رہا کہ "اس کا نیا اسکول بھی پرانے کی طرح ہی اچھا ہو۔" راجو جانتا تھا کہ "اس کے اسکول سے اچھا تو کوئی اسکول ہو ہی نہیں سکتا چاہے وہ جنت میں ہی کیوں نہ ہو۔" کس طرح ہر ایک اس کے لیے رویا تھا۔ اس کے دوست، اس کے ٹیچر حد ہے کہ پرنسپل نے بھی اس کے والد سے درخواست کی تھی کہ راجو کو چھوڑ جائیں" مگر ان کی التجائیں سنی ان سنی ہو گئیں۔ اس کے والد کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کس طرح اکیلا چھوڑ کر جا سکتے تھے۔

راجو صبح جلدی بیدار ہو گیا اور جلدی سے اپنی نئی یونیفارم پہن کر آئینہ دیکھا اور سوچا یونیفارم تو اچھی ہے اسکول بھی اچھا ہی ہونا چاہیے۔ مگر وہ ناشتہ نہ کر سکا اس کے والدین سمجھ گئے اس وجہ سے اصرار نہیں کیا اس کے والد نے اپنی کار سے اسے اسکول کے پھاٹک تک چھوڑا اور مسکرا کر الوداع کہا۔

راجو آہستہ آہستہ چلا (کیوں کہ وہ تیز نہیں چل سکتا تھا) اور تھوڑا سا لنگڑا بھی رہا تھا۔ اس کی دوستانہ مسکراہٹ کے جواب میں کچھ لوگوں نے گھور کر دیکھا اور کچھ نے تو اس کی ٹانگ کی طرف اشارہ کر کے پھبتیاں بھی کسیں۔ اور ہنسی بھی اُڑائی۔ چند ہی منٹوں میں سارا کھیل کا میدان اسکول کے برآمدے سے' شوق سے دیکھنے والوں سے بھر گئے ہر ایک اس کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا یہاں تک کہ گزرتے ہوئے ٹیچر بھی اس طرح دیکھ رہے تھے کہ جانے کیا ہو گیا۔

جب پہلا گھنٹہ شروع ہوا ٹیچر نے راجو کو کلاس کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور جب اسے تعارف کروانے کو کہا تو اس نے بتایا کہ وہ گاؤں کے اسکول سے آیا ہے" ٹیچر اور طالب علموں نے اس سے تفریح لی اور انھوں

نے ہنسنا شروع کر دیا خوش مزاج راجو کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ اس نے صبر سے کام لیا اور سوچا کہ جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر پورے دن ہر پیریڈ میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ ہر دفعہ الگ الگ ٹیچر آتے تھے۔

اور وہ صبر کرتا رہا۔ کیا پرانے اسکول کے سلسلے میں وہ راجو کو شرمندہ کرنے میں کامیاب ہوئے؟

نہیں راجو مختلف تھا۔ وہ یہ ثابت کرنے پر جما ہوا تھا کہ گاؤں کا اسکول بھی اتنا ہی اچھا ہوتا ہے جتنا بڑے شہروں کا ہوتا ہے۔ شام کو راجو نے اپنے والدین کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ ان کے بہت پوچھنے پر بھی وہ صرف مسکرادیا کیوں کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

دوسرا دن اگلا دن بلکہ مہینہ بھی اسی طرح گزر گیا۔ وہ اپنا ہاتھ اونچا کرتا تب بھی کسی سوال کا جواب اس سے نہیں پوچھا جاتا تھا۔ اس کا کوئی دوست بھی نہیں بنا، تفریح کے وقفے میں بھی جب سب بچے کھیلنے چلے جاتے وہ کلاس میں ہی بیٹھا رہتا۔ اب تک پورے اسکول میں پھیل گیا تھا کہ راجو ایک گاؤں کا لڑکا ہے اور یہ کہ اسے اپنے گاؤں کے اسکول پر بہت فخر ہے......

مگر راجو نے ان حالات کو قابو کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا جب ٹیچر سوال پوچھتے تو اس نے ہاتھ اُٹھانا چھوڑ دیا کچھ دن میں ٹیچر ز اور طالب علموں نے اس کی طرف دھیان دینا ختم کر دیا۔ راجو جانتا تھا کہ ایک مہینے بعد سالانہ امتحان ہوں گے اس کے لیے وہ گھر میں سخت محنت کرتا رہا کیوں کہ اسے یہ ثابت کرنا تھا کہ اس کا گاؤں کا پرانا اسکول کوئی بے وقوفوں کی جنّت نہیں ہے۔

ہر ایک نے یہ پہلے سے فرض کر لیا تھا کہ راجو فیل ہو گا۔ جیسے جیسے وقت قریب آتا گیا ہر ایک پڑھائی میں مصروف ہو گیا مگر پھر بھی جب اسے پڑھتے دیکھتے اس کا مذاق اُڑاتے۔ وہ طنز کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ راجو اب بھی بہت صبر سے برداشت کرتا، خاموشی سے مسکرا کر اس نے اپنی پڑھائی جاری رکھی۔ سالانہ امتحان ایک ہفتہ میں ختم ہو گئے نتیجہ کا اعلان دو ہفتہ بعد ہونا تھا۔ اس لیے وہ اس وقفہ میں اپنے گاؤں چلا گیا۔ راجو نتیجہ سے ایک دن پہلے واپس آ گیا۔ دوسرے دن وہ بہت اعتماد کے ساتھ اپنے

والد کے ساتھ نتیجہ دیکھنے گیا۔ ایک بار پھر اپنی کلاس میں اس نے اوّل پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کے والد بہت خوش تھے مگر اسے اوّل آنے سے اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی اس بار اوّل آکر ہوئی تھی اس نے سکون کا سانس لیا اور محسوس کیا کہ اب اس نے اپنے پرانے اسکول کو صحیح اور سچا خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ٹوڈ کے پیار کے لیے

ڈیڈی نے جب یہ زبردست خبر سنائی تو ٹرین اور منّی بیتاب ہو گئے کہ آج وہ انھیں ایک کتے کا بچّہ دکھانے لے جا رہے ہیں اور شاید اسے لے بھی آئیں دونوں بچے بہت دن سے اپنے والدین سے ایک چھوٹا کتے کا بچّہ لانے کی ضد کر رہے تھے۔ اس موضوع پر کئی دنوں سے بحث چل رہی تھی اور دلیل دی جا رہی تھی ڈیڈی کو کتوں سے پیار تھا جب کہ ممّی جانوروں سے نفرت کرتی تھیں کیوں کہ وہ ان سے بہت خوفزدہ تھیں انھوں نے کتوں سے مقابلہ کا اپنا ایک تلخ تجربہ اُنھیں سُنایا۔ کیسے؟ جب وہ چھوٹی تھیں تو گلی کے ایک کتے نے جب وہ اسکول سے گھر آ رہی تھیں۔ ان کا تعاقب کیا اور کس طرح ان کی دوست کے تربیت یافتہ "پومیرین" کتے نے اس پر چھلانگ لگائی اور ٹانگ میں کاٹ لیا اور بھی کئی ایسے واقعے ہوئے۔ مگر بچّے نہیں مانتے تھے وہ گھر میں کتّے پالنے کے فوائد پر گھنٹوں دلیلیں دیتے رہتے۔

آخر ان کی ثابت قدمی نے ممّی کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور انھوں نے سوچا کہ ایک کھیل کا ساتھی چاہنے کی بچوں کی خواہش جائز ہے ایک کتے کا بچّہ پال کر وہ زندگی میں کچھ اچھی باتیں سیکھ لیں گے ان میں ذمہ داری، دوسروں کے ساتھ گزارہ کرنا، مل جل کر رہنا اور آپس کی محبت خود بخود سیکھ جائیں گے۔

اکثر بچّے ہر چیز کا اچھا ہی پہلو دیکھتے ہیں۔ وہ خوش نصیب، خوشیاں منانا، ہنسی مذاق۔ کھیل کود ہی زندگی سمجھتے ہیں۔ انھیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ ایک کتّے کو لاکر اسے سدھانا' طور طریقے سکھانا' بیمار ہو جائے، تو دیکھ بھال کرنا بھی ہوتا ہے۔ مگر ان سب باتوں سے ہٹ کر یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک کتّے کا بچّہ گھر میں ہو تو وہ گھر میں رہنا سیکھ لیتے ہیں۔ پھر اگر ایک کتا گھر میں ہو تو اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا اگر پورا خاندان چھٹیوں میں بھی کہیں جانا چاہے تو ایک نہ ایک کو ضرور رُکنا پڑے گا کیوں کہ کسی ریسٹورنٹ، ہوٹل، باغ پارک کہیں بھی کتّوں کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا گھر کے ایک فرد کو ضرور کتّے کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر رُکنا پڑتا ہے۔

ممّی ویسے ہی گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں گھر میں ایک کتا رکھ لیا جائے تو ان کا کام اور نہیں بڑھ جائے گا۔ انھی باتوں سے ممی پریشان تھیں مگر بچّوں کی خاطر انھیں سوچنا پڑا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ ایک چھوٹا کتا پال لیا جائے، جو گھر کے اندر رہے اس پر ڈیڈی بہت ہی حیران ہوئے۔ بارہ سال کے نرین نے ڈیڈی کی بہت خوشامد کی کہ کتّوں کے موضوع پر اسے کتابیں خرید دیں وہ اور آٹھ سال کی منّی اپنا تمام خالی وقت ان کتابوں کے پڑھنے پر ہی صرف کرنے لگے۔ ڈیڈی کو پتہ چلا کہ ایک جگہ ویلز کے "کورگی" نسل کے کتّے کے بچّے مل رہے ہیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ انھیں جاکر دیکھیں گے۔ جیسے ہی بچّوں نے یہ خوشخبری سنی۔ انھوں نے فوراً اپنی کتابیں پلٹیں اور ویلش (ویلز کے) کورگی نسل کے کتّے کے بارے میں پڑھا کہ یہ چھوٹے گھروں کے لیے بہت مناسب بچّوں کے اچھے دوست، کھیل تماشے کے شوقین اور بہت پھرتیلے ہوتے ہیں۔

رات کا کافی حصّہ انھوں نے اپنے کتّے کے نام کا فیصلہ کرنے میں صرف کیا۔ آخر "ٹوڈ" طے پایا کیوں کہ یہ لومڑی سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بچّوں کو "والٹ ڈزنی" کی کہانی "لومڑی اور شکاری کتا" کا ٹوڈ یاد آگیا۔

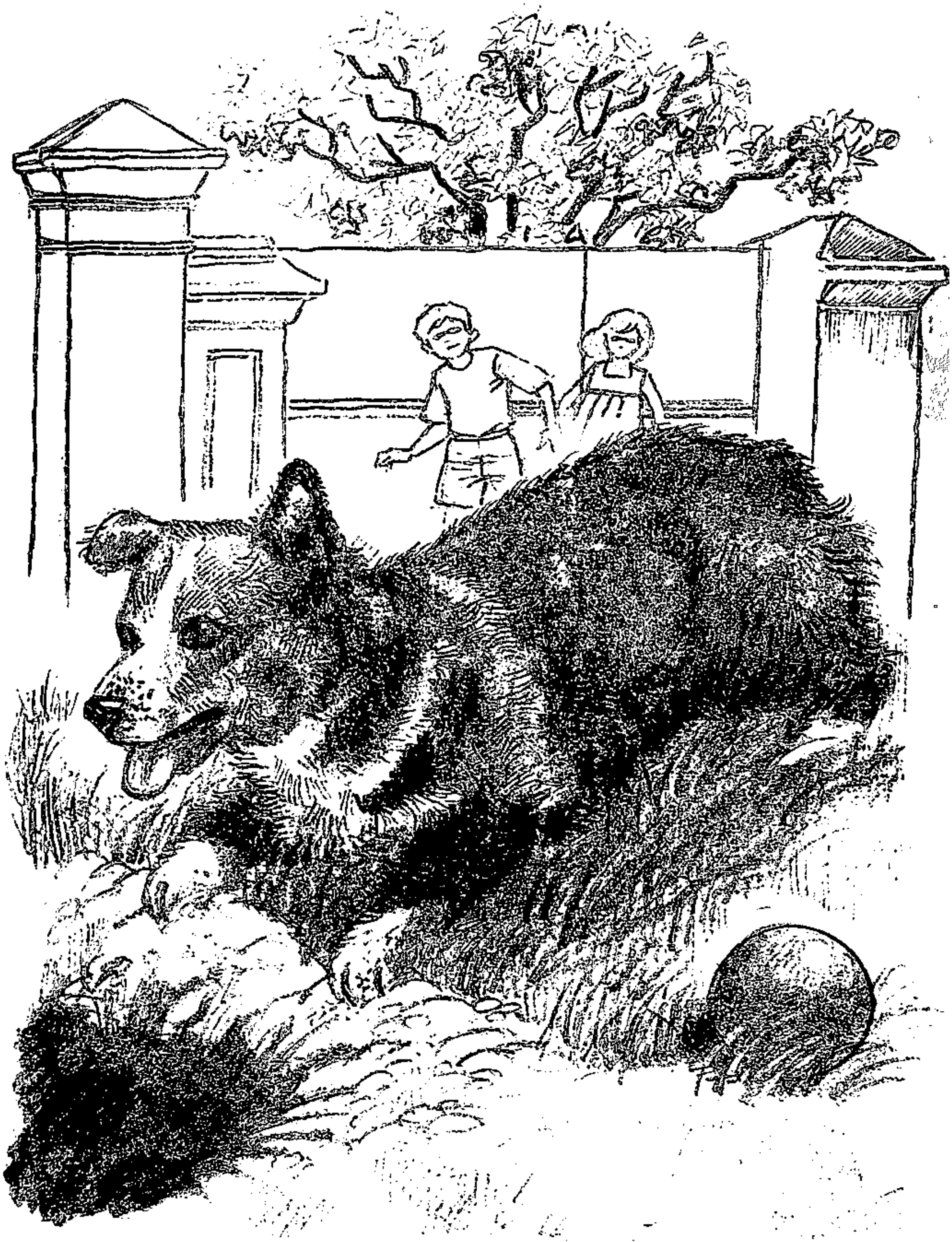

دوسرے دن بچّے 'ٹوڈ' کو ساتھ لے ہی آئے۔ وہ سات ہفتے کا تھا۔ نرم، نرم، جیتا جاگتا، اون کا بنڈل، لمبے لمبے کان، کالی چمکدار شریر آنکھیں اور ٹانگیں ایسی جیسے چھوٹے چھوٹے سفید موزے پہن رکھے ہوں۔

زرین نے کتّے کا بچّہ ممّی کے پیروں میں رکھ دیا۔ اور وہ سکڑ کر ممّی کی ساڑھی میں لپٹ گیا اور ممّی نے گھبرا کر اس کے سر پر مارا۔ ڈیڈی اور بچّے خوش ہو کر ممّی اور ٹوڈ کا تماشا دیکھ رہے تھے وہ دوڑ رہی تھیں اور ٹوڈ ان کے پیچھے تھا وہ جب ان کے قریب پہنچا تو ذری سی ممّی نے اپنی رفتار بڑھا دی وہ سوچ رہی تھیں کہ وہ ان کے پنجے میں کاٹ لے گا۔

بچّے تماشہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ کس طرح ممّی اور ساتھ لگے ہوئے تھے ممّی جو ہر وقت اپنا فرش بہت صاف ستھرا رکھتی تھیں اب ٹوڈ کو ٹائلیٹ کے اصول سکھا رہی تھیں وہ فرش پر اخبار پھیلا کر اسے سکھا رہی تھیں کہ انھیں کیسے استعمال کیا جائے گا اور آہستہ آہستہ وہ اخبار کھسکاتے باغیچہ تک لے گئیں اور ٹوڈ کو سکھا دیا کہ ضرورت کے وقت اسے باہر جانا ہے۔

منّی اور ممّی نے مل کر اسے کھانے کا سلیقہ بھی سکھا دیا۔ ڈیڈی، ٹوڈ کے لیے ایک تھیلا آنتوں کے خشک کھانے کی گولیوں کا بھی لے آئے مگر ٹوڈ کھانے کے بجائے اس سے کھیلنے لگا منّی نے ایک ترکیب کی وہ گولیاں اچھالتی اور ٹوڈ ایک ایک کر کے کھیل کھیل میں منہ سے پکڑتا اور منہ میں لے کر وہ اسے کٹر۔ کٹر اور کچر۔ کچر کر کے چبالیتا کیوں کہ ٹوڈ کھیل پسند تھا ممّی وہ گولیاں گھر کے کونوں، سیڑھیوں اور فرش پر ڈال دیتیں۔ ٹوڈ اُنھیں جاسوسی سے اس طرح سونگھتا جیسے کہ کوئی پوشیدہ خزانہ تلاش کر رہا ہو اور جب انھیں ڈھونڈ لیتا تو کھا جاتا۔

ٹوڈ جیوں جیوں بڑا ہو رہا تھا خوبصورت، کھلنڈرا اور اسمارٹ ہوتا جا رہا تھا۔ شام کو وہ زرین اور منّی کے

اسکول سے لوٹنے کا انتظار کرنا سیکھ گیا تھا جیسے ہی گلی میں اسکول بس کی آواز آتی اس کے کان کھڑے ہو جاتے اور وہ دوڑ کر ان کے لیے باہری دروازہ پر پہنچ جاتا۔ وہ ربڑ کی گیند سے کھیلنے کا دیوانہ تھا۔ اتنا کہ ان کی نانی جو کچھ دن کے لیے ان کے گھر آئی تھیں مذاق میں کہتی تھیں کہ ٹوڈ شاید منہ میں گیند لے کر پیدا ہوا ہوگا۔

نرین منّی اور ڈیڈی ہر صبح ٹوڈ کو گھمانے لے جاتے، ٹوڈ کا پٹہ پکڑ کر دوڑنا، اور آہستہ آہستہ چلنا ان کے لیے لطف کا باعث تھے ایک دفعہ ٹوڈ نے لوٹ کر ان کے پیروں پر ناک رگڑ کے اس کا اظہار کیا کہ وہ کتنا لطف اندوز ہو رہا ہے ٹوڈ ایک کتے کے بچّے کی حیثیت سے باغ میں جا کر مٹی سے کھیلنا بھی بہت پسند کرتا تھا۔ اور جب بھی اسے موقعہ ملتا خالی چھوڑ دیا جاتا تو وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ باغ میں گڑھے کھود ڈالتا اور اس طرح اس نے بچّوں کی طرح مٹی کھانا شروع کر دی جس سے وہ رات تک بیمار ہو گیا۔

ڈیڈی اپنے دورہ پر باہر گئے ہوئے تھے۔ ممّی اور بچّوں کو اپنے طور پر حالات پر قابو پانا تھا۔ ممّی نے ٹوڈ کو وہ دوائیں دیں جو جانوروں کے ڈاکٹر سے نرین نے ٹیلی فون پر پوچھی تھیں مگر ٹوڈ بُری طرح بیمار ہو گیا اور وہ سب بہت پریشان تھے، ممّی نے نرین اور منّی سے آرام کرنے کو کہا اور وہ نگرانی کر رہی تھیں مگر بچّے بھی پوری رات سو نہ سکے وہ اپنی ممّی کا آرام چاہتے تھے ٹوڈ رحم بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صبح ڈاکٹر آیا اور اس نے کچھ انجکشن دیئے تب ٹوڈ ٹھیک ہوا اس کی بیماری سے جو اُنھیں تجربہ ہوا اس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔

ممّی کو احساس ہوا کہ انھیں ٹوڈ سے کتنی محبّت ہو گئی ہے اور اتنے عرصے سے جو ان کے دل میں جانوروں کے لیے جو نفرت اور ڈر تھا وہ بھی غائب ہو چکا ہے سردیوں کی راتوں میں وہ دیکھتیں کہ ٹوڈ

اپنے گدّے پر سو رہا ہے جو انھوں نے خوبصورتی سے ایک چادر کا بنایا ہے۔ زرین اور منّی کبھی کبھی یہ سوچ کر پریشان ہو جاتے کہ ٹوڈ جو ہمارے لیے آیا تھا ہمارے کمرے میں نہیں رہتا بلکہ اس نے ہمارے والدین کے پلنگ کے نیچے سونا پسند کیا ہے۔ مگر وہ اتنے سمجھدار بچّے تھے کہ سمجھ گئے۔ کچھ ہی دنوں میں ٹوڈ اور ممّی کا ایک دوسرے سے لگاؤ بہت بڑھ گیا۔ رات کو وہ سب جب کھانے کی میز پر بیٹھتے تو ٹوڈ اپنے لیے ممّی کے پاؤں کے پاس ان کے پیر کا تکیہ بنا کر لیٹنے کی جگہ چنتا تھا۔ جب ممّی اپنی پسندیدہ میوزک سنتیں تو ٹوڈ اسپیکر کے سامنے کھڑا ہو جاتا اس نے ان کے ساتھ سننا سیکھ لیا تھا۔ ہر طرح کے میوزک اور آرکسٹرا پر وہ اپنے کان الگ الگ طرح کھڑا کرتا جس سے لگتا تھا وہ سُن رہا ہے۔ اگر ان کے سر میں درد ہوتا اور وہ آرام کرتیں تو وہ نہایت آہستہ آہستہ چلتا تھا اور ان کے بستر کے قریب ہی رہتا منّی اسے ممّی کی دم کہتی تھی اور ممّی اس پر ایسے فخر کرتی جیسے وہ ان کا گود لیا بچّہ ہو۔

دادی، نانی، ماں سمیت سارا گھر اس کا گرویدہ تھا۔ انھوں نے چھٹیوں میں ایسی جگہ جانے کا فیصلہ کیا جہاں ان کا ٹوڈ بھی ساتھ جا سکے اسے بھی خوش آمدید کہا جائے اور وہ خود کو اس خاندان کا ایک فرد سمجھ سکے وہ ان کی زبان بھی سمجھنے لگا۔ جیسے ممّی جب کہتیں اس کی گیند زرین کے پلنگ کے نیچے ہے تو وہ اسے پکڑنے کے لیے دوڑ جاتا اور جب وہ بچّوں سے کہتیں کہ وہ کچھ اناج اور سبزی لینے جا رہی ہیں تو ٹوڈ دروازہ پر ان کا انتظار کرتا جیسے وہ ان کے ساتھ باہر گیا ہو۔

ٹوڈ اس خاندان کو خوش کرنے کے لیے گھنٹوں اُنھیں خوشیاں دیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے مناسب تربیت دینے کے لیے کافی محنت کرنی پڑی تھی مگر وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ جتنا پیار اور لگاوٹ ان کو دی تھی۔

سامنے کے برآمدے میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ مّنی ربڑ کی گیند پھینک رہی تھی اور نزین کے ہاتھ میں بلا تھا ٹوڈ ہلکے ہلکے بھونک کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فیلڈنگ کر رہا تھا تھوڑی دیر میں جا کر وہ ممّی کو بھی پکڑ لاتا جو سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں ڈیڈی باغیچہ میں فالتو بیلوں کی چھنٹائی کر رہے تھے۔ بچوں نے چلّا کر انھیں کچھ دیر کے لیے بلایا انھوں نے ممّی سے پوچھا کہ "کتّوں اور ان کے بچّوں کی طرف سے تمھارے خیالات کیسے بدلے۔"

انھوں نے جواب دیا "ٹوڈ" اور اس کے سر پر ایک نرم سا پیار کیا ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے ...... پیار کے آنسو۔

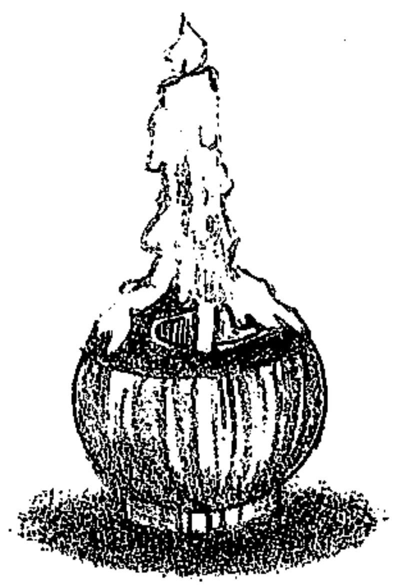

”ایک باغ نانی کے لیے“

سنجیو باغ کی طرف دوڑا تو اس کے پتا جی نے پوچھا ”تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم کچھ ہی منٹوں میں جانے والے ہیں۔“

سنجیو نے جواب دیا ”میں نانی ماں کے لیے کچھ پھول لینے جا رہا ہوں۔“

”ٹیکسی آئے گی تو تمھیں سامان اُٹھوانے میں میری مدد کرنی ہوگی“ وٹھل نے کہا مگر ان کا بیٹا تو سُنے بغیر ہی بھاگ گیا۔

سنجیو اپنے باغ کے پسندیدہ حصّہ کی پگڈنڈی پر بھاگ رہا تھا۔ وہ اس کا اپنا ایک خاص گوشہ تھا۔ تین سال قبل جب اس کی نانی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ تو انھوں نے سنجیو کو اُبھارا تھا کہ اپنا الگ ایک باغ بنائے۔

ہر شام جب سنجیو اپنا اسکول کا کام ختم کر لیتا تھا تو وہ اور اس کی نانی آم کے پیڑ کے سائے میں بیٹھ جاتے نانی ایک پتھر پر بیٹھ کر ہاتھ میں پکڑی لکڑی سے اپنے مشورہ کے ساتھ ساتھ زمین پر لکیریں کھینچتی جاتیں اور جب تین چار مشوروں کے خاکے بن جاتے تو چشمہ کے پیچھے سے ان کی آنکھیں چلنے لگتیں اور مسکرا کر کہتیں ”بیٹا تمھیں کون سا منصوبہ پسند ہے؟“ اور وہ سب سے آسان کی طرف اشارہ کر دیتا۔

اس طرح آم کے پیڑ سے کچھ فاصلے پر ان کے باغ نے ایک شکل اختیار کر لی۔ جہاں پھولوں کی کیاریاں

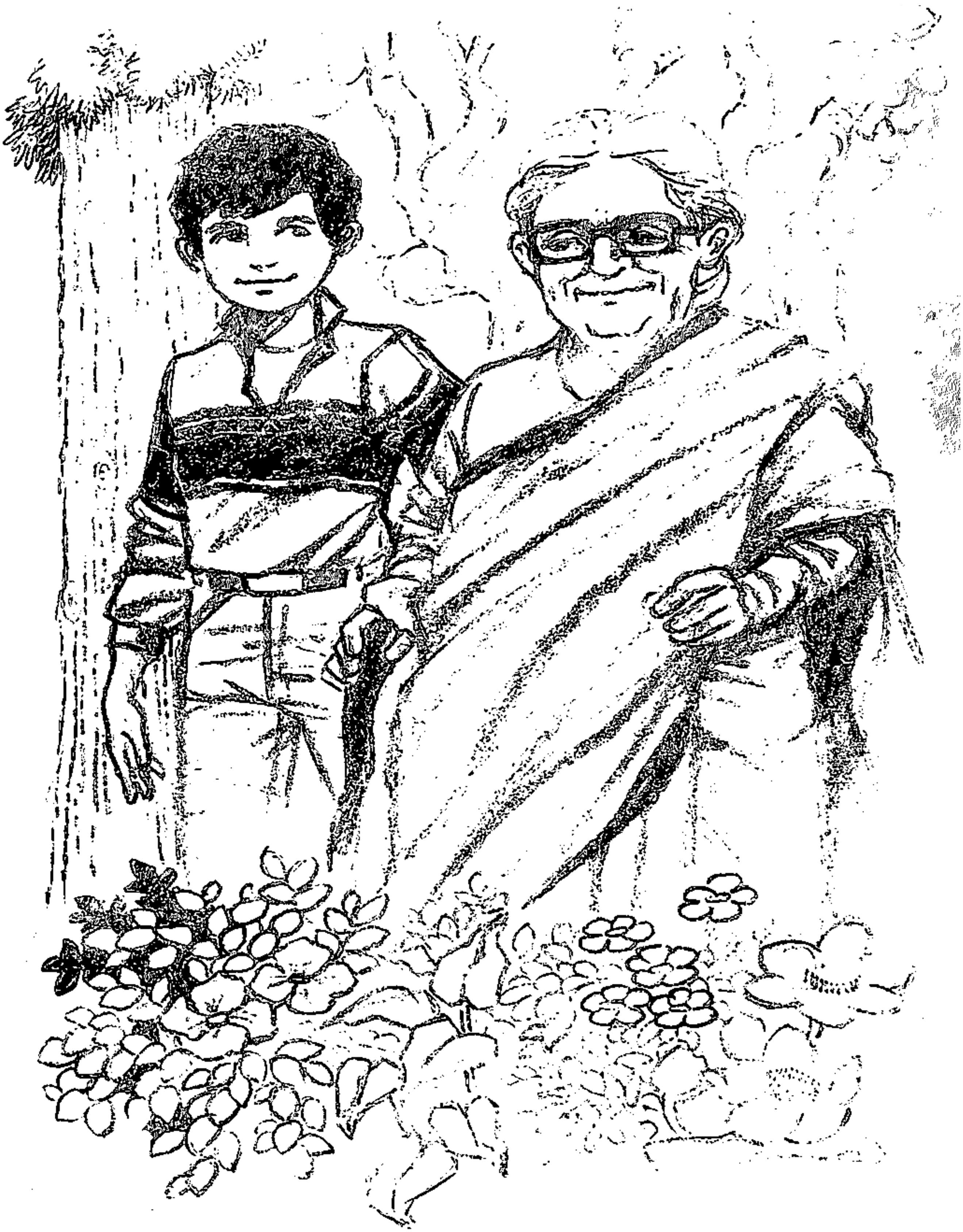

اور ایک ٹکڑا گھاس کا تھا جس کے درمیان میں ایک چھوٹی سی چٹان جو سنجیو نے پتھروں اور سے بنایا تھا جو اس نے جمع کر رکھے تھے۔ اور ان کے درمیان گیلکس لگایا۔

اس دن اس کی اور نانی کی خوشیوں کا ٹھکانا نہ تھا جب پہلے پودے میں ہری ہری پتیاں پھوٹیں "وہ اُگ رہے ہیں۔ پھوٹ آئے ہیں۔" تو وہ بجائے بس اسٹاپ کے الٹا اندر بھاگا "نانی جلدی آیئے میرے پودے دیکھیے وہ پھوٹ آئے ہیں۔"

نانی اپنے کمزور اعضا کے ساتھ جتنی جلدی چل سکتی تھیں باہر آئیں اور اپنی خصوصی مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا اور ہنسی کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ اس کے بعد جب بھی سنجیو نانی کے بارے میں سوچتا ان کی چشمہ کے پیچھے سے جھانکتی وہی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آتیں۔

وہ فوراً اپنے پسندیدہ پھولوں شاندار پیلے "گلیڈ لولی" کی طرف دوڑا جو تین گملوں میں لگے ہوئے تھے جس دن وہ سیما خالہ کہ گھر جبل پور جارہی تھیں تو انھوں نے اسے ایک دن پہلے بلب کی شکل کے بیج دیے تھے۔ اور کہا تھا "سنجیو، یہ پھول ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں۔ یہ اپنی قسم کا ایک پودا ہے اس کی ڈنڈیاں صاف اور سیدھی ہوتی ہیں۔ سنجیو انھیں کسی ایک کیاری کے پیچھے لگا دینا تو وہ پیارے سے پہرے دار لگیں گے جیسے "فلوکس" کی چوکیداری کر رہے ہیں۔"

تب انھوں نے بتایا "میں بھول گئی یہ کس رنگ کے ہیں مگر جب یہ کھلیں تو تم مجھے لکھنا اور بتانا۔ لکھو گے نا......؟

سنجیو نے وعدہ کیا "ہاں نانی میں لکھوں گا" انھوں نے اس کا سر سہلا کر پیار کیا اور آہستہ سے کار میں بیٹھ کر آخری بار ہاتھ ہلایا۔

سنجیو نے اپنی آنکھیں پونچھیں اور چاہا کہ نانی کی کار کی طرف دوڑے اور چلا کر کہے "نانی میں آپ سے پیار کرتا ہوں کچھ دن اور ٹھہریں" مگر اسی وقت دیوار کے پیچھے سے اس کا دوست مادھو جھانکا اور اسے

بلایا۔ اب تم مالی ہی بنے رہو گے یا اس کے بدلے ٹینس کھیلو گے؟" سنجیو نے جلدی سے پھولوں کے بلب پاس پڑے کچھ گملوں میں لگائے اور کھیلنے چلا گیا۔ نانی کے جانے کے بعد اس کی دلچسپی باغ میں برائے نام رہ گئی۔ پھول اور کروٹن ساتھ ساتھ لگادیے۔ اسے گملوں میں پانی دینا اور گھاس کی کٹائی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ چٹان پر پتھروں اور سیپیوں کے درمیان گھاس اُگ آئی اور کیکٹس تو ایک گچھا سا بن کر رہ گئے۔

اسکول سے دن بھر کی تھکان کے بعد باغ میں صفائی اور دیکھ بھال جو اس کے آرام کا باعث تھے، نانی کے جانے کے بعد کچھ ہی مہینوں میں باغ کی صفائی اور ستھرائی ہی ختم ہو گئی۔ اس کے پتاجی نے ایک بڑا سا پتھر نانی کے باغ کے پاس رکھوادیا تھا اس پر بیٹھ کر وہ باغ کے بارے میں بتاتے۔ اپنی دن بھر کی باتیں سناتے۔ مادھو کے ساتھ شوخیاں، مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔ وہ سیما خالہ کے ساتھ ہیں، اس کے خالہ زاد بھائی روہت اور سپریہ سے پھولوں کی باتیں کر رہی ہوں گی۔

اس رات اس کی ممّی نے نانی کے خط کے بارے میں بتایا اور کہا "وہ تمھاری کمی بہت محسوس کرتی ہیں سنجیو! اور گلیڈ ولی، کے بارے میں پوچھا ہے۔"

ماں "انھیں بتا دینا کہ وہ پیلے رنگ کے ہیں" کیوں کہ وہ یہی جاننا چاہتی تھیں۔

اس کی ممّی ہنسیں اور کہا "سنجیو تم اب تیرہ سال کے ہو گئے ہو اب کافی بڑے ہو گئے ہو اور خود ہی نانی کو لکھ سکتے ہو۔"

شام کو جیسے ہی سنجیو نانی کے گوشہ کی طرف سے گزرا اس کے دل سے ایک ٹیس سی اُٹھی اور شرمندگی سے سوچا نانی کو لکھنے سے قبل مجھے اس کی صفائی کر لینی چاہیے۔

لیکن کچھ دن بعد وہ اپنے دوستوں کے ساتھ قدرتی کیمپ میں چلا گیا۔ جہاں چڑیوں کا معائنہ پہاڑوں پر چڑھنا اور دوسرے مشاغل اور تفریحات تھیں اس نے زیادہ سے زیادہ وقت دوسروں کے ساتھ گزارا اور خود کو بھولا رہا۔

اس نے نہ تو باغ ہی صاف کیا نہ نانی کو خط لکھا۔ اب اچانک اسے نانی سے ملنے کا موقعہ ملا تو اُسے یاد آیا نانی کو پیلے گلیڈ ولی دکھائے گا۔ تو وہ مجھے خط نہ لکھنے پر معاف کر دیں گی۔ اور شاید باغ کے اس گوشہ کی صفائی کے بارے میں بھی در گزر کر دیں اور جب وہ پھول دیکھیں گی تو بہت خوش ہوں گی؟

جلدی سے سنجیو نے سب سے چھوٹا گملا اُٹھایا۔ اور گھر کی طرف دوڑ گیا۔

دروازہ پر ٹیکسی کھڑی تھی اور اس کے پتاجی پہلے ہی سب سامان لے جا رہے تھے اس وجہ سے انھوں نے کوئی توجہ نہ دی کہ سنجیو نے سامان میں کیا رکھا۔ اس کی ممّی پہلے ہی جا چکی تھیں کیوں کہ نانی بیمار تھیں اور سیما خالہ کو ان کے تعاون کی ضرورت تھی۔

جب وہ جبل پور میں پہنچے تو انھیں اُتروانے کوئی بھی نہیں آیا۔ سنجیو بہت مایوس ہوا۔ سیما آنٹی کے گھر ٹیکسی سے اُتر کر سنجیو نے چھلانگ لگائی۔ اس کے ہاتھ میں ابھی تک پھولوں کا گملا تھا وہ سیدھا سامنے کے دروازہ پر جا کر چلایا "نانی..... نانی دیکھو میں تمھارے لیے کیا لایا ہوں۔" تبھی اسے پیروں کی چاپ سنائی دی اور کوئی دروازے پر آیا۔

یہ اس کی ممّی تھیں انھوں نے جب اسے گلیڈ ولی کا گملا اٹھائے دیکھا تو مسکرانے کی کوشش کی مگر اس کے بدلے ان کے آنسو بہہ بہہ کر گالوں تک آ پہنچے اور انھوں نے اپنے بچّے کے لیے بازو کھول دیے۔ انھوں نے نرمی سے کہا "بیٹا وہ چلی گئیں۔"

سنجیو یقین نہ کر سکا کہ اس کی ممّی کیا کہہ رہی ہیں۔ "نانی..... نانی..... چلی گئیں۔"

مگر وہ تو گلیڈ ولی کا رنگ جاننا چاہتی تھیں میں پونا سے ان کے لیے یہ گملا لایا ہوں" اس نے پریشانی سے کہا "انھیں یہ دیکھنا پڑے گا۔"

اس کی ممّی نے کہا "سنجیو وہ سمجھ جائیں گی وہ ہمیشہ سے جانتی تھیں۔"

شرمندگی کی ایک لہر سی سنجیو کے دل میں دوڑ گئی وہ اس باغ کی دیکھ بھال نہ کر سکا جو نانی نے اور اس نے مل کر لگایا تھا۔ اس نے انھیں خط لکھ کر یہ بھی نہیں بتایا کہ ان کے پسندیدہ پھول کھلے بھی یا نہیں۔؟

اور اب بہت دیر ہو چکی ہے۔۔۔۔۔۔بہت دیر۔

آہستہ سے وہ مڑا اور سردیوں کی دھوپ میں باہر نکلا۔ اس نے پیڑ کے نیچے ایک باغیچہ دیکھا تو وہ خیالات مین ڈوب گیا۔ وہ خلا میں گھور رہا تھا۔ کہ اسے کچھ سکون کا احساس ہوا اور ایسا لگا جیسے اس کے کندھے پر کسی کی گرمی ہے اور ایک مسکراہٹ کے گرد منڈلا رہی ہے اس نے اوپر دیکھا جیسے نانی اسے دیکھ رہی ہیں اور ان کی آنکھوں میں وہی چمک ہے۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

تب اس کی گھورتی ہوئی آنکھیں باغ کے ایک گوشہ پر جا کر ٹھہریں جہاں سلیقہ اور صفائی سے کیاریاں اور اندر کی ایک راستہ تھا اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ نمونہ نانی کا ہی ہے جو اس نے اور نانی نے مل کر یونا میں بنایا تھا مگر یہ ادھورا تھا کیوں کہ روہت اور سپریہ کے ساتھ مل کر پورا کرنے سے پہلے ہی نانی نہ رہ سکیں۔ مگر اب ان کے ساتھ مل کر وہ اسے پورا کرے گا۔ اسے وہ ہر ایک قدم معلوم تھا جو نانی کو لینا تھا۔

یہ فیصلہ کر کے سنجیو اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے عزم کے ساتھ ایک قرارداد پاس کی۔ ''ہم آپ کے لیے یہاں ایک باغ بنائیں گے نانی اور زور سے بولا جب ہی واپس پونا جاؤں گا جو اس جگہ کی طرف سے کبھی غفلت نہیں برتوں گا جہاں میں نے اور آپ نے لطف لیا ہے۔''

وہ جھکا اور پیلی گلیڈ ولی کا گملا اس جگہ رکھ دیا جہاں شاید وہ رکھنا چاہتیں۔ پھر وہ مڑا اور اپنے والدین، اور خالہ زاد کی اولاد کے درمیان پہنچ گیا اسے لگا جیسے نانی ان کے درمیان ہیں اور اسے اپنی غفلت کی تلافی کرنے کا موقعہ ملا ہے۔

❑ ❑ ❑ ❑

تعریف کے لیے الفاظ نہیں

"کیا ہم رات کے جشن کے لیے اسے بلا سکتے ہیں۔" شالنی نے تیوری چڑھا کر کہا۔

ٹینا بولی "ہم اسے چھوڑ بھی کیسے سکتے ہیں؟ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟" اس نے ریوڑی اور پوپ کارن کے بڑے پیکٹ دیکھتے ہوئے کہا جو وہ لوہڑی کا جشن منانے کے لیے لائی تھیں۔

منی نے کہا وہ سب برباد کر دے گی "اپنی ہی بڑ بڑ کیے جائے گی کہ وہ سیماپور میں کیا حیرت انگیز جشن مناتی تھی اور وہ وہاں ان کے درمیان ملکہ بن کر رہتی تھی۔

آشا نے لقمہ دیا "اسے پتا ہی نہیں چلتا کہ کب ٹھہرنا ہے اور ہے بھی اس قدر موٹی کھال کی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم اُس کے بڑے بولوں سے کتنے عاجز ہیں۔"

شالنی نے پھر کہا "باوجود ان سب باتوں کے کیا اسے چھوڑنے کا تمھارے پاس کوئی بہانہ ہے۔" میرا خیال ہے نہیں کیوں کہ ہمارے والدین کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دیں گے۔"

یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اتنے اچھے نئے ڈاکٹر کی اکلوتی بیٹی کو جشن کے موقعہ پر نظر انداز کر دیا جائے۔

"میں جانتی ہوں" ٹینا نے منہ پُھلا کر کہا " کاش اس کے والدین اتنے اچھے اور ہر موقع پر مدد کرنے والے نہ ہوتے "اسی وجہ سے یہ دشوار ہو گیا ہے۔

"ہمیں تھوڑی سی سرد مہری دکھا کر اسے نظر انداز کرنا چاہیے" آشا نے صلاح دی۔ "ہمیں جو کرنا ہے بڑی خوبی اور نرمی سے کرنا ہے۔"

منی چلائی "اسے نظر انداز کیا جائے؟" اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا؟ ہم سُنیں یا نہ سُنیں وہ اپنی ہی کہے جائے گی۔"

"دھماکا" میری تو خواہش ہے وہ وہیں اپنے سیماپور میں ہی رہتی۔"

شالنی نے کہا "چاہتی تو میں بھی یہی ہوں۔ مگر لڑکے اس کی پروا نہیں کرتے وہ اسے کچھ "غیر معمولی" سمجھتے ہیں وہ چاہے جتنا بولے۔

آشا نے نخوت سے کہا "لڑکوں میں کچھ سمجھ بوجھ نہیں ہوتی۔"

مہتہ اس علاقہ میں نئے نئے آئے تھے ڈاکٹر مہتہ ایک ذاتی ہسپتال میں کام کرتے تھے اور شام کو اپنے کمرے میں ہی مریض دیکھا کرتے تھے اور مسز مہتہ وائی۔ ڈبلو۔ سی۔ اے (عورتوں کی ایک انجمن) میں پھولوں کی سجاوٹ سکھاتی تھیں۔ نمرتا ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ نمرتا بالکل بھی اپنے نام کی مانند نہیں تھی وہ ہر وقت اپنا ہی راگ الاپتی رہتی اپنی صلاحیتوں کی تعریفیں وہ بغیر تھکے بے شری سے کیے جاتی۔ اسے اس کی بھی پرواہ نہ تھی کہ دوسرے اسے سراہتے ہیں یا نہیں؟۔

لیبر نم انکلیو کی عورتیں ہر مہینے ایک رات کھانے کا انتظام کرتی تھیں۔ جس میں ہر ایک اپنے گھر سے کچھ نہ کچھ پکا کر لاتی تھی۔ اس میں سبھی کے شوہر اور بچّوں کو بھی مدعو کیا جاتا تھا یہ ایک بڑے اور دلکش ہال میں ہوتا تھا جس میں لان اور باغ بھی تھا۔ مہتہ خاندان کو بھی اس میں مدعو کیا گیا تاکہ ان کی سب سے ملاقات ہو جائے اور جب لڑکیاں نمرتا سے ملیں تو ان کے تاثرات کچھ اچھے نہ تھے۔

شالنی نے کہا "کیا مغرور اور اکتا دینے والی لڑکی ہے۔" ٹینا نے کہا "کس قدر خود نمائی ہے اس میں۔!

منی بولی "وہ صرف اپنی ہی اپنی کہے جاتی ہے۔"

آشا اور رادِتی ایک ساتھ بولیں "اس کی بدقسمتی کے ہمارے درمیان آئی۔"

لیبر نم انکلیو میں ہمیشہ ہر تہوار منایا جاتا تھا۔ یہ مل بیٹھنے کا ایک اچھا بہانہ تھا وہ چاہے نیا سال ہو، دیوالی، ہولی، دُرگا پوجا، پونگل، اونم، گورپورو، عیدیا کوئی اور تیوہار سب مل کر مناتے تھے۔ جب مائیں اپنے کھانوں کی فہرست بنانے میں مشغول ہوئیں تو لڑکیاں اپنی تفریح کا انتظام کر لیتی تھیں۔ لوہڑی کے

لیے انھوں نے منصوبہ بنایا کہ جشن کے لیے لکڑیوں کا الاؤ لگایا جائے گا۔
جس کے گرد بیٹھ کر ریوڑی، گزک، مونگ پھلی اور پوپ کارن وغیرہ کھائے جائیں گے اور اس کے لیے لان میں زبردست آگ کا الاؤ لگایا گیا۔ اور اکثر شام کو زیادہ خوشگوار بنانے کے لیے ناچ اور گانے کا بھی فوری طور پر اچانک اعلان ہو جاتا۔

یاد کرو پچھلی دفعہ راجیش۔ اڈت اور ساتھیوں نے کتنا عمدہ بھنگڑا پیش کیا تھا ادتی نے یاد دلایا۔"

وہ واقعی بہت اچھے تھے۔

ٹینا نے کہا "سنیل کی گٹار بھی بہت اچھی تھی۔"

"امید ہے لڑکے اس سال بھی کچھ اچھے اور مزیدار خواب دیکھ رہے ہوں گے۔"

آشا نے کہا "مجھے امید ہے کہ پیاری نمرتا بھی اپنی کچھ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے گی، کیا تم جانتی ہو کہ وہ کچھ گانا بجانا جانتی ہے۔" "ہاں یقیناً" ہنی نے اپنی روٹھی روٹھی آواز میں کہا۔

نمرتا لوہڑی کے جشن میں شرکت کے لیے اپنی چست جیکٹ اور کالی جینز پہن کر آئی۔ اس کے کندھے پر ایک گٹار لٹک رہا تھا۔ اس نے سنیل کی طرف دیکھا وہ بھی اپنا گٹار لایا تھا۔ اس نے اس سے پوچھا "کیا تم گٹار بجاؤ گے" اور اس کا جواب سنے بغیر کہنے لگی "مجھے یقین ہے ہم دونوں مل کر بجائیں۔"
سنیل غرایا وہ دوسرے لڑکوں کی طرح نمرتا کو خاص پسند نہیں کرتا تھا۔

نمرتا مڑی اور آگ کے الاؤ کی طرف دیکھ کر بولی "اوہ کیا چھوٹے چھوٹے انار ہیں ہمارے سیمارپور ...... سب نے مل کر بولنا شروع کر دیا کسی نے نمرتا کی بات نہ سنی۔ اور کچھ لڑکے ایک میوزک سسٹم اٹھا لائے وہ آگ کے چاروں طرف بھنگڑا کر رہے تھے۔

راجیش نے لڑکیوں سے کہا "ہمارا ساتھ دو گی؟" نمرتا فوراً ان کے ساتھ شامل ہو گئی اور بہت خوشی سے لڑکوں کے ساتھ ناچنے لگی۔

اُدت نے کہا "نمرتا تم ایک کھلاڑی ہو" "تمھارے قدم بہت ہلکے پڑ رہے ہیں۔"

آشا نے دبی زبان میں کہا 'اوہ کچھ مدد کر دو۔" وہ اور شیخی مارے گی۔

نمرتا نے لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا اور ڈانس ختم ہونے کے بعد وہ لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر گزک اور پوپ کارن کھانے لگی۔ اس نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "پوپ کارن سخت ہیں" لگتا ہے یہ ٹھیک سے بھونتے ہوئے ہلائے جلائے نہیں گئے ہیں، یا پھر یہ گھٹیا قسم کے مکا کے دانے ہیں۔ جب میں سیما پور میں لوہڑی کا تہوار مناتی تھی تو بازار سے بہترین قسم کے پوپ کارن لاتی تھی اور سب کہتے تھے ......"سنیل آؤ اور ہمیں کچھ میوزک سناؤ" راجیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں چلو اُٹھو" نمرتا تیزی سے اٹھی اور بولی "آؤ ہم سریلے نغمے بجائیں؟ تم کیا کیا جانتے ہو۔"

شالنی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "اب وہ جائے گی۔"

ٹینا نے کہا "سنیل دو ایک سُر نکالے گا۔"

سنیل سستی سے کھڑا ہوا اتنے میں نمرتا نے گٹار بجانا بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ بالکل صحیح بجا رہی تھی اور اسے پکڑ بھی ٹھیک ڈھنگ سے رکھا تھا۔

"بے شک یہ مجھے قدرتی طور سے آگیا اور نمرتا نے سنیل پر ایک نظر ڈالی۔ "شہر میں میرے ماسٹر بہترین تھے۔"

آگ کے شعلے خوشی سے بھڑک رہے تھے۔ سبھی اسی وقت تک چیزیں کھاتے رہے جب تک ان کا پیٹ نہیں بھر گیا۔ اوِتی کے چھوٹے بھائی اور بہن پنکی اور سونو تالی بجا بجا کر پوپ کارن آگ میں ڈال رہے تھے۔ ٹینا کا چھوٹا بھائی چھوٹو آگ کا نظارہ قریب سے دیکھنے کے لیے اس کے کندھے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹینا نے کہا مت چڑھو اور اسے دھکیلنا چاہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو آگ میں گر پڑو گے۔

کسی نے چیخ ماری۔ چھوٹو کا توازن بگڑ گیا اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں گر پڑا۔ چاروں طرف سے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں ٹینا نے اِس کی طرف بھاگنے کی کوشش کی اور چاہا کہ اسے آگ سے باہر کھینچ لے مگر ایسا لگا جیسے اس کے پاؤں پتھر ہو گئے اور ایک پتّے کی طرح کانپنے لگی۔

لیکن کوئی اور چھوٹو تک پہنچ گیا۔ نمرتا نے چھلانگ لگا دی۔

اور اس کے قریب پہنچ کر اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس نے باہر چھلانگ لگائی اور منہ کے بل گر پڑی اس کے کپڑوں میں بھی آگ لگ چکی تھی وہ چھوٹو کو پکڑے ہی پکڑے گھاس پر لوٹنے لگی اور ننگے ہی ہاتھوں سے اپنے آگ بھڑکتے کپڑوں کو بھی بجھاتی جاتی تھی۔ اب سبھی بڑے لوگ بھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔

ڈاکٹر مہتہ نے ابتدائی امدادی بکس کی آواز لگائی مسز مہتہ گھر بھاگیں تا کہ ان کا ڈاکٹری کا سامان لاسکیں آدھی عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں اور باقی مسٹر مہتہ سے پوچھ رہی تھیں وہ کچھ کر سکتے ہیں کوئی چیز چاہیے۔ زیادہ تر لڑکیاں آنسو بہا رہی تھیں لڑکے خود کو الزام دے رہے تھے۔ کہ انھوں نے بچوں کا دھیان کیوں نہیں رکھا۔

چھوٹو کے زخم معمولی تھے مگر نمرتا کے بازو اور کمر بُری طرح جل گئے تھے۔ مسٹر مہتہ نے صاف آواز میں کہا" یہ کچھ دن میں بھر جائیں گے۔ "خدا کی قسم، میں بہت خوش ہوں کہ اس نے بچّے کو بچالیا" ٹینا چلائی" نمرتا اصلی ہیروئن ہے" "وہ بہت بہادر ہے۔" آشا اور ادِتی نے ایک ساتھ کہا اور وہ بہت پھرتی سے گئی" اگر کچھ لمحے گزر جاتے تو چھوٹو بُری طرح جل جاتا کیوں کہ وہ ایک بچّہ ہی تو ہے۔"

اس نے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے اوسان نہیں کھوئے۔ شالنی نے تعریفی لہجہ میں کہا۔

لڑکوں نے کہا" آفرین۔ نمرتا" اور اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

"مبارک ہو نمرتا" لڑکیوں نے سچّے دل سے سراہتے ہوئے تعریف کی۔

نمرتا مسکرائی مگر وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ اچانک اسے سخت تکلیف محسوس ہوئی اور اسے دنیا گھومتی لگنے لگی اس نے خود سے کہا اب شیخی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اب اپنے متعلق بتانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے سچ مچ بہادری کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اَن ہونی

ڈِکی ایک معمولی سا گوریّا تھا۔ بالکل ایسا ہی جیسے ہم ہزاروں چھوٹے چھوٹے گوریے ہر طرف دیکھتے ہیں اس کا ننھا سا جسم براؤن پروں سے ڈھکا ہوا تھا جس پر کالی اور سفید دھاریاں تھیں۔ اس کی ایک چھوٹی سی دُم اور ننھی سی چونچ تھی لیکن اس کی آنکھیں چمکدار تھیں اور وہ زندہ دلی سے چہچہاتا رہتا۔ اگرچہ ڈِکی کوئی خاص خوبصورت نہ تھا مگر وہ اپنے حال میں خوش تھا۔

ایک دن ڈِکی ایک چھوٹے سے جوہڑ میں پانی پی رہا تھا اس نے اپنا عکس دیکھا تو وہ مطمئن نہ رہ سکا اس کا چہرہ بہت ہی معمولی تھا ڈِکی بہت ہی اُداس اور بُجھا بُجھا سا رہنے لگا خاص طور سے جب وہ اپنے اِرد گرد خوبصورت چڑیاں دیکھتا تھا۔

رام چڑیاں، جن کے چمکدار نیلے اور نارنجی پر تھے۔ اور مونگے کے رنگ کی چونچیں چمکدار ہرے رنگ کے طوطے جن کی چونچیں مڑی ہوئی سرخ تھیں۔ بلبلیں جن کے پر گلندی اور سر پر گھنی سی کلغی، وہ روپہلے اور بھورے بھورے کبوتر جن کی پتلی گردن پر ہرے اور نیلے پر چمکتے یہاں تک کہ کالی مینا جس کی دم پر پیلے پیلے پر چمکتے تھے خوبصورت لگتیں۔

ڈِکی نے محسوس کیا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے چوہیا کے رنگ کے بے کیف پروں کا ان چڑیوں کے پروں سے کیا مقابلہ جو اس کے ارد گرد رہتی تھیں۔

اس نے حسرت سے سوچا کاش میں بھی، خوبصورت ہوتا میرے لمبے لمبے شاندار پر ہوتے میری کتنی خواہش ہے کہ میں بھی اُنھی جیسا ہوتا" لیکن ڈِکی جانتا تھا وہ بدل نہیں سکتا اسے اسی حال میں رہنا ہے جیسا وہ تھا۔ ایک بزدل... معمولی سا گوریا۔ اور ایک دن ایسا ہوا کہ اس کی زندگی ہمیشہ کے لیے بدل کر رہ گئی۔ ڈِکی کھانے کی تلاش میں زمین پر ٹھونگیں مار رہا تھا اور سر جھکائے اس قدر مصروف تھا کہ اس نے اس آدمی کی طرف بھی توجہ نہ دی جو آہستہ آہستہ اس کے پیچھے آرہا تھا جس کی آنکھیں ڈِکی کو دیکھ کر چمک اٹھی تھیں۔ پلک جھپکتے ہی اس نے ایک بڑا سا کالا جال نکالا اور ڈِکی، پر ڈال دیا۔ اور اسے جال میں پھنسا دیا۔ غریب ڈِکی اس سے پہلے کے وہ کچھ سمجھتا وہ جال میں پھنس چکا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی اپنے پر پھڑپھڑائے، صدمے سے لرزنے لگا۔ مگر سب بیکار تھا جال نے اسے سختی سے جکڑ لیا اور اب کوئی کوشش اسے آزاد نہ کرا سکی۔ تب چڑی مار نے اسے جال سے نکال کر ایک لکڑی کے ڈبے میں ڈال دیا۔ جس میں ایک چھید تھا۔ اوہ.... مجھ غریب کے لیے وہ اور بھی تکلیف دہ تھا کیوں کہ اس میں ہوا کا گزر تھا نہ روشنی کا۔ چھوٹا ڈِکی۔ آزاد ہونے کی ہر کوشش کے باوجود نکل نہ سکا۔

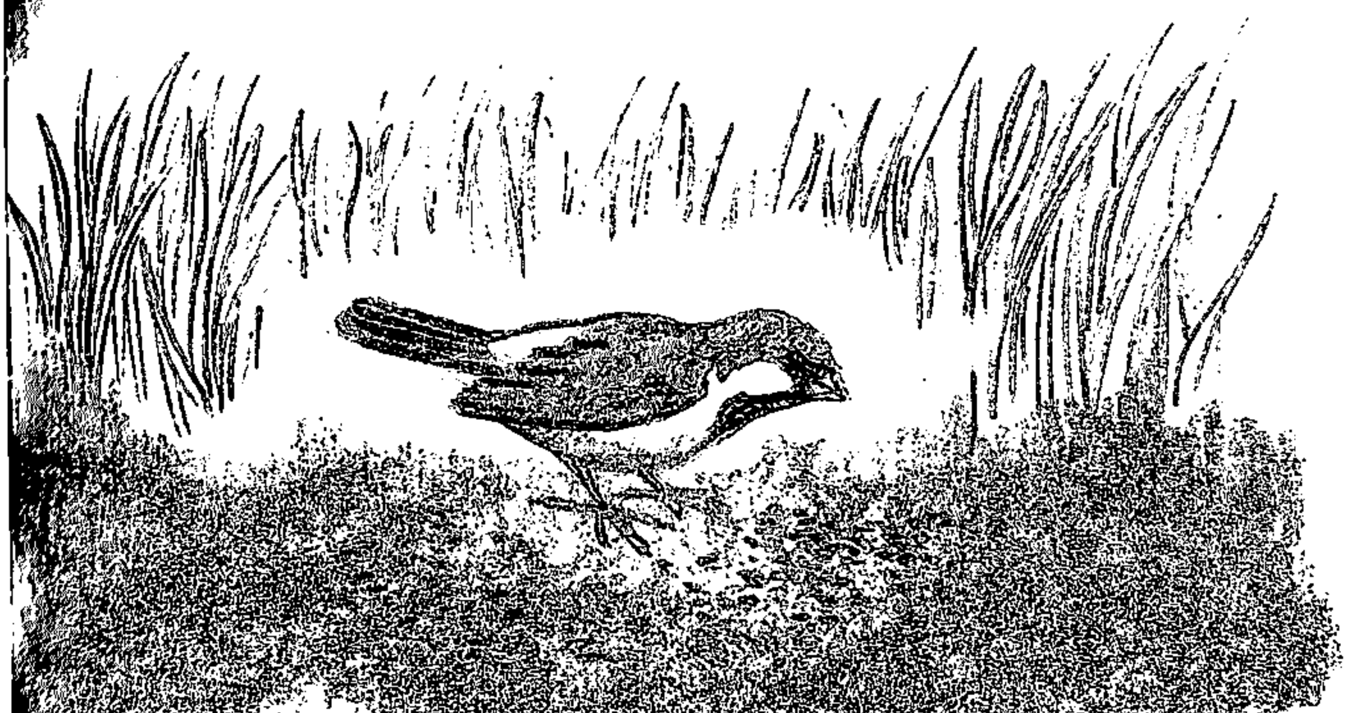

وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔ مدد، مدد، مگر کسی نے اس کی آواز نہ سُنی اور چڑی مار آرام سے چلتا رہا۔ ڈِکی خوفزدہ تھا اور تھک بھی چکا تھا وہ بھاری دل سے ایک کونے میں دُبک کر بیٹھ گیا۔

وہ حیران تھا کہ اب اس کے ساتھ کیا ہو گا.....اور اسے بہت جلدی پتہ چل گیا۔

گھر پہنچ کر چڑی مار نے ڈکی کو ڈبے سے نکالا اور مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ لیا پھر اس نے چمکدار زرد رنگ میں ڈبو کر اس کے پر رنگنے شروع کر دیے۔

"ہی۔ ہی۔" چڑی مار نے ڈِکی کے نئے رنگے ہوئے سر کو دیکھ کر کہا "بے شک تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔ میرے پیارے بچے جب میں تمھیں پورا رنگ دوں گا تو کوئی پہچان نہ سکے گا کہ تم ایک معمولی گوریے ہو۔ میں تمھیں ایک عمدہ کیتری (گانے والی پیلی چڑیا) بنانے جا رہا ہوں۔ "تمھارے ذریعہ میں خوب

پیسہ کماؤں گا۔ "وہ کھی کھی" کر کے ہنسا۔ ڈکی نے اپنے پر پھڑ پھڑائے تو اس نے اور بھی زور سے جکڑ لیا اور رنگ پھیرنے لگا۔ رنگ میں بہت بدبو تھی ڈکی سراسیمہ سا ہو گیا اور ایسا لگا جیسے وہ بیمار ہے۔ جب پورا رنگنے کے بعد چڑی مار نے اسے ایک چھوٹے سے تاروں کے پنجرے میں ڈال دیا اور اُس کا دروازہ بند کرتے ہوئے بولا "تمھیں فروخت کرنے سے قبل میں تمھیں سوکھنے دوں گا" اب وہ ڈکی کو اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔ آہستہ سے ڈکی اس لکڑی پر چڑھا جو پنجرہ میں لگی ہوئی تھی اور سامنے لگے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اُسے اپنے بدلے ایک خوبصورت چڑیا نظر آنے لگی۔ وہ چوہیا کے رنگ کے پر کہاں گئے جن سے اسے نفرت تھی اور ان کی جگہ خوبصورت چمکدار پر تھے۔ اور جیسے ہی اس نے اپنا عکس دیکھا اس کے حلق سے ایک سسکی نکلی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب وہ ایک غیر ملکی پرندہ لگ رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ غریب ڈکی سوچنے لگا کاش وہ پھر ایک سیدھا سادھا براؤن گوریّا بن جائے۔

دوسرے دن ڈکی کا پیلا رنگ بالکل سوکھ گیا اور چڑی مار اسے بازار میں لے گیا بازار میں بے حد شور تھا اور بے حد بھیڑ بھاڑ تھی ڈکی اور بھی ڈر رہا تھا۔ وہ اپنا ننھا سا سر چھپا کر پنجرہ کے ایک کونے میں جا بیٹھا لیکن فضول تھا مگر اس کی دلکشی نے سب کی توجہ اپنی طرف ہی کر لی۔ اور ہر ایک گرم جوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کس قدر خوبصورت چڑیا ہے" کچھ لوگوں نے پوچھا۔

"لیکن یہ چڑیا کی کون سی قسم ہے؟"

چڑی مار نے فخر سے کہا "یہ کیزی ہے" اور بہت ہی کم ملتی ہے مجھے اس کی تلاش کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔"

"کتنے کی؟" اس کی قیمت کیا ہے؟" کئی آوازیں ابھریں اور ڈکی کانپنے لگا۔

ایک لڑکی کی چھوٹی سی آواز آئی "مجھے چاہیے یہ میں چاہتی ہوں" یہ کتنی اچھی چڑیا ہے...... مگر یہ بہت مہنگی بھی تو ہے" اس کی ماں نے احتجاج کیا مگر وہ ضدی اور چڑچڑی لڑکی اس پر اڑی رہی کہ وہ ڈِکی ہی لے گی۔ جب اس نے فیصلہ کر لیا اور اسے لے گئی تو چڑی مارنے خوشی سے تالیاں بجائیں۔

اس بڑی سی عمارت کا ایک فلیٹ اب ڈِکی کا نیا گھر تھا بالکونی میں اس کا پنجرہ رکھ دیا گیا جیسے ہی ڈِکی نے چاروں طرف دیکھا اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہاں نہ کوئی درخت تھا نہ پھول نہ کہیں چڑیوں کے گانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لڑکی فوراً اپنی سہیلیوں کو بلا کر لائی تاکہ ڈِکی کو دکھا سکے۔ انھوں نے اس کے پنجرے کے گرد بھیڑ لگادی وہ پنجرے کے تاروں کے قریب منہ لالا کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ ایک زبان ہو کر بولیں "وہ کتنی خوبصورت ہے" انھوں نے اسے چاکلیٹ بھی دیے مگر ڈکی اتنا ست تھا اور اس کا دل بجھا ہوا تھا کہ اس نے انھیں چھوا تک نہیں اس رات اس چھوٹی سی تنگ و تاریک بالکونی میں ڈکی اس قدر ناخوش تھا کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔

اس نے سوچا کاش وہ پھر آزاد ہو سکے!" جہاں چاہوں آزادی سے اُڑ سکوں.... جہاں چاہوں جا سکوں ..... لیکن لوہے کے پنجرہ کا دروازہ سختی سے بند تھا۔ آخیر ڈِکی سو گیا۔

اس کی ایک دم اس وقت آنکھ کھلی جب پانی کا ایک قطرہ سیدھا اس کے سر پر پڑا۔ ٹپ.. اس نے اپنا سر ہلایا..... پھر تو بوندوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ ایک کے بعد ایک بوندیں پڑتی گئیں وہ کانپنے لگا۔ بوندیں پڑتی رہیں۔ اور، اور بارش ہو رہی تھی۔ ڈِکی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب اس نے پنجرے پر چڑھ کر آئینہ میں اپنی شکل دیکھی بارش کے پانی نے اسے بالکل نہلا دیا تھا۔ اور آہستہ آہستہ وہ سارا پیلا چمکدار رنگ جو اس کے پروں پر لگا ہوا تھا غائب ہو گیا۔ پانی کی بوندیں اس کے پروں پر پڑیں وہ دُھلتے گئے اور سارا رنگ چھوٹ گیا رنگ بہتا ہوا اس کی آنکھوں اور چونچ میں گیا اور اسے کھانسی اُٹھنے لگی جیسے ہی بارش رُکی ڈِکی پانی میں شرابور تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک بڑے پیلے

رنگ کے پانی کے جوہڑ میں بیٹھا تھا اور اس نے آئینے میں دیکھا کہ ایک خوبصورت پیلے کینری کے بدلے ایک پانی بھیگا ہوا گوریا ہے۔

صبح ہوئی اور وہ لڑکی اپنی پالتو چڑیا کو دیکھنے بالکونی کی طرف بھاگی اس نے ڈکی اور پیلے پانی سے بھرا ہوا جوہڑ دیکھا اور بے یقینی سے چلائی۔ ''کیا'' اس کی آواز ڈری ڈری سی تھی۔ ''تم تو بالکل بھی کینری نہیں ہو۔'' ''تم تو ایک معمولی گوریا ہو۔'' اس کی آواز رونی تھی اس کی ماں بھاگی ہوئی آئیں اور ڈکی کو دیکھ کر انھیں ایک دم دھچکا لگا۔

''ہمیں دھوکا دیا گیا ہے'' وہ خوفزدہ سی آواز میں چلائیں ''کیا ہم نے اتنا پیسہ گوریا کے لیے دیا تھا۔'' انھوں نے ملامت بھری نظروں سے ڈکی کو دیکھا جو پنجرے میں ڈالی لکڑی پر بیٹھا تھا۔ بگڑی ہوئی لڑکی چلائی ''بدصورت.......

یہ بہت......ہی......بدصورت ہے میں اسے ایک منٹ بھی اور نہیں دیکھنا چاہتی......''

''ہم بالکل نہیں چاہتے'' اس کی ماں نے بھی غصے سے کہا اور انھوں نے ڈکی کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔

وہ زور سے چلائیں ''نکلو'' اور ڈکی نے ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہ لگائی۔ اس نے ایک اڑان بھری پنجرے سے نکلا اور تیزی سے اڑ گیا وہ پھر آزاد تھا۔ گرم گرم سورج کی دھوپ، ہوائیں۔ وہ آزاد ہے..... آزاد ....اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

وہ چہچہایا ''میں خوش ہوں کہ میں ایک معمولی گوریا ہوں'' ''میں کبھی بھی ایک خوبصورت پروں والی بیرونی چڑیا نہیں بننا چاہوں گی'' دنیا کی بہترین چیز بس میں ہوں۔''

پیڑ بھی دوست بناتے ہیں

آچھوں۔ آچھوں.... اَدِتی کی ممّی کی آوازیں نکلیں ہا آچھیں ہا اچھیں۔

آدِتی خود بخود مسکرائی۔ پیاری، سریلی، چھینکتی ہوئی ماں۔ دھول کی وجہ سے انھیں چھینکیں آرہی تھیں اور کیڑے مارنے والی دوائی جو انھوں نے چھڑکی تھی اس کی وجہ سے وہ چھینک رہی تھیں اور گھر میں اِدھر سے اُدھر کام کرتی پھر رہی تھیں اماں اس بات پر زور دے رہی تھیں کہ سامان کھلنے سے پہلے، ہر الماری، ہر طاق، ہر مچان اور ہر کھڑکی کو صاف کر کے پہلے کیڑے مارنے والی دوا ہر جگہ چھڑک دی جائے ان کی چیزیں بہت قیمتی تھیں اس وجہ سے انھیں متواتر چھینکیں آرہی تھیں جس سے وہ شام تک کچھ چڑچڑی بھی ہو گئی تھیں آدِتی اپنے راستہ پر چل رہی تھیں۔

آدِتی جانتی تھی وہ سب کرلیں گی یہ چھوتھا مکان جو انھوں نے بدلا تھا اور ہر دفعہ ایسا ہی ہوتا تھا تمام گھر میں بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی صندوق ہر جگہ پڑے تھے، چابیاں کھو گئی تھیں کھانا پلاسٹک کی تھیلیوں پر کھایا گیا اور پیچھے سے آ.... چھوں..... آہ..... چھوں کی میوزک چل رہی تھی۔ آہستہ آہستہ ہر چیز اپنی جگہ پر پہنچ گئی اور اب نیا مکان اجنبی سا نہیں لگ رہا تھا۔ وہی دال پکانے کی پرانی خوشبو نے نئے مکان کو پھر گھر بنا دیا تھا۔

آدِتی بالکونی میں ایک گملے کی طرح سجی ہوئی تھی جس میں اس کی ممّی نے اپنے پیارے پودے ٹھیک سے لگا دیے تھے۔ وہ اپنی کہنی کٹہرہ پر رکھے اطراف کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور وہ درخت

.....وہ تو ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر آدِتی نے فیصلہ کرلیا کہ اب وہ اس نئے گھر سے پیار کرے گی۔

یہ بادام کا پیڑ یا ٹیلمنڈ بری،...... تھا۔ جیسے اسکول میں مس فرنانڈس نے صحیح کروایا تھا ورنہ وہ تو ناگواری سے چھوٹا گول گول سامنہ بنا کر بولتی تھی۔ یہ ہرا خوبصورت پیڑ سیدھا اور اونچا تیسری منزل تک گیا تھا وہ ایسا پیڑ تھا کہ سب کے کندھے سیدھے کردوں گا۔ گہرے سانس لینے سے سینہ مضبوط ہوتا ہے طرح طرح کے پرندوں کی آمد اس نے گھر کو ای کوریم میں بدل دیا اور شام کے وقت ہری ہری پتّیاں ایسی جگمگاتیں اور ان کی سرسرہٹ ایسی لگتی جیسے مچھلیاں سیٹیاں بجا رہی ہوں۔

آدِتی کی ماں پیڑوں کو سمجھتی تھیں وہ اوشاماسی کی طرح نہیں تھیں جو انھیں بھی پیڑ کہتی تھیں۔ ممی اپنے خاموش اور نرم نرم انداز میں اپنے پودوں سے باتیں کرتیں ان کے لیے گانے گاتیں وہ اپنے مصروف دن میں سے بھی دس منٹ پودوں میں پانی دینے اُنھیں چھو چھو کر دیکھنے میں ضرور صرف کرتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ گملے اُٹھا کر بالکونی سے پیچھے کی طرف رکھ دیا کرتی تھیں آدتی جب بہت چھوٹی تھی تبھی سے وہ ان کا انداز سیکھ گئی اب وہ بھی پودوں کو سمجھنے لگی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کا بادام کا پیڑ بہت تندرست اور مضبوط ہے اور سینکڑوں کیڑوں مکوڑوں کا وہ گھر ہے وہ دیسی یعنی ہندوستانی بادام کا پیڑ تھا۔ وہ ایک بہت لمبا پیڑ تھا جس کی پتّیاں خزاں میں جھڑ جاتی تھیں اس کا تنا غرور سے سر اُٹھائے کھڑا تھا جس کی شاخیں افق کی سمت پھیل رہی تھیں جس کی چمکیلی پتّیاں شاخوں کے سروں پر ہوتی ہیں جو اتنی بڑی ہوتی ہیں جتنا ٹیبل ٹینس کا بلا ہوتا ہے۔ اور جیسے ہی سردیاں آتی ہیں اس کی پتّیوں کا رنگ لال ہونے لگتا ہے۔

آدِتی اس کے گرے ہوئے پھل اُٹھانے کو بڑھی جو پک کر کچھ سرخی مائل کاسنی سے ہو جاتے ہیں جو انھیں پتھر سے توڑ کر اس کا گودا کھائے گی یا ہو سکتا ہے لماں اسے جمع کرکے اس کی کھیر بنالیں۔

اس نے ایک شاخ پر بلبل کا گھونسلا بھی دیکھا جہاں بیٹھ کر بُلبل اپنے سُریلے گیت سناتی ہے ایک چھوٹا سا پتنگا شاخ پر بیٹھ کر اپنے رنگ چمکاتا ہے۔ موٹی کالی کالی چیونٹیاں اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جاتے ہوئے کچھ دیر رُک کر دوسروں سے ملتی ہیں اور دوسرے رُخ پر چلی جاتی ہیں۔ جس رات آدتی اپنے

نئے گھر میں آئی اور رات کو سونے کے لیے لیٹی تو سامان کھلا نہیں تھا صندوق ادھر اُدھر پڑے تھے مگر اس کی پسندیدہ گڑیا الماری کے ایک خانہ میں بیٹھی تھی اور خوش ہو کر اپنی عزت افزائی کا پتا لگا رہی تھی اسے کھول کر سجادیا گیا جب کہ باقی سامان ابھی بندھا پڑا ہے۔

پیڑوں میں سر سراہٹ تھی اور پتے کھڑ کھڑا رہے تھے ایک چمگادڑ اندھیرے میں پیڑ پر بھی لٹکی ہوئی تھی آدتی اپنے بستر پر دُبک گئی۔

تھک--- تھک--- تھک کی تیز آواز کے ساتھ صبح وہ اُٹھی اس نے انگڑائی لی، اپنا جسم کھینچا اور بالکونی میں آئی اس کی آنکھوں میں ابھی نیند بھری ہوئی تھی آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں اور وہ سیدھی کھڑی ہو گئی اس کا دل دھڑک رہا تھا اور ستسی کھڑی اپنا پیٹ کھجا رہی تھی دو آدمی کلہاڑی سے پیڑ کی شاخیں کاٹ رہے تھے وہ اطمینان سے دوسری منزل پر کھڑے تھے ایسا لگتا تھا جیسے سب کام ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ صدمے سے اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور اپنے والدین کو بُلانے چلی گئی اس کے پتا آکر چلائے کیا ہو رہا ہے" کیا تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔"

ان دو آدمیوں نے نیچے ایک موٹے آدمی کی طرف دیکھا جو اکڑ کر پیڑ کے نیچے کھڑا تھا یہ وہ شخص تھا جو نیچے رہتا تھا اس نے وڈیو چلا رکھا تھا اندر اپنے بچوں پر چیخ رہا تھا کہ "بیٹھ کر پڑھو۔"

وہ گرج بولا" چلانے سے تمھارا کیا مطلب ہے۔"

میں اپنے خرچے پر یہ پیڑ کٹوا رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں" آدتی کی ماں نے بڑے دُکھ سے پوچھا۔

"یہ میرے نظاروں کی راہ میں رکاوٹ ہے۔"

"مناظر روکتا ہے؟ کون سے منظر؟"

آدِتی نے دیکھا کون سا منظر؟

پیڑ کی کٹائی خطرے میں پڑ گئی۔ کارپارک اگلی عمارت جو کوڑے کا ڈھیر یا سگریٹ کی دوکان کیا یہ منظر؟

''میں اپنی دو ماروتی کاریں نہیں دیکھ سکتا؟ میں اپنے سالے کی بیرونی مرسڈیز نہیں دیکھ سکتا۔'' موٹے آدمی نے چلا کر کہا۔ اُس نے سفاری سوٹ اور گلابی قمیض پہن رکھی تھیں جو پسینہ میں بھیگی ہوئی تھی۔ ''اس کم بخت پیڑ نے یہ ساری چیزیں میری نظروں سے اوجھل کر رہی ہیں۔''

آدِتی کے پتا نے کہا ''او خدا میں کیا کروں؟

انھوں نے دُکھ سے اپنی آنکھیں بند کر کے کہا ''میں اُنھیں کیا کہوں؟''

آدِتی کی اماں نے بھی اُداسی سے کہا ''ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟'' لیکن اگر یہ تنا چھوڑ دے تو پیڑ بھی اگ جائے گا۔''

آدِتی اُس کے مصالحت آخیر رویہ پر حیران ہو رہی تھی جب اس نے دیکھا کہ اس کے والدین کٹوانے پر تیار ہو گئے تو وہ خود بڑا بڑائی ''اس کی ناک میں چھید کر دو، جھاڑو سے اس کی پٹائی کر دو اور اسے اتنا

جھنجھوڑ دو کہ یہ زمین پر پیر پٹخنے لگے۔"

مگر وہ کچھ نہ کر سکی اور اس کے والدین اگرچہ غصّے میں تھے مگر اس کی ناک میں چھید کرنے جیسا کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔

آدِتی نے ان سے بدلہ لینے کا منصوبہ بنایا سب سے پہلا کام تو اس نے یہ کیا کہ اسکول جاتے ہوئے اس نے موٹے آدمی کے گھر کے سامنے جو دودھ کی تھیلی پڑی تھی اپنا کمپاس، نکال کر اس میں چھید کر دیے۔ تھیلی میں سے دودھ ٹپکنے لگا اور جب تک وہ بلڈنگ سے باہر نکلی اسے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ بلڈنگ کا احاطہ خاموش اور روشن تھا پیڑ کا پیارا سا سایہ اور پتّوں کی سرسراہٹ ختم ہو چکی تھی پرندوں کا چہچہانا اور چڑیوں کی چوں چوں کچھ بھی تو نہ تھی ننگا پیڑ اپنے زخم لیے کھڑا تھا اس کی تمام شاخیں کٹ چکی تھیں۔ آدِتی اپنے بس اسٹاپ پر جلدی جلدی پہنچی۔

تمام دن وہ اپنی دوستوں سے مشورے لیتی رہی کہ کس طرح موٹے آدمی کی زندگی اجیرن کرے اور شام سے اس نے عمل کرنا شروع کر دیا اس نے چیونگ گم کھا کر اس کا بچا ہوا حصہ اس کے چابی کے چھید میں ٹھونس دیا۔ اس نے اپنی بالکونی سے شکر نیچے چھڑک دی جس کی کشش نے ہزاروں چینٹیوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ نیچے جو دُھلے ہوئے کپڑے پڑے تھے اس پر سیاہی کے چھینٹے دے دیے ایک ماچس میں کاکروچ جمع کیے اور اس کے لیٹر بکس میں ڈال دیے۔ اس نے اپنے ناچ کی مشق پورے جوش و خروش سے کی تاکہ نیچے دھماکے ہوں اور انھیں پریشانی اُٹھانی پڑے اس کے علاوہ اس نے فرنیچر خوب زور زور سے اِدھر اُدھر گھسیٹا مگر یہ اسے روکنا پڑا کیوں کہ اس میں نقصان کس کا تھا؟..... آچھوں.... جب دھول اُڑی تو اس نے کوڑے کے برتن کو ایک ٹھوکر مار کر پھینک دیا مگر اس سب سے بھی اس کا دُکھ دور نہیں ہوا۔ جب ماں اپنے پودوں کو پانی دے رہی تھیں تو نیچے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سیاہی چھا گئی۔ جب پاپا سیٹی بجاتے ہوئے بالکونی میں آئے اور ان کی نظر پیڑ پر پڑی تو وہ بھی ایک دم رُک گئے زور سے دیوار پر ایک مکّا مارا اور پھر سیٹی بجانے لگے مگر ایسا لگا یہ وہ اضطراب سے بجا رہے ہیں آدِتی ایک دم مڑی اب وہ مزید پیڑ کی طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن اسے اس کی طرف دیکھنا ہی پڑا کیوں کہ پیڑ اپنا بدلہ لے رہا تھا۔ ایک گانٹھ کے پاس جہاں سب سے زیادہ کٹائی کی گئی تھی ایک ہلکی سی ہری پتی نظر آئی۔ یہ صرف آدتی کی اماں نے دیکھا اور وہ اپنے دھیمے انداز میں مسکرائیں۔ اور گنگناتی ہوئی چلی گئیں۔

کچھ دن کے بعد واقعی کچھ ہرا ہرا نظر آ رہا تھا اور جب آدتی اپنی ہمت جمع کر کے دیکھنے باہر آئی تو وہ واقعی پتّی تھی۔ وہ اپنے والدین کو بلانے دوڑی۔ انھوں نے اپنی چائے کی پیالیاں رکھیں اور فوراً باہر آئے۔ ادتی یہ چھوٹا سا ہرا معجزہ دیکھ رہی تھیں۔ کوئی بولا نہیں مگر اس رات ان کے دل گا نا گا رہے تھے آدتی نے خدا سے توبہ کی کہ اسے سب بے وقوفی کی حرکتوں کے لیے معاف کر دے۔ جو اس نے موٹے آدمی کے ساتھ کی تھیں اور ہری پتّی کے لیے بھی اس کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد پیڑ بھی پیچھے نہیں رہا۔ ہر روز نئی نئی پتّیاں نکلتی رہیں اور کچھ ہفتہ بعد وہ پھر ایک پیڑ ہی نظر آنے لگا اگرچہ ابھی پورا 'پیڑ' نہیں بنا تھا مگر تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ایک رات آدتی کے والدین نے موٹے آدمی اس کی موٹی بیوی اور ویڈیو کے شوقین بچّوں کو کھانے پر مدعو کیا آدتی نے محسوس کیا کہ اس شام تقریباً آدھے وقت اس کے پتانے موٹے آدمی کے فلیٹ کی قیمت کے ہی بارے میں بات چیت کی۔ آدتی محسوس کر رہی تھی کہ وہ بناوٹی باتیں کر رہے ہیں اور موٹے آدمی کو بتلا رہے تھے کہ جائداد کی قیمت دن بدن بڑھ رہی ہے اور اگر کسی کی زمین پر پیڑ بھی ہو تو ہزاروں روپے بڑھ جاتے ہیں موٹا آدمی لالچ سے سُن رہا تھا اور بیچ بیچ میں سر بھی ہلا تا جاتا تھا۔

رات کو کھانے کے بعد آدتی کی اماں ایک چھوٹے سے گملے میں لگا ہوا پودا لے کر آئیں اور موٹے آدمی کی بیوی کو پیش کرتے ہوئے بولیں "ہمیں امید ہے کہ پودوں کے گملے جمع کرنے کی یہ شروعات ہوگی یہ آپ کی بالکونی میں بہت خوبصورت لگے گا اور میں آپ کو سکھاؤں گی کہ ان کی دیکھ بھال کیسے کی جاتی ہے۔" موٹے آدمی کی بیوی مسکرائی اور اس کی باچھیں کانوں تک کھل گئیں اس وقت وہ واقعی پیاری لگ رہی تھی۔

"انھوں نے شرماتے ہوئے کہا" کہ یہ پہلا پودا ہے جو میں رکھوں گی۔"ویڈیو کے دلدادہ بچّوں نے بھی اس کی صاف شفاف چمکتی ہوئی پتّیوں کو چھوا۔ اور آپس میں لڑنے لگے کہ اسے کون لے کر جائے گا۔"

آدتی کو اپنے والدین کے انکسار پر اس دن بہت غصّہ آرہا تھا جس دن پیڑ کاٹا گیا تھا۔ وہ اس وقت وہ یاد کر رہی تھی۔ اور آج وہ معصومیت سے سوچ رہی تھی کہ وہ کتنے عقل مند ہیں۔ میری شکر چھڑکنے کی تمام کوششیں بے کار گئیں مگر آج جو میرے والدین نے کیا ہے شاید موٹے آدمی پر اس کا اثر ہو جائے۔ کم از کم تھوڑا سا ہی ہو جائے۔"

بے شک آج پیڑ نے اپنا بدلہ لے ہی لیا۔ ایک دفعہ پھر نیل کنٹھ پیڑ کی سب سے اوپر شاخ پر بیٹھ کر خوشی سے چہچہا رہا تھا اور ہر لاروا (کیڑا) بھی کوشش کر رہا تھا کہ وہ تنے اور پتّیوں کے رنگ میں مل کر گوریّوں کو بے وقوف بنا سکے۔ چیونٹیاں بھی نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے آجا رہی تھیں۔ اور آدتی کا کمرہ ایک مرتبہ پھر رنگ و روشنی سے بھر گیا نیلے نیلے پتنگے ایسے لگے جیسے سمندر کے پانی میں روشنی کتابوں کی الماری میں ہرے ہرے جگنو چمکتے روشنی پھیلانے لگے۔

بادشاہ کون؟

ایک زمانے کا قصہ ہے کہ جنگل کے تمام جانور اپنا بادشاہ چننے کے لیے ایک پہاڑ پر جمع ہوئے جسے ٹاپ آف دی ورلڈ یعنی دنیا کی چوٹی کہا جاتا تھا وہ سبھی جوڑے جوڑے میں آئے تھے وہاں حسین بارہ سنگھے جن کے خوب صورت سینگ تھے اور دھبے دار گرم اور گیلی گیلی ناکوں والے ہرن، پیلے پیلے کالی دھاریوں والے شہر، ایک سینگ کے گینڈے، بڑبڑاتے بندر، اور لمبے لمبے ہاتھ پیروں اور چپٹی ناک والے گوریلے سبھی جمع تھے خرگوش بھاری بھرکم ہاتھ کے سامنے کود رہے تھے۔ چڑیاں اس کی چوڑی کمر پر چڑھی ہوئی تھیں مور اپنے جھلملاتے ہوئے پر پھیلا رہا تھا اور شاندار طاقتور شیر تیز غراہٹ کے ساتھ سب کو آگاہ کرتا ہوا آیا اور بیچ میں چھلانگ لگادی۔

یہ سب ایک بڑی سی پتھر کی میز کے گرد بیٹھ گئے اور مسئلہ پر تبادلہ خیال کرنے لگے پہاڑ ایک سیدھا میز کے اوپر کے حصّے کی طرح اور اس کے کنارے بہت تیز اور سیدھے تھے۔ یہاں کبھی بھی کسی انسان کا گزر نہیں ہوا تھا۔

سب سے پہلے ہاتھی جیت کے یقین کے ساتھ سب کے اوپر خوشبودار ٹھنڈا پانی چھڑکتے ہوئے اپنے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ اُٹھا اور بولا "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ہی اپنا بادشاہ چنو کیوں کہ میں بہت بڑا اور طاقتور ہوں اور تمھاری دیکھ بھال اچھی طرح کر سکتا ہوں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمھیں کوئی چوٹ نہیں پہنچاؤں گا اور گیلا بھی نہیں کروں گا تمھیں مجھ سے ڈرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سبھی جانوروں نے تالیاں بجائیں اور ہنسنے لگے۔ اس کے علاوہ چھوٹے

چھوٹے جانور میری کمر پر سواری کر سکتے ہیں اور میرے سایہ میں لیٹ بھی سکتے ہیں۔" اور ہاتھی نے اپنی سونڈ اٹھا کر سلام کیا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ "میں انسان کا بھی دوست ہوں۔ اس کی سوچ اور فکر جانتا ہوں۔ اس لیے میں تمھیں اس سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہوں۔" ہا.....ہا.....ریچھ بولا "کوئی بھی انسان کا دوست جانوروں کا دوست نہیں ہو سکتا۔ میں ہی بادشاہ بننے کے لیے سب سے صحیح ہوں میں انسانوں کے درمیان غلام بن کر رہا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں وہ کتنے ہوشیار اور خطرناک ہیں۔ میں ہی بادشاہ بننے کے لائق ہوں۔" اور ریچھ میز پر کھڑا ہو کر خوشی سے ناچنے لگا۔

"انھیں دیکھو" کوا کائیں کائیں کرنے لگا "یہ جو انسان کے اشاروں پر ناچتے ہیں کہتے ہیں میں تمھیں ان سے بچاؤں گا۔" سبھی جانور زور سے ہنسنے لگے "ہوشیار تو میں ہوں میں۔ اوپر سے ہر چیز ایک آنکھ سے دیکھتا ہوں میں جنگل میں اوپر اُڑ کر شکاری کو بھی دیکھ سکتا ہوں۔ جو شیر نہیں دیکھ سکتا۔"

غرر... غرر.... شیر نے اپنا سر پیچھے جھٹکا اور زور سے غرّایا اس کی گردن کے سنہرے بال غصّے سے کھڑے ہو گئے اور مضبوط دل والے جانور بھی مارے ڈر کے بے ہوش ہونے لگے۔ چھوٹے چھوٹے جانور جھاڑیوں میں کھسک لیے اور پیڑوں کے پیچھے ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے چھپنے لگے۔

"غر..... غر..... اب ہم اس حال کو پہنچ گئے اور یہ نوبت آگئی کہ کوّے اور ریچھ ہمارے بادشاہ ہو گئے۔ کیا میں مر گیا ہوں۔" "کوئی بھی بادشاہ نہیں ہو سکتا سوائے میرے۔" شیر کا خوف سب کو لگ رہا تھا اور کوئی بھی اس کو جواب نہ دے سکا "جو میرے حق میں ووٹ دیں وہ اپنا پنجہ یا دُم اونچی کر لیں۔"

وہاں ایک دم سے ایک کھلبلی مچ گئی اور ہر ایک عمل کرنے کو تیار تھا ایسا لگتا تھا جیسے سارے ہی ووٹ شیر کو جا رہے ہیں۔

"برائے مہربانی صبر کریں۔" "ہم سب کو سننا چاہتے ہیں۔"

جنگلی جانوروں کا پورا مجمع مڑا کہ دیکھیں کون بولا۔ مجمع کے ایک کنارے پر ایک گائے، ایک کتا، ایک بلّی، ایک سور، ایک بکری اور ایک مرغی کھڑے تھے۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔" شیر غرّایا۔

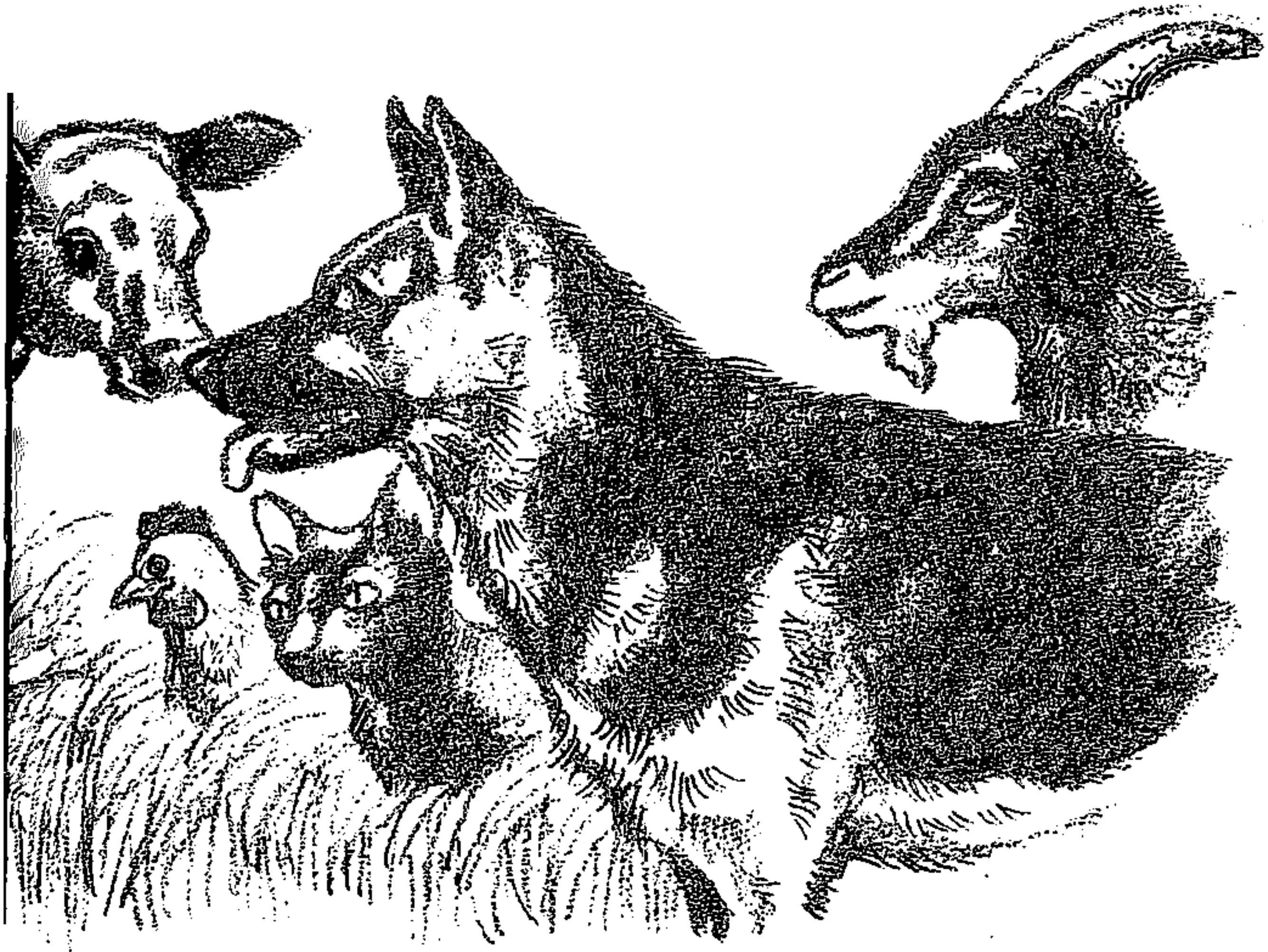

"ہم پالتو جانور ہیں جیسے کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ الیکشن میں کھڑے ہونے کے لیے ہماری بھی نمائندگی ہو۔"

ہا.....ہا.....ہا.....ہا.....

ہو....ہو....ہو.......ہو

جنگل کے تمام جانور اس وقت تک ہنستے رہے جب تک ان کے منہ نہ دکھ گئے، پیٹ میں درد ہونے لگا اور اس وقت تک ہنسے جتنا ہنس سکتے تھے۔ایک گائے اور.... راجہ.... ایک مرغی.... اور راجہ.... سچ مچ کیا مذاق ہے۔

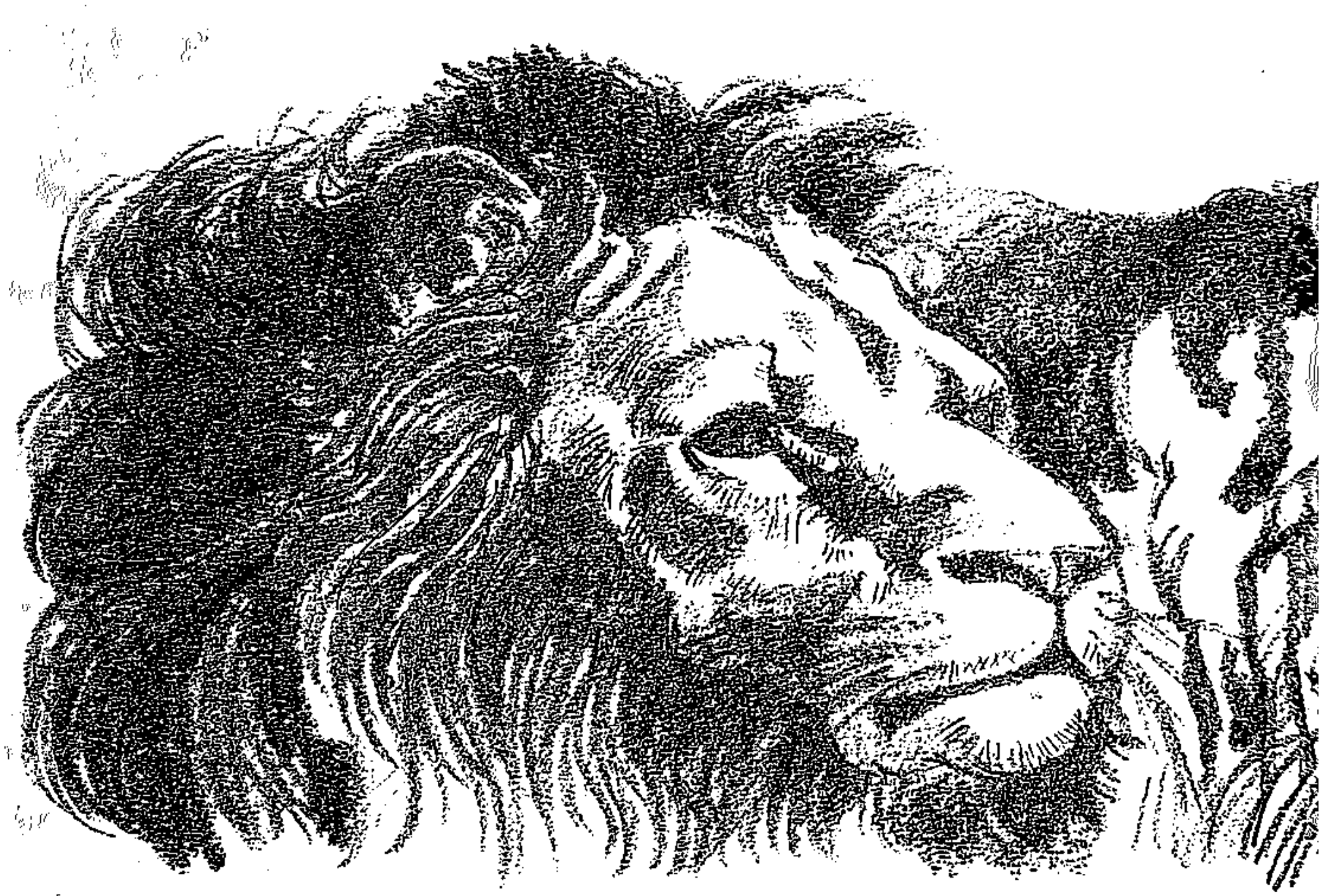

”براہِ کرم ہماری بات توسُنیے “ خوبصورت السیشین، لمبے نوک دار کان والا کتا بھونکا، ”ہم بھی بہادر جانور ہیں میں خود کو الیکشن کے لیے پیش کرتا ہوں۔“ آپ نے ابھی تک پوری طرح یہ نہیں سمجھا ہے کہ آپ کا سب سے بڑا دشمن انسان ہے، انسان کے پاس بندوقیں ہیں، کاریں ہیں اور سب سے خوفناک چیز جسے چڑیا گھر کہا جاتا ہے جہاں وہ سب سے بہادر شیر تک کو پنجرے میں بند کر کے رکھتا ہے ۔“ پھر کتے نے اپنے حلق کی آواز کو تھوڑا دھیما کر کے کہا ”لیکن وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے۔“ اس لیے مجھے معلوم ہے کہ اس کا بہتر استعمال کیسے کیا جا سکتا ہے۔؟ شیر پھر بے صبر ہو کر غرّایا..... غرر۔ غرر..... غرر....

میں ایک کتے سے بہت زیادہ مقابلے کی قابلیت رکھتا ہوں یہ میرے مقابلے میں ایک بھنگی کی حیثیت رکھتا ہے؟ چل بھاگ یہاں سے فضول کتے۔"

تمام جنگلی جانوروں کا اتنا شور تھا کہ کان بہرے ہوئے جا رہے تھے بے چاری گائے اور بکری تو چند قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ مگر کتا اپنی جگہ ڈٹا کھڑا رہا۔

"میں مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم بے وقوف ہو" عقل مند الّو نے اپنے ہلکے سے پر پھڑ پھڑائے۔ ٹھیک ہے اگر یہاں مقابلہ ہوا تو میں جج (منصف) بنوں گا۔ پہلے مجھے دیکھنے دو کون سب سے تیز دوڑتا ہے، پیڑ پر چڑھ سکتا ہے۔ اور جنگل میں چھپ سکتا ہے؟"

ان تمام مقابلوں میں شیر جیت گیا۔ وہ ایک دم دوڑا جب کہ کتا ابھی شروع ہی کرنے والا تھا۔ اس نے ایک موٹے سے پیڑ پر چھلانگ لگائی اور نیچے آ گیا جب کہ کتا صرف پیڑ کا تنا ہی گھر چتا رہ گیا۔ کتا جنگل میں خود کو چھپا بھی نہ سکا۔ ہری جھاڑیوں کے پیچھے سے اس کا جسم صاف نظر آ رہا تھا شیر نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو اس کے رنگ سے ملتی جلتی تھی وہ وہاں جا کر بالکل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ہا..... ہو..... ہا..... ہا..... جنگل کے جانور ہنسے۔

آخری مقابلہ "الّو زور سے بولا۔ "تم دونوں ایک ہی جگہ سے شکار کرو گے اور بہترین جانور فتح یاب ہوگا۔"

انھوں نے ایک خوبصورت ہرن کی تلاش شروع کی اگرچہ کتا بہت تیز دوڑا مگر بھلا شیر کا کہاں مقابلہ کر سکتا تھا؟ اور اگر اسے ہرن مل بھی جاتا تو اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسے مارا کیسے جاتا ہے۔ کتا اپنی ناک سکیڑ سکیڑ کر سونگھ ہی رہا تھا کہ شیر نے اسے بھنبھوڑ ہی ڈالا۔ کتا کچے گوشت کی نسبت پکے ہوئے گوشت کو اہمیت دیتا ہے۔

پالتو جانور ہار گئے اور جنگلی جانوروں نے ان کا مذاق بنایا وہ بہت ٹھکرائے ہوئے اور ناخوش تھے کہ جنگلی جانوروں سے ان کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ شیر ہی جنگل کا راجہ بنا۔ اس کو سب سے اونچا مانا گیا وہ جانوروں کو

ڈراتا رہا۔ وہ بہت ہی ظالم راجہ تھا اور اگر اس کے پاس اگر کوئی مقدمہ آتا تو اس کا فیصلہ مجرم کو کھا کر ہی ہوتا۔ دوسرے جانور اتنے ڈر گئے کہ وہ اپنا فیصلہ بجائے راجہ کے پاس لے جانے کے خود ہی فیصلہ کر لیتے۔ اس طرح وقت گزرتا رہا اور شیر بوڑھا ہو گیا۔

ایک مرتبہ ایک شکاری نے شیر کا تعاقب کیا اور وہ اپنی گھٹیا زدہ ٹانگوں اور کالا پانی اُتری آنکھوں کی وجہ سے اپنے آپ کو بچانے کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ ایک گڑھے میں گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ خون بہنے لگا اور سخت درد تھا شیر نے گڑھے سے نکلنا چاہتا مگر پھر گر پڑا وہ بہت ہی تھکا ہوا اور پیاسا تھا تھا اس نے آوازیں لگائیں۔ "ٹلو لنگور مجھے پانی پلا دو۔ مہربانی ہو گی۔ میرے بہت درد ہو رہا ہے۔"

مگر کوئی نہ آیا۔ کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ کسی نے بھی اسے کھانا یا پانی نہیں پہنچایا۔ شیر کی تکلیف بڑھتی گئی وہ بھوک اور پیاس سے بے ہوش ہو گیا اُسے محسوس ہوا جیسے وہ مر جائے گا اچانک اُسے لگا جیسے کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنا بھاری جھبر اسر بڑی مشکل سے دیکھا تو اسے ایک جھاڑی میں سے گیدڑ جھانکتا ہوا نظر آیا اس نے دیکھا ایک حقیر سا جانور اپنی تیز آنکھوں اور پیلے دانتوں کے ساتھ اس کی موت کا انتظار کر رہا ہے کہ کب وہ مرے تو گیدڑ اس کی ہڈیوں سے گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔

غر..... غر..... شیر غصے اور تکلیف سے دھاڑا وہ مرنے کو تیار نہ تھا۔ مگر گیدڑوں نے اس کی موت کو محسوس کر لیا تھا اور وہ بہت دور نہیں گئے تھے کچھ دیر بعد شیر کا سانس پھولنے لگا۔ وہ پانی کے لیے چیخ رہا تھا "براہِ مہربانی پانی دو میں بہت پیاسا ہوں۔"

جواب میں اُس نے دیکھا کہ قریب کے درخت پر اپنی ظالم چونچیں گاڑے گدھ اس کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ شیر مایوسی سے چیخ رہا تھا "مہربانی کر کے مجھے پانی دے دو۔" وہ تھک گیا اور تھک کر گر پڑا وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا جیسے ایک بلی کا بچہ۔

تبھی جنگل سے ایک کسان اپنی بیل گاڑی میں گزر رہا تھا۔ وہ بازار سے آرہا تھا اور اس کا پیارا کتا بھی اس کے ساتھ تھا کتے نے بوڑھے شیر کی چیخیں سنیں اور وہ اسے دیکھنے گیا۔ اس نے دیکھا کہ شاندار بہادر شیر، جنگل کا بادشاہ، ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور بجھی بجھی ہوئی آنکھیں لیے پڑا ہے شیر بہت دبلا ہو گیا تھا اور

اس کی کھال بہت ڈھیلی اور میلی ہو رہی تھی جب اس نے کتے کو دیکھا تو ہانپتے ہوئے کہا"پانی۔"

فوراً ہی کتا بیل گاڑی کی طرف دوڑا اور اپنے دانتوں میں دبا کر چمڑے کی تھیلا لایا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔پانی ٹھنڈا اور میٹھا تھا شیر نے پیاس بھر کے پیا۔اس نے پورا پانی ختم کیا اور پھول کی طرح کھِل گیا۔

اس نے اپنا کمزور سر ہلا کر کہا۔"شکریہ دوست"

"جنگل کا کوئی بھی جانور میری مدد کے لیے نہیں آیا"

"مقابلے کے دن جب راجہ کا انتخاب ہونا تھا تم ہر طرح مضبوط تھے اور جنگل کے سب جانوروں نے تمھارا ہی ساتھ دیا تھا مگر آج جب تم زخمی اور بوڑھے اور مرنے کے قریب پہنچ گئے تو جنگل کا کوئی بھی جانور تمھاری مدد کے لیے نہیں آیا۔ بادشاہ بننے کے لیے صرف طاقت اور اونچی آواز ہی نہیں بلکہ رحم دلی اور محبت کی بھی ضرورت ہے۔ تمھیں کمزوروں اور اکیلوں کا دوست ہونا چاہیے۔ تم نہیں جانتے کہ وہ کب مدد کر سکتے ہیں" کتا بھونکا" دیکھو گدھ اور لگڑ بھگے سب بھاگ گئے جب انھوں نے دیکھا تمھیں ایک دوست مل گیا ہے۔ پھر کتا یہ وعدہ کر کے چلا گیا کہ کل وہ کھانا پانی لے کر پھر آئے گا۔

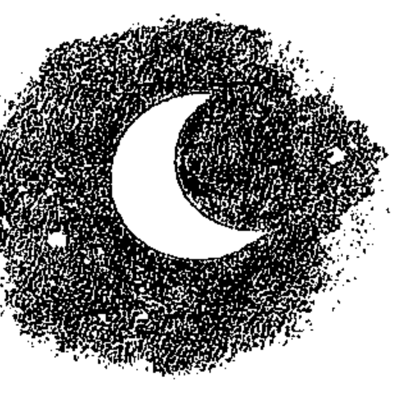

خصوصی انعام

انٹر اسکول کھیلوں کے مقابلے کا آخری اور فیصلہ کن چیمپین شپ میچ ہو رہا تھا۔

یہ دن جوش، خوف، اُمید، اعتماد، گھبراہٹ ناامیدی کے درمیان میں گزر رہا تھا۔

میچ ایک اچھے جذبہ سے کھیلا جا رہا تھا دونوں ٹیمیں برابر چل رہی تھیں۔

لیکن سانس رُکنے لگے جب ڈرامائی انداز میں میچ ختم ہونے سے صرف دس منٹ قبل 'بی' نے ایک زیادہ گول کر دیا 'اے' ٹیم کے کپتان ارن نے ہاتھ اٹھا کر گول تسلیم کر لیا۔

لیکن۔ بی ٹیم کے کپتان سُمت نے فوراً ہی کہا" مجھے افسوس ہے جناب کہ ہمارا کھلاڑی غلط سمت میں تھا۔"

اس چھوٹے سے وقفے میں آپس کی مخالفت، جذبات اور سالوں کی روایات کے مطابق کہاں؟ کیسے؟ موجود لوگوں میں اختلافات شروع ہو گئے۔

کھیل دوبارہ شروع ہوا اور آخری چند منٹوں میں 'اے' ٹیم کی قسمت چمک گئی انھوں نے ایک گول کر دیا جو ایک گول سے جیت گئی۔

لڑائی ختم۔ یہ لڑائی بندوقوں، بموں، میزائل یا راکٹ کی نہیں بلکہ تعصب، خواہشات، طاقت و کمزوری

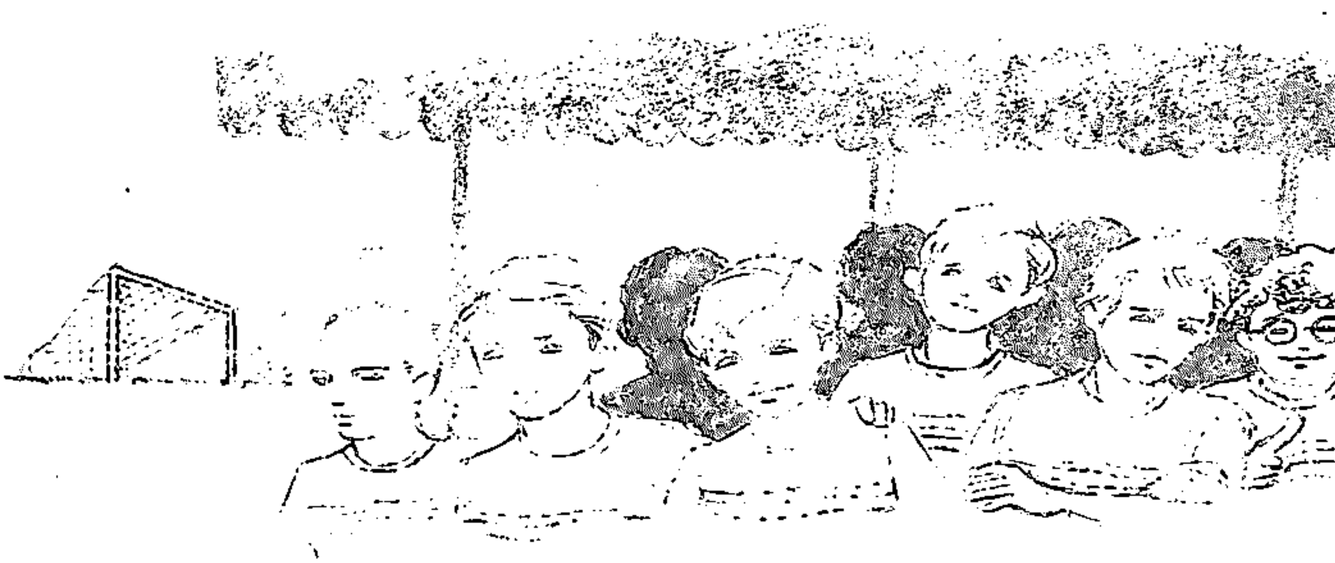

کی تھی شخصیتوں کی نہیں۔ مگر مختلف اسکولوں کا جوش، تیزی و تندی اور بحث وغیرہ آپس میں چل رہی تھی۔

'اے' ٹیم نے دو سال کے لیے ٹرافی جیت لی اور پھر.... دو سال کے لیے یہ اسکول کے دفتر میں سجادی گئی..... اور بغیر کسی اختلاف کے یہ اسکول کھیل میں ممتاز مان لیا گیا۔ کچھ دن پہلے یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ 'بی' ٹیم نئے کوچ اور نئے کپتان کے سایے میں ترقی کر رہی ہے "شاید وہ بے ایمانی کے نئے طریقے سکھا رہے ہیں "اے" ٹیم کے کھلاڑیوں نے وقت سے پہلے اندازہ لگایا۔

تقسیم انعامات سے قبل دونوں ٹیموں کے کپتان 'مائک پر کچھ کہنے کے لیے بلائے گئے پہلے سُمنت کو بلوایا اس نے بہت ٹھہری ہوئی اور صاف آواز میں کہا "میں اے ٹیم کے کپتان اور کھلاڑیوں کو عمدہ کھیل کی مبارک باد پیش کرتا ہوں کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ ایک بہت اچھی ٹیم ہے ہم نے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن خدا نے چاہا اگلے سال ٹرافی ہماری ہوگی۔"

اب 'اے' ٹیم کے کپتان کی باری تھی۔ ارُن نے بہت ہی جذباتی اور تھرائی ہوئی آواز میں بولنا شروع کیا "جناب آپ کی رہنمائی کا بہت بہت شکریہ۔ اور میری ٹیم کے دوستو تمھارا بھی بہت بہت شکریہ جو اتنا اچھا کھیلے" اور پھر بہت ہی نرم لہجے میں کہا "جناب آپ کی اجازت سے یہ کہنا چاہوں گا کہ میں

ایک ریکارڈ بناؤں گا۔ میں اس بات کو بھی سراؤں گا کہ بہت ایماندارانہ کھیل ہوا ہے جو 'بی' ٹیم نے بھی اچھی طرح کھیلا حالاں کہ کھیل بہت دباؤ میں ہوا پھر بھی بہت شاندار تھا" پھر بے ساختہ بولا "بہت مزہ آئے گا اگر آپ بھی جیت کی خوشی میں ہمارے اسکول میں جو جشن ہوگا۔ اس میں شرکت کریں۔"

ارُن نے محسوس کیا کہ اس نے پرنسپل سے اجازت لیے بغیر ہی سب کو مدعو کر لیا حد ہے کہ کھیل انچارج سے بھی اجازت نہیں لی۔

اس نے پرنسپل کی طرف سے معذرت آمیز اور ملتجیانہ نظروں سے دیکھا جنھوں نے صرف ایک بار گردن ہلا کر اپنی رضامندی دے دی۔

جشن کا دن آ گیا۔ اور ایک افواہ گرم ہوئی کہ پرنسپل آج شام اچانک "خصوصی انعام" (ایک بڑا کپ) دینے والے ہیں جو راز میں ہے نہ جانے کیسے یہ خبر اُڑی۔

ہر ایک کو یہ پوری اُمید تھی کہ بحیثیت کپتان جیت کی خوشی یہ کپ ارُن کو دیا جائے گا۔ کچھ لڑکے ٹٹولنے کے لیے کھیل انچارج کے پاس پہنچے "سر' یہ خصوصی انعام کسے مل رہا ہے؟"

مسٹر لال نے کہا "میں یقین سے نہیں کہہ سکتا؟"

لڑکوں نے اصرار کیا "سر، کیا یہ ہمارے کپتان کے لیے ہے صرف 'ہاں' یا 'نا' میں ہی جواب دے دیجیے۔

ان کا آخری جواب تھا "میرا خیال ہے" "تمھیں صبر کا سبق سیکھنا چاہیے چند گھنٹوں بعد معلوم ہو جائے گا۔ یہ انعام کسے ملے گا اور کیوں؟"

یہ غیر معمولی شخصیت ارُن کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان سب نے جوش میں ارُن کو گھیر لیا اور چلا

چلا کر مبارک باد دینے لگے۔

رُوہت سب سے تیز آواز میں کہا "تم ہی اس کے حقدار ہو" کلیش بھلا کیوں پیچھے رہتا۔اس نے کہا "ٹھیک ہے۔ ہم اس کی مشق کرلیں کہ ہم "کس طرح ارُن کو کندھوں پر اُٹھائیں گے۔"

مگر اس سے قبل کہ لڑکے ارُن کو اٹھاتے ایک سنجیدہ سی آواز آئی "یہ بہت اچھا ہے کہ آپ اتنے خوش ہیں مگر ہمیں سہ پہر تک انتظار کرنا چاہیے ہم براہِ راست پرنسپل سے کیوں نہ پوچھیں کہ وہ کسے ملے گا۔ تب ہی خوشیاں منائیں۔"

خصوصی انعام' کی امید میں ارُن کو اپنی خوشیوں پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس کے دل سے ایک صبر اور عزت و وقار پیدا کرنے والی آواز آرہی تھی کہ پرنسپل کا اعلان ہونے تک صبر کرے۔

شام ہوئی لڑکوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ خوشیاں منانے کے لیے پہنچنے لگے اور یہ ہجوم اسکول کے جشن کے لیے ہنسی مذاق، شوخیاں شرارتیں کھیلنا، کودنا ناچنا ان کے لیے نیا نہ تھا؟ ان کا اتفاق اور خوشی کا ماحول ضرور نیا تھا۔اس مخالف ٹیم کے نہ طنز تھے نہ رائے زنیاں۔ صرف نوجوانی کا جوش تھا۔ جشن کی خوشی اور آپسی ہنسی مذاق۔

ہر جگہ ارُن اور سُمت ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساتھ نظر آرہے تھے۔اور 'بی' ٹیم کے لڑکوں سے پوچھ رہا تھا "مجھے امید ہے دوستوں تم لُطف اٹھا رہے ہو گے۔ ہمارا ایک لڑکا آپ کو آپ کی نشستوں تک پہنچا دے گا پھر آپ آزادی سے جہاں چاہیں بیٹھیں۔

اور اس کی تائید سُمت نے بھی کی "آؤ لڑکوں ہم سب مل کر جشن کو کامیاب بنائیں گے اور ایک مثال قائم کریں گے۔"

آخر وہ لمحہ آگیا جب پرنسپل صاحب اپنی نشست پر تشریف لائے اس میز پر ایک بڑا کپ رکھا جگمگا رہا

تھااور لڑکے سانس روکے ہوئے بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

انھوں نے فرمایا "لڑکوں میں بہت اختصار سے بتاؤں گا کیوں کہ میں تمھاری خوشیوں کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا اس سال کے چیمپین مقابلے بہت خاص تھے کیوں کہ یہ کھیلوں کے اصل جذبے کے تحت کھیلے گئے تھے۔

اس ایک ہفتہ کے کھیلوں کی ایک خاص بات یہ تھی کہ دونوں کپتانوں کے دل ملے۔ ایک صحت مند کھیل کا ماحول ملااور بہت مثالی ماحول۔ پھر انھوں نے ایک لمبا سانس لیااور کہاکہ "کپ...... خصوصی کپ.... بی ٹیم کے کپتان سُمنت کے لیے ہے، جس نے اس سلسلہ کا 'پہلا قدم' اٹھایا ہے۔"

ہر طرف سے دادو تحسین کے نعرے آسمان تک گونجنے لگے۔

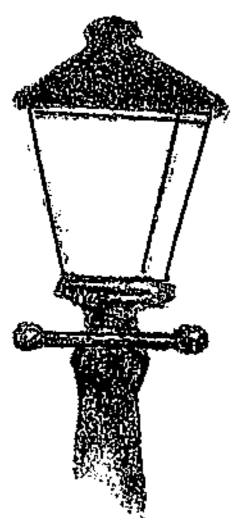

نجات دہندہ رائل

رائل سمندر کے کنارے ریت پر پریشان اور اُکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ اسے زندگی سے نفرت..... اور اس حقیقت سے بھی نفرت ہو رہی تھی کہ اس کے پتا جی کا اڑیسہ کے اس ساحلی علاقہ میں تبادلہ کیوں کیا گیا۔

رائل اپنے پرانے اسکول..... اپنے دوستوں کی کمی بُری طرح محسوس کر رہا تھا جنھوں نے اسے اپنی ٹولی کا قائد بنا رکھا تھا اور یہاں وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس کی کوئی پہچان نہ تھی۔

اس کی ممّی نے کہا وہ جلد ہی اس دلکش جگہ کا عادی ہو جائے گا۔

انھوں نے تھوڑی تلخی سے کہا "کیا ہم اس معاملہ میں خوش قسمت نہیں ہیں کہ ہمیں سمندر کے اس قدر قریب گھر ملا ہے۔ کہ ساحل دروازہ پر ہی ہے۔" رائل نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ کاش! وہ اس سے اتفاق کر سکے لیکن وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا اور نظر انداز کیا ہوا سمجھتا تھا.... وہ اسے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ اس طرح اس کا الگ الگ یا تنہا رہنے کو اس کے کلاس کے ساتھی مغرور یا خود پسند بھی سمجھ سکتے ہیں۔

آج کل یہ لوگ "اربھدا" کی باتیں کرتے تھے۔ رائل کے کان سلگ اُٹھتے جب وہ زور دار قہقہے لگاتے جس وقت وہ پوچھتا یہ فٹ بال کی طرح کا ایک مقامی کھیل ہے کیا؟"

"نہیں، میرے دوست..... اَربھدا" میکسیکن زبان کا ایک لفظ ہے یعنی جب کچھوے اکٹھے ہو کر آتے

ہیں اور اپنے انڈے زمین پر چھوڑ جاتے ہیں۔" سومین نے بہت نرمی سے جواب دیا۔

"اوہ" اچھا، راہل بڑبڑایا اور فیصلہ کیا کہ وہ سمندری کچھوؤں کو ڈھونڈ لے گا تاکہ ان لڑکوں کے سامنے بے وقوف نہ نظر آئے۔

سمندری ساحل بہت ٹھنڈا اور پرسکون تھا جہاں راہل بیٹھا تھا وہاں زیادہ آدمیوں کی آمدورفت بھی نہیں تھی راہل کو یہ حصہ بے حد پسند تھا اسے یہاں ایک عجیب قسم کا سکون محسوس ہوتا تھا۔ اور وہ یہ تسلیم

کرتا تھا کہ اسے اس جگہ سے لگاؤ ہے۔ رائل نے اپنے پیر کے قریب ایک سرسراہٹ سی محسوس کی اس نے جُھک کر دیکھا کہ یہ کیا تھا اس نے پہلے ہی یہ دریافت کرلیا تھا کہ اگرچہ یہ ساحل سوکھا نظر آتا ہے مگر یہاں بہت سے ریت کے کیڑے مکوڑے میزبان ہیں اور یہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اس نے دیکھا کہ یہ حرکت ایک گھونگے کی ہے جو بڑی محنت سے آہستہ آہستہ ریت پر چل رہا تھا اس کی کمر پر اس کا گھر رکھا تھا "شاید اسی وجہ سے اس کی چال دھیمی تھی۔" رائل بے دلی سے مسکرایا۔

شام ہو چکی تھی چند گھنٹوں میں سورج غروب ہونے والا تھا۔ رائل ساحل کی گھاس پر درختوں کے ایک کنج کے نیچے بیٹھا تھا جہاں وہ گھونگھا کھسک رہا تھا۔ ایک شور سا سُن کر اس نے اوپر دیکھا---

رائل ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا کہ کچھ مچھیرے مچھلیاں پکڑ کر اپنے دورے سے واپس آرہے تھے وہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کہ کچھ لوگ کشتی ہی سے کودے اور پھر اسے کھینچ کر اوپر لائے انھوں نے ایک قسم کی مچھلیوں (Silver Fish) سے بھری ہوئی ٹوکریاں اتاریں اور جال سکھانے کے لئے ریت پر پھیلا دیا۔

اسی وقت ایک آدمی مچھیرے کے قریب آیا اور پوچھا "کیا وہ آگئے؟"

"نہیں، بابو جی۔ مگر تقریباً ان کے آنے کا وقت یہی ہے" مچھیرے نے کہا "ہم وہی کریں گے جو آپ نے سمجھایا ہے۔" اس کے ساتھیوں نے بھی معاہدے کے مطابق اپنے سر ہلا کر تائید کی۔

یاد رکھو کہ "مجھ سے فوراً رابطہ قائم کرنا۔" یہ کہہ کر وہ آدمی اپنی کار کی طرف چلا گیا جو کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ اور فوراً ہی کار چلا کر نکل گیا۔

رائل کی تیوری پر بل آگئے۔ اسے حیرت ہوئی کہ یہ کس کا حوالہ دے رہے ہیں؟.... وہ کون تھے؟ ...... کس کی توقع کی جارہی تھی۔"

وہ سنجیدگی سے سوچ رہا تھا اور جب اسے اپنی باتوں کا جواب نہ مل سکا تو اس نے اپنا سر جھٹکا۔ جلد ہی مچھیرے چلے گئے اور ساحل پھر سنسنان رہ گیا۔

رائل اُٹھا اور کنارے کے کم گہرے پانی میں چلنے لگا اس نے ایک سیپی اٹھائی۔ جسے نہریں چھوڑ گئی تھیں اس کی شکل بہت ہی خوبصورت گھونگے مچھلی کی مانند تھی۔

"میں نے اس سے پہلے ایسی سیپی کبھی نہیں دیکھی یہ تو میں ریما کو دوں گا اسے سیپیاں اکٹھی کرنے کا

بہت شوق ہے'' وہ سوچتا رہا۔ ریما، رائل کی آٹھ سالہ بہن تھی جو اس سے تین سال چھوٹی تھی اسے یہ نیا ماحول اور آس پاس کی جگہیں بہت خوشنما لگتیں۔

رائل نے اپنی آنکھوں پر سایہ کیا اور سمندر کی طرف دیکھا کہ کوئی چیز سمندر میں تیر رہی ہے وہ جلدی سے پیچھے ہٹا اور جھجکتا دبکتا ساحلی گھاس کے پیچھے چلا گیا۔ کچھوے کا ایک بدشکل سا زیتونی براؤن رنگ کا جوڑا پیٹ کے بل گھسٹتا بمشکل ریت پر پہنچا۔ رائل کو دلچسپ لگا۔ جہاں وہ چھپا ہوا تھا اس کے بہت قریب وہ پہنچا اور انھوں نے ریت کو کھودا بار بار اپنے آگے کے حصّہ سے کھود کھود کر اسے کافی بڑا اور گہرا کر لیا۔

رائل بہت حیران رہ گیا جب کچھوؤں نے گڑھا تیار کر لیا..... ان کے چہرے پر آنسو بہہ رہے تھے ''یہ رو کیوں رہے ہیں۔''

تقریباً بیس منٹ کے بعد آہستہ آہستہ واپس لوٹے جب کچھوے وہ گڑھا بھر رہے تھے تو رائل کو سفید سفید انڈوں کا ایک ڈھیر نظر آیا تھا۔ رائل انتظار کر رہا تھا کہ دیکھیں اب کچھوے کیا کرتے ہیں؟ وہ ڈر سا گیا کیوں کہ وہ ساحلی گھاس کے اسی کنج کی طرف آرہے تھے جہاں وہ چھپا ہوا تھا۔ کچھوؤں نے کچھ گھاس اکھاڑی اور اسے انڈوں کی جگہ ڈھانکنے کے لیے استعمال کیا۔

تب وہ آڑے ترچھے چلتے ہوئے ساحل سے سمندر کی طرف گئے۔ اور تیرنے لگے کچھ ہی دیر میں نظروں سے غائب ہو گئے۔

رائل کھڑا ہوا اور اپنے اکڑے ہوئے ہاتھ پیر ہلائے اس نے ابھی کچھوؤں کو آتے اور اپنے انڈے رکھتے دیکھا تھا کیا خوبصورت منظر تھا........

اور وہ بھی دن کی روشنی میں....... اسے یقین تھا کہ اس کے کسی دوست نے خواب میں بھی یہ نہیں

دیکھا ہوگا۔

اور تب اس کی سمجھ میں آیا کہ مچھیرے سمندری کچھوؤں کے ہی آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ انڈوں کے ہی پیچھے تھے۔ بہتر ہے کہ "میں انھیں جمع کر کے ایک محفوظ مقام پر پہنچادوں تاکہ ان میں سے آسانی سے بچے نکل سکیں۔" راہل نے سوچا اور گھر کی طرف بھاگا۔

ریما باغ میں کھیل رہی تھی اسے حیرت ہوئی کہ راہل بغیر اس سے بات کیے ہی اندر چلا گیا کچھ ہی منٹوں میں وہ اندر سے کچھ بڑی پلاسٹک کی ٹوکریاں لے کر آیا۔

"ریما۔ مہربانی سے کیا تم دو بڑے گڑھے اس ریت میں کھود سکتی ہو؟ اور جب تم کھود لو تو سمندری ساحل پر آجانا" راہل نے اس کے کندھے کے قریب کھڑے ہو کر کہا اور بھاگ گیا راہل اس وقت تک نہیں رُکا جب تک ریت کے اسی حصہ تک نہیں پہنچ گیا جہاں سمندری کچھوؤں نے اپنے انڈے رکھے تھے۔ اس نے بہت ہوشیاری سے ڈھانکی ہوئی گھاس ہٹائی۔ اور اپنے ہاتھوں سے احتیاط کے ساتھ مٹی ہٹاتا رہا۔ اس کے منہ سے ایک خوشی کی آواز نکلی۔ جب اس نے گھونسلے میں سینکڑوں سفید انڈے دیکھے وہ منہ سے سیٹی بجانے لگا۔ ہر انڈا اتنا بڑا تھا جیسے گولف کی گیند، راہل نے سمجھ لیا کہ دوسرے کچھوے نے بھی بہت ڈھیر انڈے ڈالے ہیں۔

راہل نے ٹوکریوں میں کچھ ریت ڈالی پھر ایک ایک کر کے انڈے ان میں جمانے شروع کیے۔ اس نے تین سائے آتے دیکھے وہ فوراً مڑا۔

سوہن نے فوراً کہا "ہیلو راہل..... دھیرن اور میں نے سوچا کہ تمھیں بلائیں ہمارے پاس اس سے بہتر وقت نہیں تھا لیکن پہلے ہم اپنا کام کر لیں۔ تشریح بعد میں ہوگی۔ " وہ اور اس کا بھائی دھیرن، ریما کے ساتھ ہی آگئے تھے۔ راہل نے ان کا استقبال کیا کیوں کہ مزید ہاتھ اس کا ہاتھ بٹانے آگئے تھے

انھوں نے چھ ٹوکریاں انڈوں سے بھر لیں۔

رائل نے کہا "سوہن، دھیرن اور میں اپنے باغ میں بنے ریت کے گڑھوں میں یہ انڈے گاڑیں گے اور جب تک ہم آئیں ریما تم یہیں ٹھہرو" رائل نے کہا اور سب انتظام کر لیا۔

لڑکوں نے تقریباً دو درجن چکر لگائے اور سمندری کچھوؤں کے انڈے رائل کے باغ میں منتقل کر دیے۔

"تمھارے تعاون کا شکریہ۔ اب میں تمھیں بتاؤں گا کہ کیا واقعہ ہوا" رائل نے مسکرا کر کہا وہ ان کا شکر گزار تھا۔

اس نے سلسلہ وار سارا قصہ اس وقت سے سنایا جب وہ اجنبی مچھیروں سے باتیں کر رہا تھا۔

ریما نے پوچھا "سوہن مجھے بتاؤ آخر وہ سمندری کچھوؤں کے پیچھے کیوں پڑے تھے؟"

سوہن نے کہا "گوشت اور چربی کے لیے سمندری کچھوے روپیہ کمانے والی قسم کے ہوتے ہیں سمندری کچھوے کی کھال سے زیور بنائے جاتے ہیں۔ ان کے انڈے بہت لوگ شوق سے کھاتے ہیں۔" دھیرن نے مزید بتایا۔

سوہن نے پوچھا "رائل تم نے جو کچھوے دیکھے ان کے بارے میں بتا سکتے ہو۔"

رائل کی پیشانی پر سوچنے والے بل پڑے اور اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ "ان کی کھال زیتون کے رنگ کی براؤن اور ٹانگیں پیلاہٹ لیے ہوئے تھیں۔ وہ لمبائی میں ایک میٹر سے کم ہوں گے تو تم نے زیتونی رڈلیز" دیکھے ہیں وہ مچھیرے صحیح تھے۔ ار بھد اقریب آ رہا ہے خوشی کا مقام ہے رائل، تم کتنے خوش نصیب ہو کہ تم نے حقیقی سمندری کچھوے دن کی روشنی میں دیکھے کیوں کہ یہ رات کو آتے ہیں

کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا ہے جو دن کے وقت دکھائی دیں۔ سومن نے کہا کہ "یہ زیتون کے رنگ کے رڈلیز" (کچھوے) سورج غروب ہونے کے بعد ہی اپنے انڈے دینے آتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل فراموش نظارہ تھا۔ رائل نے تسلیم کیا مگر یہ زیتونی کچھوے جب انڈے دے رہے تھے تو رو کیوں رہے تھے؟ اور ان میں سے بچے کب نکلیں گے جو انڈے ہم نے بچائے ہیں؟" اولیو (زیتونی) رڈلیز گرم سمندر میں رہتے ہیں وہ سمندری پانی کے نمک سے نجات پا رہے تھے دھرین نے وضاحت کی۔

سومن نے سوچ کر کہا "اُن انڈوں سے بچے نکلنے میں تقریباً 45 سے 50 دن لگیں گے۔ اولیو رڈلیز مزید انڈے دینے پھر آئیں گے" "بہتر ہوگا اگر ہم "اربھدا" کے بارے میں اطلاع دے دیں۔" "وہ ساحل کے اس حصہ کا دھیان رکھیں گے اور مچھیروں کے ذبح کرنے سے بچا سکیں گے ان کے انڈے بھی جمع کر کے بچے حفاظت سے نکلوا دیں گے۔ رائل بہتر ہے کہ جو انڈے ہم نے جمع کیے ہیں وہ بھی انھی کو دے دیں۔ ممّی 250 چھوٹے چھوٹے سمندری کچھوے کے بچّوں کا باغ میں اِدھر اُدھر گھومنا برداشت نہیں کر سکیں گی۔ ریما نے مشورہ دیا رائل راضی ہو گیا مگر اس وقت وہ خوش ہو گیا جب سوسائٹی نے اسے کچھ انڈے رکھنے کی اجازت دے دی تاکہ وہ انڈوں سے بچے نکلنے کی نگرانی کر سکے اور اس وقت اسے اور بھی خوشی ہوئی جب انھوں نے اسے "اربھدا" پر نظر رکھنے کی بھی اجازت دے دی۔ اور یہ امتیازی حق کبھی کبھار ہی کسی کو ملتا ہے۔

اس نے دیکھا کہ اسکول میں وہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گیا ہے یقیناً دھرین اور سومن نے اپنے سب دوستوں کو بتایا ہوگا کہ اس نے انھیں کس طرح بچایا۔

رائل خوش تھا آخر اسے سب نے قبول کر لیا۔

تقریباً 45 دن میں انڈے چٹخے اور بچے نکل آئے۔ رائل، ریما اور اس کے دوست بچّوں کو لے کر سمندر پر آئے اور انھیں تیرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

بہت بڑا خاندان

دس سالہ رادھا اپنے نئے گھر کا معائنہ کرنے کے لیے ایک کمرے سے دوسرے کمرہ میں اچھلتی پھر رہی تھی۔ یہ کتنا اچھا ہے۔ کتنا خوبصورت ہے۔ بالکل اپنا لگتا ہے جیسا اس نے تصویروں میں شہروں کے گھر دیکھے تھے یہ بالکل گھٹی ہوئی تاریک جھونپڑی کی طرح نہیں ہے۔ جس میں وہ نیچے وادی میں رہتی تھی۔ جس کی چھت ہمیشہ ٹپکتی رہتی تھی، جس کا ایک کمرہ لیادھوئیں سے بالکل کالا ہو رہا تھا۔ اس نئے گھر میں دو کمرے تھے ایک چھوٹا کمرہ جو اس کی ماں نے باورچی خانہ کے لیے لیا تھا۔

اسے باہر کچھ شور شرابہ سنائی دیا تو وہ دروازہ کی طرف دوڑی تو دیکھا کہ کچھ لوگ بوڑھے سوہن کاکا کو پہاڑی میر کا کا برابر اس جوان لڑکے پر غصے سے چلا رہے ہیں جو انھیں لا رہا تھا "تمھیں کیا حق پہنچتا ہے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا؟ مجھے واپس جانے دو۔"......

رادھا کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس قدر خوش اخلاق اور نرم مزاج سوہن کا کا کو اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟ اس نے ماں سے پوچھا "یہ سوہن کا کا کو کیوں لا رہے ہیں۔ ان کی ماں باورچی خانہ میں برتن سلیقہ سے رکھ رہی تھیں۔

"وہ وادی میں ہی رہنا چاہتے ہیں یہاں نہیں آنا چاہتے "لیکن کیوں؟"

"مجھے پریشان مت کرو انھیں سے پوچھو جا کر۔"

رادھا باہر بھاگی وادی میں رہنے والے سبھی لوگ اوپر آ رہے تھے سب کو نئے مکان مل رہے تھے۔

رادھا جانتی تھی کہ جیسے ہی بارش ہو گی تمام پانی وادی میں جمع ہو جائے گا اور وہ ایک جھیل میں بدل جائے گا۔ بڑے باندھ، باندھنے کا کام مکمل ہو چکا تھا کچھ اہم لوگوں نے آکر اُنھیں سمجھایا تھا کہ بندھ ان کے اور سبھی کے لیے کس قدر مفید ہے رادھا اگر چہ ان کی پوری بات سمجھ نہ سکی تھی مگر اس کا شوق بڑھ گیا تھا۔ گاؤں کے مکھیا چمپک رام نے سوہن کاکا سے کہا "ضد چھوڑ دو۔ وقت بدل رہا ہے تم ترقی کو روک نہیں سکتے۔"

رادھا آدمیوں کو چیرتی پھاڑتی اس چھوٹے سے پلنگ کے پائے پر ٹک گئی۔ جس پر سوہن کاکا بیٹھے تھے۔ اس نے ان کے چہرے پر چھائی وہ اداسی دیکھی۔ جو اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کا قصہ سناتے ہوئے چھا جاتی تھی جو کچھ عرصہ قبل ٹرک کے پہیّے کے نیچے آگئی تھی۔ چمپک رام خاموش ہو گئے مجمع آہستہ آہستہ چھٹ گیا صرف رادھا اکیلی وہاں رہ گئی سوہن کاکا نے اپنی تھکی تھکی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا رادھا بولی "آپ اس قدر اُداس کیوں ہیں؟" بزرگ نے جواب دیا "کیوں کہ ان لوگوں نے میرا گھر لے لیا۔"

رادھا کھسک کر ان کے اور قریب آکر بولی۔ "لیکن ہم سب کی طرح آپ کو بھی ایک نیا گھر ملا ہے۔"

"ہاں میری پیاری بچّی میں واقعی بوڑھا اور سٹھیا گیا ہوں۔

رادھا سوچ میں ڈوبی اپنے گھر واپس آگئی وہ کسی کو اُداس نہیں دیکھ سکتی تھی۔

دوسرے دن آسمان پر کالے کالے بادل چھا رہے تھے ہوا میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آرہی تھی رادھا کے پتا جی نے کہا "بارش آنے والی ہے اس سال ہمیں فرش کی سیلن کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

رادھا نے وادی کے پار باندھ کی طرف دیکھا تو اسے لگا جیسے باندھ اپنے طاقتور ہاتھوں سے بارش کا پانی روکنے کو کھڑا ہے اسے سوہن کاکا بھی نظر آئے جو بیساکھیوں کے سہارے کھڑے باندھ کو نہیں بلکہ نیچے وادی کو دیکھ رہے تھے۔

بادل کڑک رہے تھے جیسے کالے کالے بھیانک دیو وادی میں دوڑ لگا رہے ہوں۔ ہوا کی تیزی سے دروازے اور کھڑکیاں بج رہی تھیں۔

رادھا اُٹھ کر اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ مانسون پہنچ چکے تھے۔ رادھا کو بارش بے حد پسند تھی۔ ایک دم زور کڑک ہوئی رادھا کانپ اٹھی۔ ایک سیکنڈ کے لیے زبردست بجلی چمکی، ہر چیز چمک اٹھی مگر پھر اندھیرا چھا گیا وہ کھڑکی میں کھڑی ہو کر بارش میں بھیگی سوندھی سوندھی خوشبو سونگھنے لگی۔

ایک ہی لمحہ میں جب اس کی نظر دوسری طرف گئی تو اس نے دیکھا کہ ایک سایہ لنگڑاتا ہوا چلا جارہا ہے اس نے دیکھا سوہن کاکا پہاڑی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

"وہ کہاں جارہے تھے؟"

بغیر کسی ہچکچاہٹ کے رادھا کمرے سے باہر بھاگی۔ اپنے سوئے ہوئے والدین پر ایک نظر ڈالی، آہستہ سے دروازہ کھولا اور نیچے کی طرف بھاگی اس کے اسکرٹ میں ہوا بھری تو وہ اس کی ٹانگوں میں چپکنے لگا تو اس نے اسے پکڑا اور اسی طرف بھاگی جہاں سوہن کاکا جارہے تھے اسی لمحہ بجلی چمکی تو اسے لنگڑاتے ہوئے سایہ کی جھلک نظر آئی وہ چلائی۔ "سوہن کاکا" مگر ہوا کے شور میں اس کی آواز وہاں تک پہنچ نہ سکی۔ ایک دم گڑگڑاہٹ نے اس کی قدم روک دیے پہاڑ پر یہ وقت خوشگوار نہیں بلکہ بے حد ڈراؤنا تھا۔

بجلی دوبارہ چمکی تو رادھا نے دیکھا سوہن کاکا لڑکھڑا رہے ہیں وہ اپنا ڈر بھول کر ان کی طرف دوڑی سوہن کاکا نیچے اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کو دیکھ رہے تھے۔ رادھا نے دروازے میں ان کو جا پکڑا۔ اس نے ان کے بازو پکڑ لیے اور جھول گئی۔

ک۔ ک۔ کیا ہے رادھا..... میری بچّی "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" انھوں نے پوچھا۔

رادھا نے کہا "سوہن کاکا میں نے آپ کو یہاں آتے ہوئے دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ آپ اُداس تھے۔ کچھ ہی دیر میں وادی میں سیلاب آجائے گا اور آپ ڈوب جائیں گے۔"

بزرگ نے اس کا پُر جوش، معصوم سا چہرہ دیکھ کر بہت نرم لہجے میں کہا "رادھا تم بہت بہادر لڑکی اور بے حد ہمدرد بھی ہو کیا تم میرے ایک سوال کا جواب دو گی؟"

"کیا؟سوہن کاکا؟"

اگر تمھارا خاندان وادی میں پھنس جائے تو کیا تم انھیں چھوڑ دو گی اور اپنی جان بچالو گی؟"

"نہیں کبھی نہیں۔"

"تم کیا کرو گی۔"

"میں کوشش کروں گی انھیں بچالوں گی۔"

اور اگر تم میری طرح اپاہج ہو اور کچھ نہ کر سکو۔" رادھا نے ان کے جھرّی بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا"مگر آپ کا تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"میں ابھی آیا ہوں میں تمھیں دکھاتا ہوں۔"

سوہن کاکا اپنی رہنمائی میں رادھا کو جھونپڑی میں لے گئے۔ انھوں نے کپکپاتے ہاتھوں سے ماچس جلایا اور موم بتّی روشن کی۔ اور اسے جھونپڑی کے ایک گوشہ میں لے گئے موم بتّی کی روشنی میں اس نے گندی سی دیواریں اور باریک لکڑی کے جال کا پردہ دیکھا وہ سوہن کاکا کے ساتھ کونے میں گئی اور اس نے چھوٹا سا گھونسلا دیکھا جس میں گورّیا (چھوٹی چڑیا) کے دو چھوٹے چھوٹے سہمے ہوئے بچّے دیکھے۔ ان کے آس پاس گھبرائے ہوئے ماں اور باپ تھے۔

رادھا دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جب سوہن کاکا نے آہستہ آہستہ انھیں پچکارا اور احتجاج کرتے ہوئے گورّیے ایک دم خاموش ہو کر اپنا سر ہلانے لگے..... رادھا نے کہا "مگر یہ تو چڑیاں ہیں۔"

سوہن کاکا نے کہا "ہاں یہی مرا خاندان ہے۔" انھوں نے موم بتی ایک دیوار پر رکھتے ہوئے کہا "رادھا تم بہت خوش قسمت ہو تمھارے والدین ہیں۔" "میں نے اپنے والدین بہت عرصہ پہلے ہی کھو دیے تھے۔ مجھے اچھی طرح وہ یاد بھی نہیں ہیں جب میں نے اپنی ٹانگ کھو دی تو میں اس گاؤں آیا اور یہیں اپنا گھر بنالیا میں بہت اکیلا تھا مگر اس وادی کے بچے، یہ جانور، اور یہ چڑیاں ہی ہیں جو میری زندگی میں خوشیاں لائے۔"

اب ایک زور کی گھڑ گھڑاہٹ اور بارش کا پانی آنے لگا۔ اور پانی کی تیز دھار تھپیڑے لگانے لگی۔ پوری زمین پانی سے بھر گئی۔

رادھا اتنے زور سے چیخی کہ طوفان میں بھی اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "سوہن کاکا اب ہم یہاں نہیں رہ سکتے آپ میرے ساتھ آیئے۔"

"نہیں مرے بچے تم جاؤ میں اپنے خاندان کے ساتھ یہیں رہوں گا تم دیکھ نہیں رہیں۔ یہ کتنے خوفزدہ ہیں ان کے علاوہ میرے پاس صرف ایک ہی بیساکھی ہے جس کے سہارے اس طوفان میں اوپر پہاڑی پر نہیں چڑھ سکتا۔"

رادھا نے جرح کی "مگر آپ ڈوب جائیں گے؟

"تو کیا ہوا؟ تمام چھوٹی چھوٹی چڑیاں جو گھونسلوں میں رہتی ہیں وہ چھوٹے چھوٹے جالوں جو بلوں یا بھٹ میں رہتے ہیں۔ وہ خوبصورت پیڑ جو ہمیں سایہ اور پھل دیتے ہیں ان کا کیا ہو گا؟"

سوہن کاکا نے دور کی سوچی رادھا جانتی تھی کہ ان کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے اس لیے مایوسی سے جھونپڑی کے چاروں طرف نظر دوڑائی تو اس کی آنکھیں ایک چھوٹے سے گتے کے ڈبے پر پڑیں اسے ایک خیال آیا اس نے وہ ڈبا اُٹھایا اور اپنے الٹے ہاتھ میں پکڑا دوسرے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ گوریے کے بچوں کو اس میں رکھ کر ڈبا بند کر دیا۔ سوہن کاکا نے جب ان کے ماں باپ کی زور و شور سے چلّانے کی آوازیں سُنیں تو پلٹے اور کہا:

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

رادھانے کہا''میں آپ کے خاندان کو بچارہی ہوں۔''

''کیا آپ ان گوریوں کو پکڑ کر اس ڈبے میں ڈال سکتے ہیں؟''

سوہن کاکانے سر ہلایا۔

''تو عمل کیجیے۔''

بوڑھے آدمی نے خاموشی سے چھوٹی بچّی کے حکم کی تعمیل کی تو اس نے ٹپکتی ہوئی چھت سے ایک پلاسٹک کا ٹکڑا اپھاڑ اس میں ڈبا لپیٹ لیا۔

اب آجایئے''اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا''ہمیں گھر واپس جانا چاہیے۔''

''بچّی تم چڑیوں کو لے جاؤ کیوں کہ میں بغیر دوسری بے ساکھی کے اوپر نہیں چڑھ سکتا۔

''میں تمھاری دوسری بیساکھی ہوں میرا کندھا پکڑ لیں اور میں آپ کو اوپر لے جاؤں گی۔''

وہ اسی بارش میں باہر نکلے رادھانے اپنا دبلا پتلا جسم ڈبے پر جھکایا اور سوہن کاکا، کا ٹیڑھا میڑھا سوکھا ہوا ہاتھ اپنے کمزور کندھے پر رکھ کر پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کی۔

چڑھائی بہت خوفناک تھی جب وہ اوپر پہنچے رادھا کے پورے جسم میں سخت درد تھا۔

سوہن کاکا اور ان کے بچّوں کو ان کے گھر چھوڑ کر جب رادھا اپنے گھر پہنچی تو وہ تھک کر چور ہو چکی تھی اور پھر تھک کر سو گئی۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ صبح ہو گئی نیلے آسمان پر سورج چمکنے لگا۔ بادل غائب ہو گئے اور زمین دُھل دُھلا کر صاف اور چمکدار نکل آئی رادھا کی ماں نے اس کا اسکرٹ زمین سے اُٹھاتے ہوئے کہا ''تمھارے کپڑے اتنے گیلے کیسے ہو گئے۔''

''اوہ میں کل رات باہر گئی تھی۔'' رادھانے کہا اور جلدی سے کمرے کے باہر نکل گئی تاکہ اس کی ماں زیادہ سوالات نہ کر سکے۔

رادھا کی ماں نے ناگواری سے سر ہلایا وہ اسے پہاڑی کے کنارے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

چھوٹی بچّی نے وادی کی طرف دیکھا اس کا ایک بڑا حصہ پانی کی چادر سے ڈھکا ہوا تھا اسے جھونپڑیوں کی شکل بھی نظر نہیں آرہی تھی وہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں اپنے گھونسلوں....اور چھوٹے چھوٹے جانور اپنے بلوں میں ..... سوچتے ہوئے وہ سیدھی سوہن کاکا کے گھر کی طرف دھڑ سے دروازے گھسی اسے گوریوں کے بچّوں کا چہچہانا اور سوہن کاکا کی خوشیوں سے بھرپور ہنسی سنائی دی۔اور اس کا دل ایک دفعہ پھر خوشی سے بھر گیا۔

کھیل کا ساتھی

رینا نے دھکیل کر جالی کا دروازہ کھولا اور گھر کے سامنے والے برآمدہ میں آئی۔ برابر کے میدان میں کچھ لڑکے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ رینا کافی دیر کھڑی کھیل دیکھتی رہی اور سوچ رہی تھی کاش وہ بھی میدان میں ہوتی اور اسی طرح پیر سے گیند مارتی۔ تبھی اس کی نظر اپنے اُلٹے پیر پر پڑی جو پولیو سے متاثر تھا اس کے دونوں بازوؤں میں بیسا کھیاں تھیں اور اس نے خصوصی جوتے پہن رکھے تھے۔ "اوہ خدایہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا؟ میں بھی دوسروں کی طرح کیوں نہیں ہوں؟ وہ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر مایوسی اور محرومی سے چیخ پڑی۔ اسے کھیل کے میدان میں قہقہوں کی صاف آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ حالاں کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ اگر وہ کھیلنے گئی تو شاید وہ اسے کھلالیں مگر وہ اس کا لطف نہیں لے سکیں گے وہ ان کا کھیل دیکھنے میں مصروف تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ اس خیال سے اطمینان سے نہیں کھیل سکیں گے کہ اس کا دل نہ ٹوٹے اور جلد ہی اُکتا جائیں گے وہ ان کے ساتھ خوش ہونا اور تفریح کرنا چاہتی تھی کسی کا رحم وکرم نہیں اس نے پھر ایک دفعہ میدان کی طرف دیکھا۔ کھیل زور و شور سے جاری تھا۔

اسی لمحہ رینا کی ممّی باہر نکلیں اور رینا کے برابر کھڑی ہو کر بولیں "کیا کر رہی ہو۔" اس نے کہا "کھیل دیکھ رہی ہوں۔ ممّی" انھوں نے رینا کو کھینچ کر اپنے قریب کیا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔

رینا نے حسرت سے کہا "میں فٹ بال کھیلنا چاہتی ہوں" اور اُس کی ساڑی میں منہ چھپالیا۔

اس کی ممی نے اسے زور سے بھینچ لیا اور کہا "بے شک چلو ہم باغ میں چل کر کھیلتے ہیں۔"

"نہیں میں ان کے ہمراہ میدان میں کھیلنا چاہتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ پاؤں سے فٹ بال مارنا چاہتی ہوں..... ماں؟" رینا رو دی۔ کیا میں ایسی نہیں ہو سکتی؟"

اس کی ممی نے اُداسی سے اپنی آٹھ سالہ بیٹی کو دیکھا جو تین سال کی عمر میں پولیو سے متاثر ہو گئی تھی۔ انھوں نے پیار سے اسے تھپکی دی وہ ان کی خوبصورت لڑکی، لمبے بال، کالی کالی آنکھیں گول پیارا پیارا چہرہ اور گھونگریالے بال.... آہ..... جلد ہی گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد اسکول کھل گئے اور رینا اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئی وہ ایک بہت ہی ذہین اور خوش اخلاق و خوش اطوار لڑکی تھی استاد اسے پسند کرتے مگر وہ خود کو تنہا محسوس کرتی اور اکثر اکیلی ہی رہتی تھی۔

ایک سہ پہر جب اسکول کی چھٹی ہوئی سبھی بچے دوڑتے ہوئے کلاس سے باہر نکلے اور اپنے اپنے گھروں کی جانب بھاگے۔ یہ آہستہ آہستہ اپنے گھر جا رہی تھی جو اسکول سے زیادہ دور نہیں تھا۔

دن بھر رُک رُک کر بارش ہوتی رہی تھی اور مٹی بہہ بہہ کر کافی پھسلنی ہو چکی تھی جگہ جگہ گڑھوں میں پانی بھرا تھا۔ رینا بیساکھیوں کے سہارے پھسلنی سڑک پر ہوشیاری سے چلی جا رہی تھی تقریباً آدھا راستہ طے ہو چکا تھا کہ اس نے دیکھا آم کے پیڑ کے نیچے کچھ کالی کالی چیز پڑی ہے۔

یہ کیا ہو سکتا ہے؟ اسے حیرت ہوئی اور جتنی تیز چل سکتی تھی چل کر اس کے پاس پہنچی۔ وہ ایک چھوٹا سا کالے کتے کا بچہ تھا۔ اس نے اس کی طرف ایک دُکھ بھری نظر ڈالی اور کراہنے لگا۔ "اوہ، غریب تم بالکل بھیگ چکے ہو اور زخمی بھی ہو۔"

اس نے پیار سے اس کا سر تھپکا اور کہا "تم اس موسم میں یہاں کیا کر رہے تھے۔" اس نے اپنی دُم ہلا کر

اُٹھنے کی کوشش کی تبھی رینا نے دیکھا کہ اس کے آگے کے پنجے پر ایک کافی بڑا زخم ہے۔ رینا نے اسے اپنے ہاتھوں میں اُٹھا کر سینہ سے لگالیا" آؤ میں تمھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ اور اسے اپنے سے اور بھی لپٹالیا اور بولی "اُف خدا تم تو بہت زخمی ہو چل بھی نہیں سکتے میں تمھارا درد جانتی ہوں۔"
اب اس سے چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا بازوؤں میں بیساکھیاں، کندھے پر بستہ اور کتّے کو ہاتھوں سے پکڑا ہوا مگر کسی نہ کس طرح وہ چلتی ہی رہی۔ جیسے ہی رینا اپنے گھر کے قریب پہنچی اس نے دیکھا ممّی پریشان سی کھڑی اس کی راہ دروازہ پر ہی دیکھ رہی ہیں۔ اس کی ممّی نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اسکول سے اکیلی آئے مگر اسے کسی کی نگرانی میں چلنا پسند نہ تھا۔ رینا نے اس لیے انکار کر دیا کہ اس طرح چلنا اسے یہ احساس دلاتا تھا کہ وہ اپاہج ہے۔ "اوہ رینا کیا ہو گیا؟ تمھیں بہت دیر ہو گئی۔" اس کی ممّی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "میں بہت پریشان تھی" تب ان کی نظر چپّی پر پڑی تو پوچھا یہ کون ہے۔" "اوہاں یہ غریب بارش سے بھیگا ہوا سر دسا مجھے ایک پیڑ کے نیچے پڑا ملا اسے چوٹ بھی لگی ہوئی ہے دیکھیے اس کا یہ بدشکل زخم اس نے کتّے کے نیچے کا زخمی پنجہ اپنی ممّی کو دکھایا۔
"ٹھیک ہے اندر چلو پھر ہم دیکھیں گے اس کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟" اس کی ممّی نے کہا اور چپّی کو رینا سے لے کر گھر کے اندر آ گئیں۔
انھوں نے اس کا زخم دھویا، کوئی دوائی لگائی اور اس کے پاؤں پر پٹّی باندھی۔ پھر اسے ایک پلیٹ میں دودھ دیا جو چپّی جلدی جلدی پی گیا۔
انھوں نے کہا "شام کو جب تمھارے پتا گھر آئیں گے تو ہم اسے کسی جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔"
رینا نے چپّی کی خوب دیکھ بھال کی اور وہ دن بدن ٹھیک ہوتا گیا۔ اب وہ رینا کے ساتھ ساتھ رہتا اور وہ اچھے دوست بن گئے۔ تقریباً ایک مہینہ میں چپّی بالکل تندرست ہو گیا اس کا زخم بھر گیا وہ دن بھر گھر

میں کلیلیں کر تا پھر تا اور جب رینا اسکول سے واپس آتی تو اس کے چاروں طرف بھاگ بھاگ کر اور بھونک کے اس کا گرم جوشی سے استقبال کرتا۔ رینا اسے کالو کہہ کر پکارتی اور اس کے ہنگامہ خیز استقبال سے بہت پیار کرتی تھی مگر ایک نامعلوم سا خوف اس کے دل میں سمایا رہتا کہ ایک دن کالو بھی اس سے اکتا جائے گا اور چھوڑ کر چل دے گا۔ "کون ایک اپاہج کے ساتھ کھیلنا پسند کرے گا۔"

اکتوبر کے اواخر میں ایک اتوار کو رینا اپنے باغیچے میں گئی اور جھولے میں بیٹھ گئی یہ ایک خوشگوار اور گرم سا دن تھا کالو چاروں طرف دوڑتا پھر رہا تھا اور تتلیوں کا پیچھا کر رہا تھا تبھی سامنے میدان سے بچّوں کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آواز آئی۔ سبھی فٹ بال کھیل رہے تھے۔

"یہ کتنا خوشگوار اور روشن دن ہے۔ بھلا کون نہیں کھیلنا چاہے گا۔" رینا نے میدان میں کھیلتے بچوں اور باغ میں کالو کو دیکھا ہر ایک بھاگ رہا ہے اُچھل رہا ہے اور خوب لطف اٹھا رہا ہے "سوائے میرے" اس نے اُداسی سے سوچا۔ اس نے اپنی اکتاہٹ میں ایک پتھر اٹھایا اور ایک طرف اچھال دیا۔ اچانک کالو نے تتلیوں کا پیچھا چھوڑ دیا اور پتھر کی طرف دوڑا۔ اس نے پتھر اپنے منہ میں پکڑا اور رینا کو دے دیا۔ رینا نے حیرت سے کالو کو دیکھا۔ اور اب اس نے دوسری طرف پتھر اُچھالا۔ کالو اس کے پیچھے دوڑا اور پھر اٹھا لایا پھر رینا نے ایک اور پتھر پھینکا اور کالو اسے بھی اُٹھا لایا۔ رینا نے اسے دھیان سے دیکھا کالو اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے پھر پتھر پھینکنے کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔

اوہ کالو تمھارے لیے یہ ایک کھیل ہے۔ ہے نا؟ تم اس میں لطف لے رہے ہو؟ میں سمجھ گئی یہ تم اپنے لیے نہیں مگر مجھے خوش کرنے کے لیے کھیل رہے ہو۔ اوہ کالو..... میرے پیارے کالو..... تم ہی میرے بہترین دوست ہو۔ میرے کھیل کے ساتھی ہو۔" اس نے کتّے کے بچّے کو اٹھا کر لپٹا لیا اور جوش میں بولی "ایک منٹ رکو۔"

اس نے اپنی بیساکھیاں اٹھائیں اور آہستہ آہستہ گھر کی طرف بڑھی۔ وہ اپنے کمرے میں گئی الماری

کھولی اور ٹینس کی ایک چھوٹی سی گیند اٹھا کر پھر باہر آئی۔ کالو پھر یہاں ادھر، اُدھر گھوم رہا تھا جیسے ہی اس نے رینا کو واپس آتے دیکھا وہ اس کی طرف دوڑا۔ رینا چاروں طرف گیند پھینکتی رہی اور وہ اٹھا اٹھا کر لاتا رہا۔ وہ منہ میں دباتا اور اسے لا کر دے دیتا۔

ایک دفعہ رینا نے گیند ہوا میں اُچھالی اس دفعہ کالو نے اوپر چھلانگ لگائی اور اسے منہ میں پکڑ کر لے آیا۔

تالیاں.... تالیاں.... تالیاں..... پیچھے سے داد تحسین اور آفرین کی آوازیں آنے لگیں ایک دم رینا نے مڑ کر دیکھا کہ تمام فٹ بال کے کھلاڑی باڑ کے پاس کھڑے تالیاں بجا رہے ہیں۔ شاباش.... بہت اچھے "کیا پھرتی ہے؟" "مزہ آگیا اتنے عقل مند کتے کے ساتھ مل کر کھیلنے میں کتنا مزہ آئے گا؟" ایک چوڑے چہرے والے لڑکے نے کہا "آپ اپنے کتے کو ساتھ لے کر باہر میدان میں کیوں نہیں آتیں؟ اور ہمارے ساتھ کھیلتی کیوں نہیں ہیں۔؟ ہم سب مل کر خوب لطف اٹھائیں گے۔"

رینا نے غیر یقینی انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ مل جل کر لطف؟ اور بڑے فخر سے کالو کو دیکھا۔

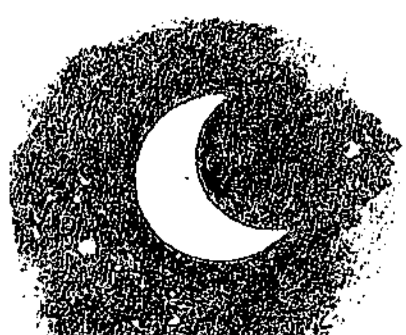

جیسا سوچو گے پاؤ گے

وِکرم خدا سے دعا کر رہا تھا "اے خدا تو میری مدد کر اور اسے یقین تھا کہ کل تک اس کا خدا اس کی مدد ضرور کرے گا۔ اور کل تک اس کا سر اونچا ہو جائے گا، قد لمبا ہو جائے گا وہ کہہ رہا تھا کل میں پیوش کے برابر لمبا ہو جاؤں گا۔ اور میں ایک گول کر دوں گا...... پھر پیوش میرا مذاق نہیں اُڑا سکے گا۔"

وکرم یہ دعا کر کے سونے چلا گیا یہ اس کا روز کا معمول تھا اور یہ اس کے لیے لازمی تھا۔

وہ ایک اچھا لڑکا تھا، اور اس کے بہت سے دوست تھے اس کے استاد بھی اسے بے حد پسند کرتے تھے کیوں کہ گھر کا کام کرنے میں اس نے کبھی آناکانی نہیں کی۔ اس کے پاس ایک نئی چمکدار سائیکل تھی مگر پھر بھی وکرم ناخوش رہتا کیوں کہ وہ اپنے بہترین دوست پیوش کی طرح فٹ بال اچھال کر گول نہیں کر سکتا کیوں کہ وہ لمبا تھا۔ اگرچہ وکرم کے دوست کہتے بھی تھے کہ وہ فٹ بال کا اچھا کھلاڑی تھا مگر اسے کبھی تسلی نہیں ہوتی تھی۔

وکرم نیند کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا مجھے حیرت ہو گی اگر لوگ مجھ پر ہنسیں گے.... کل تک میں ہوں گا ..... اور وہ سو گیا۔ اور اس نے خواب میں دیکھا کہ اسکول کی فٹ بال ٹیم کے لیے اسے چن لیا گیا ہے کیوں وہ انڈیا گیٹ کے برابر اونچا ہو گیا ہے۔

اسے ایک آواز سنائی دی "وکرم اٹھو۔"

وکرم کچھ ہانپ رہا تھا "اوہ ڈیڈی کیا صبح ہو چکی ہے۔"

آواز نے جواب دیا "نہیں میں تمہارا ڈیڈی نہیں ہوں۔" وِکرم نے ایک جھٹکے سے تکیہ سے سر اٹھایا اور اپنی آنکھیں کھول کر کمزوری سے چلایا "اُوہ ... اس کے چاروں طرف سنہری چمکدار روشنی پھیل گئی اس نے سوچا ارے یہ تو "ابو بن اَدھم" کی نظم سے ملتی جلتی ہے وہ خواب دیکھ رہا تھا اس نے فیصلہ کیا کچھ

ڈراؤنی چیز ہے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ مگر روشنی غائب نہیں ہوئی وہ کوئی خواب نہ تھا اب تو وکرم ڈر گیا۔
"ٹھیک ہے وکرم تم روزانہ رات کو دعا کرتے ہو" آواز اس طرح گونجی جیسے دوسو ہیڈماسٹر ایک ساتھ بول رہے ہوں۔
وکرم تھرا کر رہ گیا" کیا تم خدا ہو؟" اس نے لرزتے ہوئے کہا۔
"نہیں، قطعی نہیں" مگر میں اس کا نمائندہ ہوں۔" ..... آواز نے اپنی بات جاری رکھی" وہ بہت مصروف ہے اتنا مصروف ہے کہ ہر گھر کی آواز پر نہیں جاسکتا۔ مصروف میں بھی ہوں اس لیے ہمیں جلد معاملہ طے کرلینا چاہیے۔ وکرم پرجوش آواز میں بولا اور اپنے مسئلہ کی وضاحت کی۔
آواز نے جواب دیا.... "میں دیکھتا ہوں.... اگر تم لمبے ہو جاؤ تو سب سے آگے جاکر گول کرسکتے ہو۔"
وکرم نے سر ہلایا" اور جناب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں کلاس کا مانیٹر بھی نہیں بن سکتا کیوں کہ.... کیوں کہ...... کیوں کہ...... تم اتنے بڑے نہیں ہو کہ بچوں پر رعب جما سکو" خدا کے نمائندے نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "کیوں کہ اچھے بچے ہو اس لیے میں تمھیں ایک صلاح دوں گا....."
وکرم نے گستاخانہ انداز میں کہا" نہیں مجھے کسی مشورہ کی ضرورت نہیں ہے مجھے تو لمبائی ہی چاہیے...؟
نمائندہ نے پھر ایک سانس بھرا اور کہا" ٹھیک ہے" "تمھیں جس چیز کی ضرورت ہے وہی دوں گا۔ لیکن عقل ہمیشہ آتی ہے......ہے.......
وکرم نے پھر درمیان میں ٹوک دیا" جناب عقل سیکھی جاسکتی ہے بس مجھے تو لمبا کردیجیے؟"
اب نمائندہ تھک چکا تھا اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ خدا ہمیشہ وہی دیتا ہے جس کی حقیقت میں تمھیں ضرورت ہے۔" روشنی ایک دم غائب ہو گئی اور وکرم آرام سے سو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔
دوسرے دن وکرم صبح جلدی اٹھا اور فوراً اپنا ناپنے کا فیتہ لگا اس کا قد اب بھی 5 فٹ تین انچ ہی تھا لیکن وکرم مایوس نہ تھا مگر وہ جانتا تھا کہ خدا نے ہر چیز مقرر کر رکھی ہے۔ اگر وہ ایک دم لمبائی بڑھا دے تو لوگ شک میں پڑ جائیں گے جب اس نے اپنی یونیفارم پہنی تو اُسے محسوس ہوا کہ وہ سکڑ گئی ہے ہاں وہ لمبا ہو گیا مگر یہ اس کا ایک پیارا سا راز تھا۔

وکرم کی پوری توجہ پہلے دو پیریڈ میں تیسرے کی طرف تھی جو کھیل کا گھنٹہ تھا جیو میٹری برابر تکونوں اور انگریزی کے "سولٹری ریپر (Solitry Reaper) کے اسباق پر اُس نے کوئی توجہ نہ دی اس کا دھیان تو کھیل کے گھنٹہ کی طرف تھا جس میں چھٹی جماعت اور اس کی جماعت کے درمیان میچ تھا ...... بد معاش۔

میچ شروع ہونے سے قبل پیوش، وکرم کے پاس آیا اور کہا "اے.... مینڈک 'منصوبہ سنو۔ راجیو گیند میدان کے درمیان لے جا کر کپل کو دے گا وہ اُسے الٹی طرف لے جا کر ہیلب کے نشان کی شکل میں پھینکے گا اگر میں گول تک نہ لے جا سکا تو تم اسے ہوشیاری سے سنبھالنا۔ وکرم نے سر ہلایا......

پیوش نے مسکرا کر کہا "اگر کونا (Corner) ملے۔ تو اپنے دماغ کا استعمال کرنا۔ اور اپنے آپ کو گیند سے تھوڑی دور رکھنا...... ہی...... ہی..... ہی..... وکرم ہلکے سے مسکرایا۔

کھیل شروع ہونے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد تک بھی گیند چھٹی۔ اے کے قبضہ میں تھی اور وہی اے کھیل رہے تھے اچانک ایک زبردست نشانہ وکرم کی ٹیم میں لگا اور گیند پینلٹی (Panalty) کے علاقہ میں پہنچ گئی اور وہاں ایک پاگلوں کی سی چھینا جھپٹی شروع ہو گئی..... بتیس ٹانگیں گیند کی طرف بڑھ رہی تھیں آپس میں ٹکرا کر ایسا لگتا تھا کہ ہڈیاں چیخ رہی ہیں۔ وکرم کی ٹیم کے ساتھ کپل نے حاصل کر لی اور جوابی حملہ کر دیا۔ کپل نے اپنے بائیں طرف گیند وکرم کی طرف اُچھالی اور وکرم گیند لے کر دوسری طرف کے پینلٹی علاقہ کی طرف بھاگا اچانک گیند کپل کی دائیں طرف سے نکلتی ہوئی پھر وکرم کی طرف آئی وکرم چھلانگ مارنے کو تیار تھا ادھر پیوش تیار تھا اس نے خالی کونے کی طرف گیند کا رخ موڑ دیا۔

وکرم نے ایک دم ستیاناس کر ڈالا اس نے موقعہ کھو دیا کیوں کہ وہ تیز نہ دوڑ سکا وہ آہستہ آہستہ مڑا۔

ایک سنسناتی ہوئی سی آواز آئی۔ جلدی کرو "لیڈر" وکرم نے ایک دم چھلانگ لگائی گیند اسی طرف آ رہی تھی۔ او.... خدا اس نے سوچا پیوش نے کراس کر کے گیند پھینکی ہے۔ اس نے زور سے سر جھٹکا اور سیدھی طرف غوطہ مارا جیسے اس کی کمر درد سے پھٹ رہی ہو۔ اور اس کے کان میں گھنٹیاں سی بج رہی ہوں اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ پوری ٹیم کی آنکھیں اس پر تھیں وہ خوشی سے چلا رہے تھے

.....ہنس رہے تھے.....اوہ....واہ یہ مارا "کچل ڈالا۔" شور مچا ہوا تھا وکرم سوچ رہا تھا..... لیکن کیوں .....؟ تب اس کی سمجھ میں آیا خدایا، میں نے ایک گول کر دیا۔"

لیڈر بن گیا۔ سر اونچا ہو گیا' سر بلند ہو گیا.... "بہت عمدہ چھلانگ..... مینڈک؟" پیوش نے کہا۔ وہ وکرم کی کمر ٹھونک رہا تھا "واہ..... واہ دیکھو تم نے تو کمال ہی کر ڈالا" ریکارڈ توڑ ڈالا۔" وکرم مارے خوشی سے سراسیمہ سا ہو گیا۔ اور وہ گھبرا گھبرا کر کہہ رہا تھا "تیرا شکر ہے خدا، شکر ہے تیرا" دوبارہ کھیل ہونے تک وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا رہا۔

وہ خدا کا اس قدر شکر گزار تھا لگتا تھا ابھی رو دے گا۔ اس نے اپنا کھیل ایک وجد کے عالم میں جاری رکھا۔

"......تو تم سمجھ گئے" پیوش آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

آہ..... آہ.....ہ....وکرم بجلی کی سی تیزی سے سنبھلا اسے ہوش آیا کہ اب کھیل ختم ہونے پر ہے۔

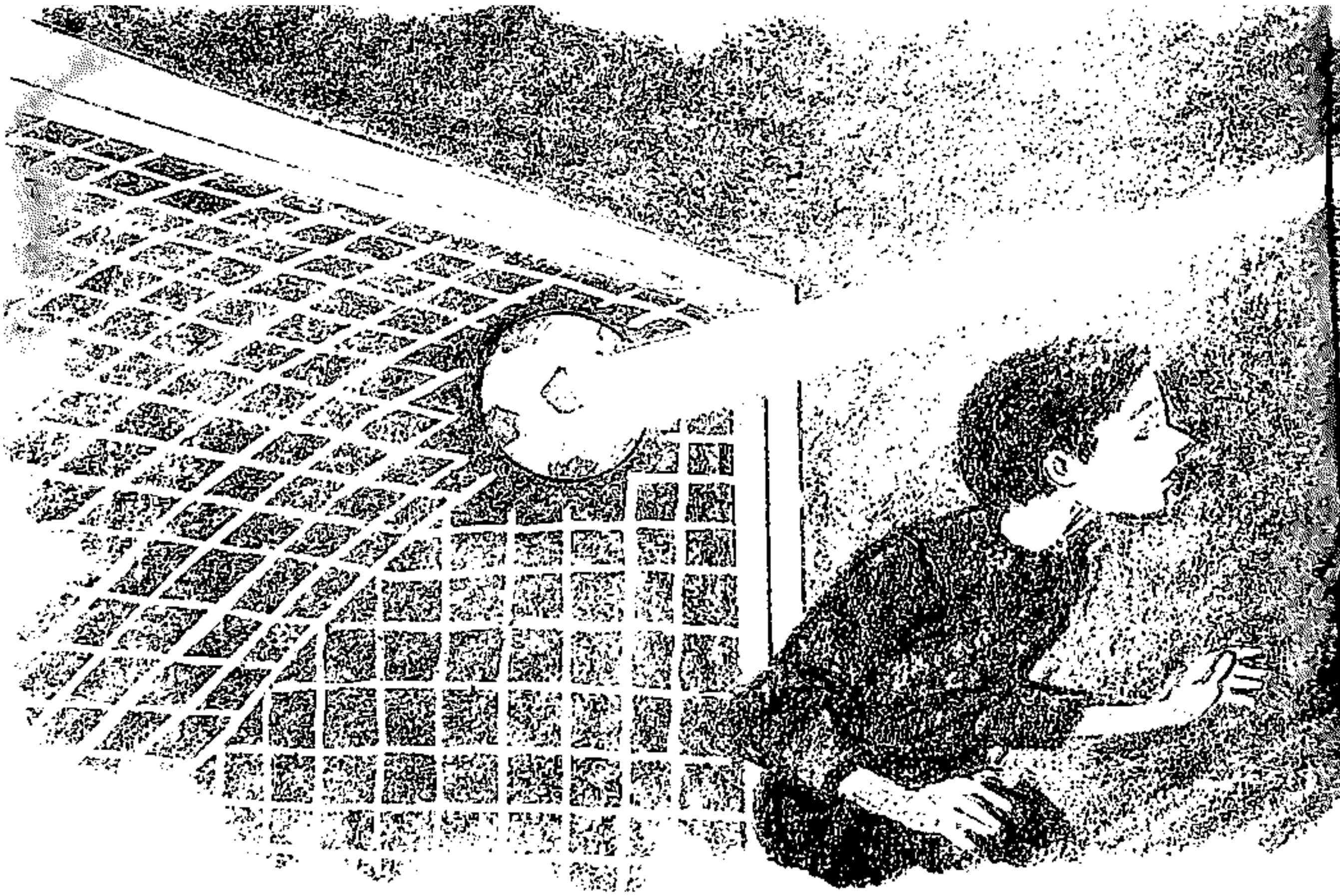

پیوش تیزی سے پُھسپھسا کر بولا "دیکھو جب کپل کو نا سنبھالے گا میں فضول سے کھلاڑی کی مانند جما رہوں گا اور تم اس پر جھپٹو گے، ٹھیک ہے؟"

وکرم نے سر ہلایا اور اپنی جگہ جم گیا۔ پیوش نے اس پر سچ مچ بھروسہ کیا اور کپل نے بڑی خوبصورتی سے دھوکا دے کر گیند پیوش کی طرف پھینکی پیوش ٹھیک وقت پر تھوڑا سا اُچھلا اور تمام محافظ کھلاڑی کھڑے کے کھڑے رہ گئے جب کہ وکرم نے مڑ کر ہوا میں ایک شاندار چھلانگ لگائی اور گیند کو گول کا راستہ دکھایا۔

وکرم نے پھر کس طرح اپنا کمال دکھایا وہ خود اس کی وضاحت نہ کر سکا۔ بس اسے تو یہ سب خیالی لگ رہا تھا کس طرح وہ چلا گیا دوسری ٹیم کی غلطی کا اسے موقعہ ملا۔ بس اسے تو اتنا معلوم ہے کہ پیوش اسے لپٹایا ہوا تھا اور وہ صرف یہی کہہ رہا تھا "اے خدا ترا شکر ہے، شکر ہے خدا تیرا" پی ٹی ماسٹر مسٹر چوپڑا کے سامنے وہ مجرم سا بنا شرمایا کھڑا تھا اس کی کامیابی اگرچہ سو فیصد نہیں تھی اس میں خدا کی مہربانی کا

بہت بڑا ہاتھ تھا وہ خود پر ہنسے بغیر کیسے رہتا مسٹر چوپڑا ایک مرتبہ پھر اس کی تعریف کر رہے تھے
"وکرم اب تمھیں بڑے لڑکوں کی ٹیم کے ساتھ مشق کرنی چاہیے تم جانتے ہو پیوش کی طرح تم میں
اپنی عمر کے بچّوں سے بہت زیادہ صلاحیت ہے تم نے بہت عمدہ مظاہرہ کیا ہے پیوش نے بھی کھسیانی ہنسی
ہنستے ہوئے کہا "جی جناب" آج تو اس نے مجھ سے بھی زیادہ صلاحیت دکھائی ہے" میدان کے علاوہ
بھی وہ ہر طرح مجھ سے بہتر ہے۔"

یہ جائز نہیں تھا اس کا دوست پیوش بہت ہی اچھا تھا وکرم کو نہ جانے کیوں یہ سب دھوکا سالگا۔ وہ خود کو
دیکھ رہا تھا۔ لیکن کیسے؟

اس نے کچھ جھجکتے جھجکتے کہا "سر" پیوش۔ .

دیکھیے... کل رات..... ٹھیک ہے آج میں نے اپنے آپ کو بہت لمبا محسوس کیا.... تم جانتے ہو....

"یہ بات ہوئی نا" مسٹر چوپڑا چیخ پڑے۔

تمھیں ہمیشہ اپنے آپ کو لمبا ہی سمجھنا چاہیے۔ "جب تم مثبت (Positive) انداز میں سوچو گے تو
سمجھو آدھا کام ہو گیا۔"

اوہ وکرم منھ منھ پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں" مسٹر چوپڑا نے بات جاری رکھی "تم جانتے ہو تم صرف 5 فیٹ تین انچ لمبے ہو مگر تم نے یہ
محسوس کیا کہ تم لمبے ہو تم نے سوچ لیا کہ لمبے ہو گئے تو تم نے جرمنی کے مشہور کھلاڑی کلنسمین جیسی
کامیابی حاصل کر لی۔"

اچانک وکرم گھبرا گیا۔ یہ صرف اس کا خواب تھا۔ پچھلی رات جو اس نے دیکھا حقیقت نہیں صرف
خیال تھا۔ تب بھی وہ اداس نہ تھا سوچو..... لمبا ہو گیا..... مثبت انداز میں سوچو۔ ہاں اب وہ بالکل اداس
نہیں تھا۔ اس سب کے بعد اس میں عقل آگئی تھی۔

جیسا سوچو گے خدا تمھیں وہی دے گا۔

وہ خود بہ خود بڑبڑا کر کہتا رہا۔ شکریہ اے خدا تیرا شکریہ..... تیرا شکریہ خدایا.....

مسٹر چوپڑا نے اس کا نام بڑے لڑکوں کے ساتھ مشق کی فہرست میں رکھ دیا تھا۔

بولتا توتا

کالو ایک آٹھ سالہ لڑکا تھا جو جانوروں اور پرندوں کو بہت پیار کرتا تھا وہ روز اپنی ممی سے درخواست کرتا کہ اسے ایک، کتا یا بلی یا کوئی اور پالتو جانور رکھنے کی اجازت دے دیں۔

اس کی ممی نے کہا "مگر ان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔"

کالو نے کہا "میں کروں گا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں کروں گا۔"

"مگر جب تم اسکول جاؤ گے تب؟"

"اسکول جانے سے قبل اور اسکول سے آکر میں سب ضروریات پوری کر دوں گا۔"

"نہیں" اس کی ممی نے وہیں سب دلیلیں روک دیں۔"

"ہمارے پاس خود اپنے کھانے کو پیسے نہیں ہیں ہم ایک کتے کا خرچ کیسے برداشت کریں گے؟"

اور یہی سچ بھی تھا کلو کے پتا ایک بنئے کی دوکان پر کام کرتے تھے اور کالو جانتا تھا کہ انھیں اتنے پیسے نہیں ملتے تھے۔ جب بھی کالو کے اسکول کی فیس دینی ہوتی اس کے پتا پیشگی پیسے لے لیتے۔ کالو اُداس ہو گیا کہ وہ ایک جانور بھی نہیں پال سکتا اس نے کوئی دلیل نہ دی۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا ماں ٹھیک کہتی ہیں۔

ایک دن کالو آم کے پیڑ پر چڑھا ہوا تھا اور اس کی قمیض کیریوں سے بھری ہوئی تھی۔ آم کا پیڑ کیوں کہ

بوڑھے بدرالدین کے احاطے میں تھا اس لیے اس کی تیز نظریں اسی پر تھیں کہ اگر اُس نے دیکھ لیا کہ کالوان کے آم کے پیڑ پر ہے تو بدرالدین اپنی چھڑی ہلا ہلا کر اس کو بُرا بھلا کہنے لگا۔

اُس کی ناک کافی لمبی اور کچھ نارنجی رنگ کی ڈاڑھی تھی اور کالو کو اسے چھیڑنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ کالو ایک اونچی سے ٹہنی پر پیٹ کے بل لیٹا ہوا آہستہ آہستہ اس طرف کھسک رہا تھا جہاں ایک حصّہ میں چار آم لگے ہوئے تھے کہ اس کے ہاتھ میں سخت درد تکلیف محسوس ہوئی۔ اس نے ایک توتا دیکھا جس نے بغیر کسی ترغیب کے اپنی لال چونچ جھکائی اور اُس کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ کالو درد سے تڑپ اٹھا اور دھڑ سے نیچے آپڑا۔

اسے ایک دم صدمہ پہنچا اور کچھ دیر وہ ساکت پڑا رہا۔ وہ ٹماٹروں کی ایک کیاری میں گرا تھا اور اسے یقین تھا کہ بدرالدین سے اسے مار ہی ڈالے گا۔ کالو کو کچھ سیلا سیلا سا لگا اور اس کا پاجامہ گیلا ہو گیا وہ اسے دیکھتے ہوئے مڑا تو اسے دور سیلے ٹماٹر نظر آئے اسی وقت اس نے دیکھا کہ خوشی سے چہچہاتا توتا بھی اسی کے برابر بیٹھا ہے جو پکّے پکّے رسیلے ٹماٹروں کو کتر رہا ہے۔ ''شو..... شو..... شی'' کالو نے توتے کی تیز چونچ سے ڈر کر آواز نکالی۔

لیکن توتے نے ایک نہ سنی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور اس کی آواز سُنے کالو اُٹھا اور اپنے گھر کی طرف دوڑا اور آہستہ سے اس باڑھ کے نیچے سے نکلا جو اس کے اور بوڑھے بدرالدین کے گھر کو الگ کرتی تھی گھر پہنچ کر وہ لیٹ گیا کیوں کہ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ اچانک زور زور سے شور مچاتا توتا کالو کے کندھے پر آکر بیٹھ گیا کالو نے اپنا سر گھمایا تو اس کی توتے سے آنکھیں ملیں اگر توتا کھسیا سکتا تو یقیناً یہ کھسیانی ہنسی تھی۔ اور جتنا جتنا کالو نے شو...... شو....... کر کے اسے بھگانا چاہا۔ توتے نے ہلنے کا نام تک نہ لیا۔

اب توتا کالو کے گھر میں رہنے لگا۔ کالو ہر وقت چوکنا رہتا کیوں کہ توتا اسے چھیڑتا رہتا تھا جب بھی کالو

میز پر بیٹھ کر اپنے اسکول کا کام کرتا تو تا آکر اس کی کتاب پر بیٹھ جاتا اور اس کے صاف ستھرے صفحہ پر 'بیٹ' کر دیتا کبھی کچھ کھسوٹ ڈالتا اور کالو پورے کمرے میں اس کے پیچھے پھرتا کہ شاید وہ اسے ٹھیک کر سکے۔

آخر کالو کی ماں توتے سے مانوس ہو گئیں۔ وہ اسے امرود اور ہری مرچیں کھلاتیں اور جب وہ کھالیتا تو وہ گنگنانے لگتیں "رام، رام، سیتارام،، جتنا بھی وہ توتے کی خوشامد کرتیں وہ لالچی کھانا تو کھالیتا مگر بول کر کچھ نہ دیتا۔ وہ ایک تیز سی آواز نکالتا اور پر پھڑ پھڑاتا ہوا اُڑ جاتا۔

کئی دن گزر گئے۔ ایک دن کالو بدالدین کے باغ کے پکتے ہوئے آموں کے لالچ کو نہ روک سکا۔ بدرالدین پڑوس کے لڑکوں سے نفرت کرتا تھا وہ کالو سے اس لیے نفرت کرتا تھا کہ وہ اس کے آم چرالیا کرتا تھا۔

جس دن کالو اُس کے ٹماٹروں کی کیاری میں کودا تھا بدرالدین نے اس کے پتا سے شکایت کر دی تھی اور انھوں نے کالو کی خوب پٹائی کی تھی تب بھی کالو میٹھے میٹھے آموں کی کشش کو نہ روک سکا۔

گرمیوں کی دوپہر کو جب سب سو رہے تھے کالو گھر سے کھسک گیا اور آم کے پیڑ پر ہی منٹوں میں چڑھ گیا مگر آم بہت اونچے تھے اور کالو وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا تبھی توتا نظر آیا اور وہ کالو کے کندھے پر بیٹھ گیا اور احتجاج کرنے لگا کالو کو اس پر بہت غصہ آیا اس نے توتے کا بازو پکڑا اور اسے نیچے پھینک دیا۔

توتا بری طرح زخمی ہو گیا اور وہ درد سے کراہنے لگا کیوں کہ اس کا ایک بازو حرکت بھی کرنے کے قابل نہ تھا پیڑ کی چوٹی سے کالو نے دیکھا بوڑھا بدرالدین آیا اور زخمی پرندے کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا کالو پیڑ سے اترا اور جلدی سے اپنے گھر بھاگ گیا۔

بدرالدین نے توتے کا زخمی بازو دھویا اور نرم نرم انگلیوں سے مرہم لگایا اور اس سے باتیں شروع کر دیں۔ مٹھو بول۔ اللہ۔ اللہ۔

توتے نے ایک ہلکی ہلکی سی کراہ نکالی اور گلے سے بھاری آواز نکال کر بولا۔ رام۔رام۔

"اللہ!" بدرالدین نے کہا۔

تب بدرالدین نے اسے پچکارنا، چمکارنا شروع کیا اور اپنا ڈاڑھی والا چہرہ توتے کے قریب لاکر سرگوشی میں کہا "میرے پیارے، میرے لاڈلے بول "اللہ! اللہ!"

توتے نے ہلکے سے اپنا سر اُٹھایا اور نرمی سے بدرالدین کی ناک پکڑی کچھ دیر تک یونہی چلتا رہا کبھی توتا اُڑکر میز پر جا بیٹھتا کبھی پلنگ پر۔ بدرالدین توتے کے پیچھے پیچھے دوڑتا کبھی کوسنے دیتا کبھی پکڑنے کی کوشش کرتا، اس کی ناک سُرخ ہوگئی تھی وہ کبھی میز پر چھلانگ لگارہا تھا کبھی پلنگ پر کودکر توتے کو پکڑنے کی کوشش کررہا تھا۔

بدرالدین بہت غصے میں تھا اور کہتا جارہا تھا "میں تیری گردن دبوچوں گا" "رُک ذرا میں تجھے پکڑتا ہوں۔

توتا بدرالدین کے کان کے پاس آکر چلایا اور الماری کے اوپر جاکر بیٹھ گیا بدرالدین نے بھی غصے میں چھلانگ لگائی اور گر پڑا اس کے گرنے سے کرسی بھی ٹوٹ گئی اور اس کے سر سے ٹوپی گر پڑی اور کرسی اس کی گود میں آگئی یہ بڑا عجیب سالگ رہا تھا کہ جیسے توتا اُس کا مذاق اُڑا رہا ہے۔

بدرالدین کی بہو مہرالنساء کمرے میں آکر بولی "کیا بات ہے، یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ احمق پرندہ اس نے مجھے کاٹ کھایا" بدرالدین نے جھلّا کر اپنی ٹوپی اور توتے کی طرف اشارہ کیا اسی وقت توتا بولا "رام.....رام سیتا.....رام" مہرالنساء حیران ہوئی "بولتا توتا" "کتنا پیارا ہے" "پیارا؟ اس نے میری ناک کے ساتھ کیا کیا؟ ذرا دیکھو" "چھوڑیئے ابّا۔ ذرے دار بیٹے کچھ بھی ہو، ہے تو یہ پرندہ ہی۔"

اُس دن سے توتا بدرالدین کے گھر رہنے لگا۔ اگرچہ وہ بدرالدین سے ایک محفوظ فاصلے پر رہتا۔

ایک دن کالو پھر بدرالدین کے کھیت کے پیچھے کی طرف بھنڈی چرانے پہنچا۔ مگر بدرالدین اور توتے کی لڑائی سُن کر وہ کھڑکی کی طرف بھاگا اگر کالو کو توتا پسند نہیں تھا پھر بھی وہ اس کی کھسیانی ہنسی کی کمی محسوس کرتا تھا۔

جیسے ہی کالو نے بدرالدین کے پاس اپنا توتا دیکھا وہ چلایا "یہ توتا میرا ہے اسے فوراً واپس کرو۔"

ٹھیک ہے اس احمق پرندے کو لو اور فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ اگر میں نے تمھیں یہاں دیکھا تو پولیس کو بلوالوں گا" بدرالدین غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

توتے کو پکڑنا آسان تھا کالو، بدرالدین سے زیادہ پھرتیلا تھا مگر توتا بہت چالاک تھا جب کالو اُس کے قریب گیا اس نے اپنے ہرے پر پھڑپھڑائے اور کالو کے پاس سے اُڑ گیا اور کالو ہوا میں ہاتھ ہلاتا رہ گیا۔

آخر انھوں نے توتے کو پکڑنے کا انتظام کر ہی لیا۔ کالو نے اس کی چونچ پر ایک کپڑا لپیٹا اور اسے گھر لے گیا اور اس نے ایک ڈوری سے اس کی ٹانگ کھڑکی میں باندھ دی۔ اسی وقت اس کی ماتاجی ایک بڑی سی ہری مرچ لے کر آئیں۔

وہ بولیں "رام.....رام.... مٹھو.....رام.....رام......

توتے نے بڑے مزے سے مرچ کھائی اور کالو کی طرح ڈکار لے کر گہری آواز میں بولا "اللہ"

کالو اور اس کی ماتا حیران ہوئے اور کالو کی ماتاجی بولیں "شاید یہ سمجھتا ہے کہ بدرالدین ہی اس کے مالک ہیں" اسے وقت دو کہ بوڑھے آدمی کو یہ بھول جائے۔"

لیکن کافی دن گزرنے کے بعد بھی توتا 'اللہ' ہی کہتا۔ یہ ناقابل برداشت ہے کہ توتا کھائے تو ہمارا اور کہے "اللہ" کالو کی ماتاجی نے اس سے کہا یہ اس کے مالک کو لوٹا دے۔"

کالو نے پھر توتے کی چونچ پر کپڑا لپیٹا اور بدرالدین کے گھر پہنچا دیا۔ توتا سمجھتا ہے تم ہی اس کے مالک ہو اسے رکھو یہ "اللہ" کہتا ہے۔

"اللہ" بدر الدین خوش ہوا مگر یہ تو ہر وقت رام..... رام ہی کہتا تھا۔

مہر النساء جو ان کی باتیں سُن رہی تھی کالو سے بولی کیا یہ سچ مچ ان کے گھر میں "اللہ" کہتا ہے۔ آؤ اور دیکھو" کالو چلایا پھر تینوں مل کر کالو کے گھر آئے۔

"بول مٹھو" کالو کی ما تا جی نے خوشامد سے کہا "رام۔ رام" "اللہ۔ اللہ" کالو کی آواز گہری اور بھاری تھی۔

"کیا مزے کی بات ہے؟" یہ چالاک پرندہ کالو کے گھر میں اللہ اور بدر الدین کے گھر میں رام کہتا ہے۔

"یہ ہم سب کے لیے ایک سبق ہے" مہر النساء نے کہا۔ "بے شک ایک بہت ہی قیمتی نصیحت ہے۔" یہ چھوٹا سا پرندہ ہمیں ایک سبق پڑھا رہا ہے یعنی اتحاد کا مطلب اور خدا کی وحدانیت" ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے۔"

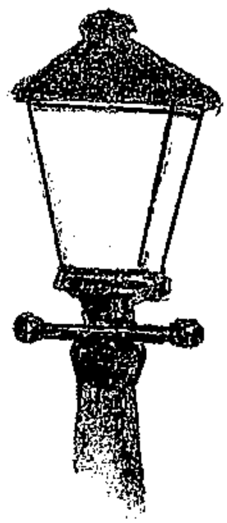

پانچویں جماعت کی کپتان

کٹی اکڑتی ہوئی کلاس میں داخل ہوئی ہر طرف سے کلاس کے ساتھیوں نے اسے بلایا وہ کبھی اُن کا جواب نہایت روکھے پن سے دے دیتی اور کبھی بالکل نہیں دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ کوئی بھی اس کے برتاؤ کا بُرا نہیں مانے گا اور نہ پرواہ کرے گا کیوں کہ وہ پانچویں کلاس کی ایک اہم شخصیت ہے۔ کلاس کی کپتان ہے۔ پڑھائی میں کھیلوں میں، ہر دوسرے کھیل کود، اور ثقافتی پروگراموں میں اس کی حیثیت امتیازی ہے اس لیے کوئی اس کی بات کی تردید یا مخالفت نہیں کر سکتا۔

جیسے وہ اپنے ڈیکس کی طرف بڑھی اس نے دیکھا کہ اپرنا نے اس کا راستہ روک رکھا ہے۔ وہ جھکی اس کا بستہ کرسی کے نیچے پھینکا اور کٹی نے طنزیہ لہجہ میں کہا ''کیا آپ اپنی یادگار پیچھے کی سیٹ پر جانے کی تکلیف کریں گی اور میرا راستہ چھوڑیں گی۔؟

اپرنا اُچھل پڑی جیسے کسی نے اسے گولی ماردی ہو۔ وہ شرمندگی اور پریشانی سے لال ہو گئی اور خاموشی سے اپنی کرسی پر کھسک گئی۔ لڑکیاں کھی کھی کرکے ہنسنے لگیں اور کٹی غرور سے مسکراتی اپنے راستہ پر چل دی۔

اِپشا کلاس میں اکیلی تھی۔ اس کی کوئی خاص دوست نہیں تھی مگر ہر ایک کے ساتھ مل جل کر رہتی تھی اور ہر ایک سے تعلقات اچھے تھے۔ کمرے کے دوسرے سرے پر بیٹھی ہر بات کا معائنہ کررہی تھی کہ اپرنا اور کٹی کے درمیان کئی قصہ چل رہا ہے اس نے اپرنا کا اداس چہرہ دیکھا اور چاہا کہ وہ کٹی کو

پلٹ کر جواب دے لیکن یہ اس کا کام نہیں تھا۔ اس نے کندھے جھٹکے اور اپنی کتابوں میں مصروف ہو گئی یہ اپرنا کا اپنا مسئلہ ہے۔

اپرنا اپنی جگہ بیٹھی تھی اور اس نے آنسو چھپانے کو اپنا سر جھکا لیا تھا جو کٹی کے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں چھلک رہے تھے وہ سوچ رہی تھی کاش میں اسکول میں تنہا ہوتی اگر اس کی ایک بھی دوست ہوتی جو اس کی حمایت میں ہو جاتی مگر ایک موٹی، بھدی احمق لڑکی تیل چپڑی دو چوٹیاں جو پڑھائی میں پیچھے روز کے سبق بھی یاد نہ رکھنے والی لڑکی سے دوستی کون کرے گا۔"؟

ایشا دروازے کے قریب کھڑی تمام منظر دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک اس نے اپرنا کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی کیوں کہ اس کی بہت سی سہیلیاں تھیں اس لیے اور کی تلاش نہ تھی اس میں قدرتی لیڈر بننے کی صلاحیتیں بھی تھیں مگر جب اپرنا کا دکھی چہرہ دیکھا تو وہ خود کو نہ روک سکی اور اس کے پاس جا کر بولی "اپرنا میں آج تمھارے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟ میں پیچھے بیٹھ بیٹھ کر تھک چکی ہوں اور تمھارے ساتھ کوئی اور ہے بھی نہیں۔ تم بٹھاؤ گی؟"

ایک منٹ تو اپرنا نے ایشا کو حیرت سے دیکھا تو وہ دھیرے سے مسکرائی اور بولی "بے شک تم بیٹھو۔ جب سے آنو گئی ہے یہاں کوئی نہیں بیٹھتا۔

دوسروں نے ایشا کو حیرت سے دیکھا۔ ایشا کلاس کی نہایت بے باک اور نڈر لڑکی تھی اس نے کبھی اس کی پرواہ نہ کی کہ دوسرے اس کے متعلق کیا سوچتے ہیں وہ اپنے اسباق کے بارے میں کم سوچتی اور نئی نئی چالیں چلنے اور نئے نئے قصے پیدا کرنے میں ماہر تھی۔ وہ کلاس کی بہت مقبول لڑکی اور ٹیچر کی نظر میں لعنت زدہ تھی۔ اور وہ دوسری لائن میں کیوں بیٹھی تھی" اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتیں ان کی ٹیچر مس آہوجہ اندر آ گئیں۔

آدھی چھٹی کے درمیان ایشا کی دوست اسمیتا نے کھیل کے میدان میں اسے آگھیرا "کیا تم اچھی بننے کی کوشش کر رہی ہو ایشا؟ آخر تم دوسری لائن میں کیوں گئی ہو؟ کٹی نے کہا "یا یہ اپرنا کو خوش کرنے کے لیے تھا۔ اس سے لطف لینے کے لیے تم اس کی طرف کھنچی ہو؟" ایشا نے جواب دیا "یہ بھی ہو سکتا

ہے؟" اس کے لہجے پر کٹی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور حقارت سے پوچھا "مجھ سے یہ مت کہنا کہ تم اس سے دوستی کرنا چاہتی ہو۔"

"ہو سکتا ہے میں کہوں" ایشا نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے لوگ جو اسے اذیت پہنچاتے ہیں اس کی تلافی کرنے کے لیے ہو۔"

کٹی غصّے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے بولی "اگر تمھارا مطلب مجھ سے ہے تو اپنے آپ میں کہنے کی قابلیت پیدا کرو۔"

"میں نے کسی کا نام نہیں لیا ہے لیکن اگر ٹوپی تمھارے سر پر ٹھیک آتی ہے تو پہن لو" ایشا نے دنداں شکن یا منہ توڑ جواب دیا۔

"تمھیں اس کے ساتھ آج صبح اس قدر غیر مہذب نہیں ہونا چاہیے تھا" ایشا نے کہا وہ بھی اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

"مگر میں نے کچھ بھی تو غلط نہیں کہا ہے" کٹی نے کہا "وہ موٹی، بھدی اور کند ذہن بھی تو ہے۔" "تب بھی تمھیں اس طرح بولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ تم نے کسی نے ایسی کا انتخاب کیوں نہ کیا جو تمھیں دوبدو جواب دے سکتی۔ تم نے سانپ کے بل میں ہاتھ کیوں ڈالا؟ کٹی"؟ ایشا نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے مگر تم اپرنا سے کیوں نہیں پوچھتی ہو کہ اس نے مجھ سے اس طرح بات کیوں کی اِسے سکھاؤنہ۔" کٹی نے زخمی سی آواز میں کہا۔

ایشا نے کہا "ہو سکتا ہے میں کہوں۔"

کٹی غصّے سے بھنا گئی۔ ایشا اگر چاہتی ہے تو اسے احمق اپرنا کی دوست بننے دو۔ اسے میرا قصور کہاں نظر آتا ہے..... کٹی..... کپتان..... اِسمِتا نے پوچھا "ایشا جو کچھ تم نے کیا کیا تمھارا مقصد وہی تھا۔

"ہاں اگر تم دونوں بھی میرا ساتھ دو۔ میں نے ٹھیک کہا۔"

"ایشا نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے میں تمھارے ساتھ ہوں۔" اِسمیتا نے کہا۔ میں بھی سمجھتی ہوں کٹی کو سمجھانے کا یہی صحیح طریقہ ہے وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے۔

تمھاری کیا رائے ہے ایشا؟

"مجھے نہیں معلوم۔ مجھے اپرنا کے لیے افسوس ہے مگر میں دوسرے لوگوں کے معاملات میں ملوث ہونا نہیں چاہتی" ایشا نے کہا یہ بھی بہت زیادتی ہے "اگر تم اس طرح سوچتی ہو ایشا تو ہماری مدد مت کرو۔"

"لیکن یاد رکھو اگر تم کسی کی مدد نہیں کرو گی تو اگر تم پر کوئی وقت پڑا یا مصیبت میں پھنسیں تو تمھاری بھی مدد کرنے کوئی نہیں آئے گا۔"

"ٹھیک ہے کٹی کو راہِ راست پر لانے کی مہم میں میں بھی تمھارا ساتھ دوں گی" اپتشا نے کہا۔

اس دن سے اپرنا نے محسوس کیا کہ اب وہ خالی وقت میں تنہا نہیں رہتی تھی۔ ایشا، اسبغا اور اِسمیتا اس کی دوست بن چکی تھیں اب وہ خوب خوش رہتی تھی اور اسکول جانے میں آگے آگے رہتی۔

جب ایشا نے اپرنا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو اس نے سمجھ لیا کہ اسے کافی محنت کرنی پڑے گی۔ اپرنا جو بالکل بے خبر اور جاہل تھی اسے کچھ نہیں سکھایا جاسکتا۔ اپنی اسکول کی زندگی میں ایشا نے پہلی بار پڑھائی۔ پر پورا دھیان دینا شروع کیا چاروں لڑکیاں مل کر شام کو اپنا اسکول کام گھر پر کرتیں۔ انھوں نے اندازہ لگایا کہ اپرنا بہت ہنسنے ہنسانے والی ہے اس میں مزاح کی بہت زبردست حِس ہے وہ اپنے طرح طرح کے لطیفوں اور مزاحیہ نظموں سے ان کا دل بہلاتی رہتی تھی۔

جب ماہانہ امتحان کے نتیجہ نے مس آہوجہ کو حیران کر دیا۔ "بہت عمدہ ایشا میں تمھارے کام سے بہت خوش ہوں۔ تم نے دکھا دیا اگر تم کرنا چاہو تو کیا کر سکتی ہو اسی طرح اچھا کام کرتی رہو اور اپرنا تم نے تو خاص طور سے بہت عمدہ کام کیا ہے سوشل اسٹڈیز میں تو کٹی کے مقابلہ پر آگئی ہو۔ بہت بہت مبارک ہو۔" مس آہوجہ نے کہا۔

اس غیر متوقعہ تعریف پر ایشا اور اپرنا دونوں شرما گئیں اور ان کے چہروں پر سرخی جھلکنے لگی۔ مگر مس

آہو جہ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ہر مہینے وہ اگلے مہینہ کی کپتان کے نام کا اعلان کرتی تھیں اور اس کا فیصلہ ہر ماہ امتحان کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنی بات پھر شروع کرتے ہوئے کہا "اب وقت آ گیا ہے کہ کپتان کے نام کا اعلان کیا جائے کٹی تم نے اگر چہ اچھا کام کیا ہے۔ مگر میں سوچتی ہوں اگلے ماہ کے لیے کسی اور کو موقعہ ملنا چاہیے، نئی کپتان ہے ایشا"۔ انھوں نے کہا اور لڑکیوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔

اسکول کے بعد کٹی اپرنا کے پاس گئی اور بولی "تم اتنی بے زبان نہیں ہو جتنی نظر آتی ہو۔ تم نے کس کے ساتھ جوڑ توڑ کر کے دھوکے سے میرے مقابلہ پر اوّل مقام حاصل کرنے کی سازش کی ہے؟" اپرنا اس تہمت پر شرمندہ ہو گئی مگر اگلے چند دنوں میں اس میں ایک نیا اعتماد پیدا ہو گیا تھا اس نے سر اٹھایا اور کہا "مجھے کسی کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت ہے جب کہ میرے پاس ایشا، اتپا اور اسمیتا جیسی سہیلیاں پڑھائی میں میری مدد کرنے کو موجود ہیں۔"

کٹی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "دوست" "تم سمجھتی ہو وہ تمھاری دوست ہیں؟ انھوں نے صرف مجھے نیچا دکھانے کو تمھاری مدد کی ہے اگر تمھیں میرا یقین نہ ہو تو ایشا سے پوچھ لو" اب وہ ایشا کی طرف مڑی جو ابھی ابھی اندر آئی تھی۔ اور بولی "بہت اچھے ایشا تم نے اپنا مقام ثابت کر دیا۔ تم نے اپرنا کو بدلنے کا بہت اچھا انتظام کیا ہے وہ سمجھتی ہے تم اس کی دوست ہو۔ میں نے ابھی اسے بتایا کہ وہ کتنی غلط ہے۔"

ایشا نے اپرنا کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بے حس و حرکت تھا اس نے کہا "نہیں کٹی تم غلط سمجھ رہی ہو" "میں اپرنا کی دوست ہوں میں نے شروع تو اسی طرح کیا تھا کہ تمھارا غرور توڑوں مگر اب میں اپرنا کی سچی دوست ہوں۔" وہ اپرنا کے پاس جا کر مسکرائی۔

اِسمیتا نے کہا "اور میں بھی ہوں" اور اس کی دوسری طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں بھی" ایشا نے کہا۔ اور بھی سب لڑکیاں ان چاروں کے گرد جمع ہو گئیں اور اپرنا۔ ایشا دونوں کو مبارک باد دینے لگیں۔ سبھی نے کٹی کو بالکل نظر انداز کر دیا تو وہ سخت غصہ اور نفرت سے منہ بناتی

کمرے سے باہر چلی گئی وہ سوچ رہی تھی وہ سب جو میری دوست ہوا کرتی تھیں اب ایشا کی دوستی کی دہائی دے رہی ہیں۔(دوستی کے گن گا رہی ہیں)

آخر وہ چاروں دوست اکیلی رہ گئیں۔انھوں نے ایک دوسرے کو شرما کر دیکھا ایشا نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ کلاس کی کپتان بنے گی۔ایشا نے تسلیم کیا کہ اگر وہ اپرنا کی مدد کرنے کی پرواہ نہ کرتی تو اسے اتنی اچھی دوست نہ ملتی۔اسمیتا نے اپرنا کے خوشی سے چمکتے چہرہ کو دیکھا تو وہ خوشی سے کپکپا گئی کہ اس کی خوشی کی ذمہ دار وہ بھی ہے اور اپرنا کو اپنی تقدیر پر یقین نہ آیا۔وہ پانچویں کلاس کی کپتان کی دوست تھی۔

سب سے پہلے ایشا بولی"اب تم تینوں مل کر میری مدد کرنے کے بارے میں سوچو اپرنا اب خود اپنا کام کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر میں ہی غریب مشکل میں ہوں۔میں جو کپتان ہوں؟ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں کبھی ایسا دن دیکھ سکوں گی؟" وہ دونوں مسکرائیں......

ٹھیک کہا میں تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں؟" اس نے پوچھا۔

ان دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا" بے شک تم کر سکتی ہو" انھوں نے اپنے اپنے بستے اٹھائے اور گھر چل دیں۔

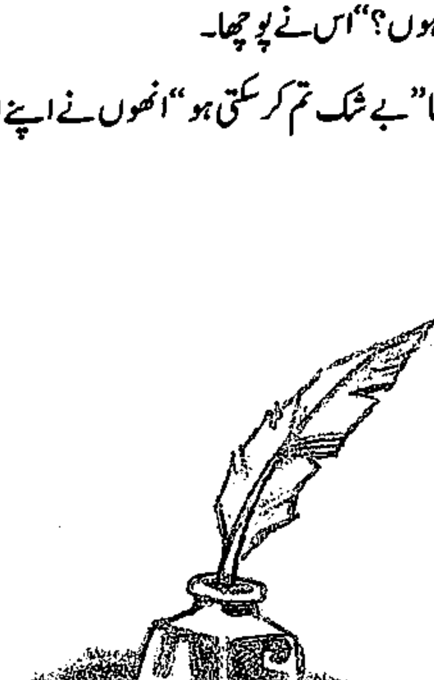

نیلی ریل گاڑی

وہ نئی دلّی کے وی۔ آئی۔ پی (بہت اہم شخصیتوں) پلیٹ فارم پر کھڑی سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ تمام لوگ جن کی نظریں اس پر پڑیں کھڑے ہوئے یہی کہہ رہے تھے۔ "واہ کیا حُسن ہے۔" وہ سچ مچ خوبصورت تھی ایک خصوصی گارڈ سپر ڈی لکس (نہایت عمدہ) ٹرین تھی جو کنیا کماری تک جاتی تھی اس کی ہر چیز 'دلفریب' تھی اس کی تمام نشستیں اور کرسیاں نیلی سفید اور سنہری مخملیں غلافوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اس کی نشست (سونے کی برتھ) لکڑی کے فریم کے ذریعہ اس طرح جڑی ہوئی تھیں کہ جب استعمال میں نہیں ہوتیں تو بند رہتیں اس کے فرش پر گہرے نیلے رنگ کے قالین بچھے ہوئے تھے ہر چیز صاف ستھری اور چمکتی ہوئی تھی حد ہے کہ خادم بھی صاف شفاف استری شدہ یکساں کپڑوں میں ہر چیز مسکراتے ہوئے پیش کرتے تھے۔

اس کا انجن بھی خصوصی تھا جو جاپان کے اشتراک سے بنایا گیا تھا اور بہت تیز رفتار تھا حقیقت میں وہ ہندوستان کی تیز ترین گاڑی تھی۔

نیلی ریل شاہی وقار سے کھڑی تھی اور بہت ہی مغرور تھی۔ جب بمبئی میل اس کے پاس سے گزری تو اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہیلو، تم کتنی خوبصورت ہو!"

کلکتہ جانے والی ڈی لکس بھی "ہیلو، کہہ کر گئی۔ کالکا میل نے پوچھا "تم میری دوست بنو گی؟"

نیلی ریل گاڑی نے نہ تو کسی کی طرف مڑ کر دیکھا اور نہ ہی ان کی مبارک بادوں کا جواب ہی دیا بلکہ ایسا تاثر دیا کہ اعلیٰ نسل کی نوجوان عورتوں کو کسی اجنبی سے بات نہیں کرنی چاہیے۔

دوسری گاڑیوں کو اس کے رویہ سے بہت چوٹ پہنچی۔ مگر وہ کچھ بولیں نہیں۔

وہ آپس میں ایک دوسرے کو خوش آمدید کہتی ہوئی چلی گئیں ایک ماہ گزر گیا، دوسرا آیا مگر نیلی ریل گاڑی اسی طرح تنی رہی اور اس نے کبھی کسی دوسری ریل سے بات نہ کی۔

جیسے جیسے دن گزرتے گئے نیلی ریل گاڑی مقبول ہوتی گئی اس کا ٹکٹ بہت مہنگا تھا مگر جو یہ خرچہ اٹھا سکتے تھے وہ اسی سے سفر کرنا چاہتے تھے۔

ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا "کیا تم نے کبھی نیلی ریل گاڑی سے سفر کیا ہے؟" "تم نے ضرور کچھ کھویا ہے یہ ایک حیرت انگیز تجربہ ہے کیا رفتار ہے؟" "تم نے کبھی محسوس بھی نہ کیا ہوگا" زبردست، شاندار مگر ہولناک حد تک۔ تمھیں کم از کم ایک مرتبہ ضرور سفر کرنا چاہیے تاکہ اس کے اور دوسری ریل گاڑیوں کے درمیان کا فرق محسوس کر سکو۔"

نیلی ریل گاڑی نے یہ سب سنا اور ان کے سامنے وہ اور بھی اکڑ گئی۔

تب ایک دن جب نیلی ریل دلّی سے کنیا کماری کے لیے روانہ ہوئی تو کچھ نوجوان ہنستے، بولتے، سیٹیاں بجاتے اس میں سوار ہوئے۔ ان کے پاس زیادہ سامان نہیں تھا بس دو کالے بیگ تھے جو خاصے بھاری تھے کیوں کہ ایک بیگ میں دو لوگوں کا سامان تھا۔

تقریباً آدھا راستہ طے ہوا ہوگا کہ ہر ڈبہ کے دروازے کھل گئے اور ہر دروازے پر ایک ایک نقاب پوش تعینات ہو گیا وہاں ایک دھماکہ سنائی دیا۔ جیسے کسی نے پستول سے گولی چلائی ہو۔ مسافر حیران و پریشان اس آدمی کو دیکھنے لگے جو ان کی طرف بندوق تانے کھڑا تھا اور ان میں ایک اپنے ہاتھ میں چاقو

لیے مارنے کے لیے تیار تھا۔

''تم لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی سب قیمتی چیزیں اور روپیہ فوراً ہمارے حوالے کردو ورنہ تمھیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ گاڑی بھی چیخ کے ساتھ ایک نامعلوم جگہ پر روک دی گئی ۔ایک نقاب پوش ڈرائیور کے کیبن میں گھس گیا۔ اور اسے مار ڈالنے کی دھمکی دے کر زبردستی ریل روکنے پر مجبور کر دیا اس کے بعد یہ معلوم کرنا دشوار تھا کہ کیا ہو رہا ہے نقاب پوشوں نے مسافروں کو بری طرح دھکے دیے اور انھیں بندوقوں اور چاقوؤں کی نوک پر دھمکیاں دیتے رہے۔

کچھ بہادر لوگ ان سے اس وقت لڑنے اور مقابلہ کرنے کو تیار ہو گئے جب انھوں نے ایک بچّے کو مارا کیوں کہ وہ خوف و دہشت سے رو رہا تھا۔ ڈاکوؤں نے پھر دھمکی دی اگر وہ ان سے مقابلے کی ہمّت کریں گے تو مار ڈالے جائیں گے۔ لیکن مسافر ڈرے نہیں وہ عورتوں اور بچّوں کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے ان میں سے کچھ لوگ جو ڈاکوؤں سے لڑ رہے تھے زخمی ہو گئے۔

کس قدر خوفناک وقت مسافروں پر گزرا ڈاکوؤں نے انھیں مارا پیٹا اور جس نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی ان کے چاقو مار دیے گئے۔ چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔ تمام خوبصورت نشستیں خون سے بھری ہوئی تھیں۔ اور قالین پر بھی خون ہی خون تھا تمام شیشے خصوصی بجلی کے بلب اور ٹیوب لائٹس پوری طرح برباد ہو گئیں۔

غریب مسافر رو رہے تھے خوف سے چلا رہے تھے۔ یہ بہت ہی خوفناک منظر تھا۔

اُس وقت سب اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں تھے۔ عورتیں ڈاکوؤں کو دینے کے لیے اپنے زیورات اتار چکی تھیں مردوں نے اپنے اپنے بٹوے اور گھڑیاں اُتار دیں۔

اس گروہ کے سرغنہ نے تھیلا اٹھا کر ہر ایک کے آگے کیا کہ اپنی اپنی چیزیں اس میں ڈالتے جائیں۔ جیسے ہی وہ مڑا ایک نوجوان لڑکے نے جو خاموش بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا، اپنی ٹانگ اڑادی اور ڈاکو کو منہ

کے بل گرادیا اس کے بعد ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کسی کو نہیں معلوم تھا کہ ہوا کیا ہے۔ مسافر جواب آزاد ہو گئے تھے ڈبے میں بھاگنے لگے کچھ ڈاکوؤں سے بچنے کے لیے باہر کود گئے کچھ ان لوگوں کی مدد کرنے لگے جو لڑ رہے تھے۔

وہ کمسن بچہ خاموشی سے کھسک گیا اور عورتوں اور بچوں کو لے کر ایک بڑے ڈبے میں گھس گیا جسے اندر سے بند کر لیا اور سب سے کہا بالکل خاموش بیٹھے رہیں۔ ڈاکو بہت غصے میں تھے ایک آدمی جس سے سرغنہ کو پکڑنے میں چوک ہو گئی اسے انھوں نے گولی ماردی گولی لکڑی کے فریم میں لگی اسے نہ لگ سکی۔ صرف نیلی ٹرین میں گڑھا پڑ گیا۔

نیلی گاڑی درد سے چلا پڑی اور اس کی سیٹی کی آواز دور تک گئی اس خوفناک لڑائی نے اسے جگہ جگہ سے زخمی کر دیا اور جگہ جگہ نشان خراشیں تھیں اور ٹوٹ پھوٹ تو خوب ہو گئی تھی۔

مسافر ان ڈاکوؤں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے کیوں کہ وہ ہتھیاروں سے لیس اور بہت طاقتور تھے۔ بس انھیں ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید کوئی ریل کی اور سیٹی کی آواز سن کر مدد کو آجائے۔ ڈاکوؤں نے اندھا دھند گولی چلانی شروع کر دی جس سے بہت سے آدمیوں کو چوٹیں آئیں اور خون بہنے لگا۔ وہ درد سے چلا رہے تھے۔

اتفاق سے اسی وقت ایک گاڑی 21 ڈاؤن ایکسپریس جو بہت ہی معمولی تھی جس کی طرف کبھی نیلی گاڑی نے ایک نظر ڈالنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی تھی اوپر سے گزری انجن کے ڈرائیور، گارڈ اور کچھ مسافروں نے نیلی ریل کی سیٹی کی آواز اور مسافروں کی چیخیں سنیں۔

معمولی سی براؤن ایکسپریس نے اندازہ لگایا کہ نیلی ٹرین پر کیا گزری ہے۔ اوہ خدا.... ڈاکو.... "وہ دکھ سے چیخی۔ "مجھے نیلی ریل کی مدد کرنی چاہیے۔" وہ پوری رفتار اور طاقت سے دوڑی۔ ڈرائیور نے تمام ٹرین کو تیز کرنے والے پرزے کھول دیے اور پوری قوت سے جتنا تیز دوڑا سکتا تھا اسے دوڑ لیا۔

"شاباش چھوٹی ریل قدم بڑھائے جاؤ ہمیں اگلے اسٹیشن جلد سے جلد پہنچنا ہے تاکہ ہمیں مدد مل سکے اور اتنا تیز چلو کہ ڈاکو ہمارا نشان بھی نہ پا سکیں۔"

بہادر معمولی ریل اتنی تیزی سے بھاگتی رہی جتنا اس کے پہیے ساتھ دے سکتے تھے اور اپنے مقررہ وقت سے آدھے ہی وقت میں اگلے اسٹیشن تک پہنچ گئی۔

اسٹیشن ماسٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ اپنے وقت سے پہلے کیوں پہنچ گئی اور نیلی ریل کے حادثہ کے متعلق معلوم کر کے تو اور بھی پریشان ہو گیا۔

اس نے فوراً پولیس تھانے کو فون کیا جس نے فوراً ہی ایک ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے والا پولیس دستہ روانہ کیا کہ ڈاکوؤں کو پکڑ سکیں۔ آس پاس کے اور بھی پولیس تھانوں کو اطلاع دے دی گئی۔ اس سے قبل کہ تم "جیک روبن سن" کو یاد کرو چار پانچ پولیس تھانوں سے دستوں نے پہنچ کر نیلی گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

یہ بہت ہی تیز اور فیصلہ کن لڑائی تھی اور پانچ ہی منٹ کے اندر تمام ڈاکو پولیس کی گاڑی میں بھر کر جیل کی طرف روانہ کر دیے گئے۔

بے چاری نیلی گاڑی بُری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ دیکھنے سے وحشت ہو رہی تھی۔ کسی طرح شکستہ اور لُٹی پٹی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس یارڈ میں لے جائی گئی جو ٹوٹی پھوٹی ریلوں کا ہسپتال کہلاتا ہے اور وہ اس مرمت گاہ (ہسپتال) بھی دو مہینے رہی۔

خوب خوب مرمت کی گئی نئے غلاف، نئی روشنیاں، اور نئے آئینے لگائے گئے جو خراشیں اور گڑھے پڑھے تھے اس کی مرمت ہوئی دوبارہ رنگ و روغن کیا گیا اور آخر میں وہ پہلے سے بھی خوبصورت ہو کر وی۔ آئی۔ پی پلیٹ فارم پر نئی دلی میں لا کر کھڑی کی گئی۔

گزرنے والوں نے کہا۔ "ہیلو! نیلی گاڑی واپس آگئی۔ یہ تو بہت ہی شاندار اور عمدہ لگ رہی ہے۔"

معمولی 21 ڈاؤن ایکسپریس اسٹیشن پر پہنچی وہ نیلی گاڑی کے سامنے سے گزری اور اگلے پلیٹ فارم پر کھڑی ہو گئی۔

نیلی گاڑی نے اسے پہچان لیا اور خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بہادر ریل گاڑی تمھارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے میری جان بچائی اور میرے مسافروں کی بھی جان بچائی۔" "اُوہ کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہے ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیے۔" 21 ڈاؤن نے کہا۔ "ایک مرتبہ پھر شکریہ تم بہت بہادر ہو اور بہت اچھی ہو تم ہمیشہ مضبوط، طاقتور اور مددگار رہو۔ کیا تم میری دوست بنو گی؟ مہربانی کر کے از راہِ کرم۔"

21 ڈاؤن نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا "کیوں نہیں.... بے شک" اور اس کے بعد ہمیشہ نیلی گاڑی نہ صرف سب سے حسین گاڑی تھی بلکہ ہندوستانی ریلوے میں سبھی کی بہترین دوست بھی تھی۔

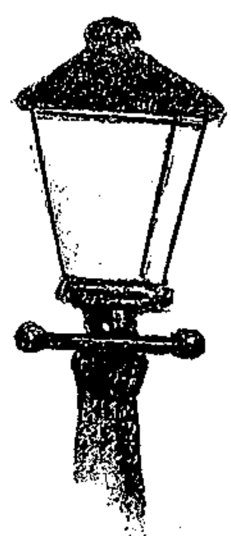

روی کی اصلاح

"یہ زمین کے لیے نہایت عمدہ ہے" میرے چچازاد بھائی روی نے سیب کے بیچ کا بچا ہوا حصہ پھولوں کی کیاری میں اُچھالتے ہوئے کہا "ذرا انتظار کرو، اور دیکھو اس کے بعد تمھارا باغ کتنا پھلے پھولے گا۔"

"مجھے اور میرے بھائی کو غصہ تو بہت آیا مگر ہم خاموش رہے مگر ہم اسے دلیل پیش کرتے ہوئے خوفزدہ تھے جو ہم سے بڑا اور طاقتور بھی تھا اور تشویش ناک انداز میں سوچ رہے تھے کہ اب وہ کیا کرے گا؟

روی میز پر جھکا ایک کیلے پر قبضہ جمالیا۔ لاپرواہی سے اسے چھیلا اور ماہرانہ انداز میں باغ کے باہر بیچ سڑک پر اچھال دیا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "کیا یہ سڑک کو بھی بہتر اُگادے گا؟"

میرے چچازاد بھائی نے جواب دیا "بے شک" اس سے بھی زیادہ یہ ایک عمدہ مذاق ہے ذرا صبر کرو اور دیکھو۔"

ہم انتظار ہی کر رہے تھے کہ مسٹر سنہا کا پیر غیر ارادی طور پر کیلے کے چھلکے پر پڑا وہ ایک طرف پھسلے اور سڑک کے درمیان جا پڑے۔ انھوں نے غصہ سے ادھر اُدھر دیکھا میرے چچازاد بھائی نے جھٹ سے ایک ڈبکی لگائی اور کھڑکی کے نیچے دُبک کر مارے ہنسی کے ہلنے لگا۔

"تم نے ان کا چہرہ دیکھا۔" وہ ہنسا۔

ہم نے ناگواری سے سر ہلایا۔ میں نے جھری سے جھانکا تاکہ یقین کر سکوں کہ مسٹر سنہا ٹھیک ہیں وہ ابھی تک کھڑے تھے اور سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں گھور رہے تھے۔ وہ معصوم یہ نہیں جانتے تھے کہ مجرم پڑوس میں بالکل محفوظ بیٹھا اپنی حرکت پر دل ہی دل میں مسکرا رہا ہے۔ ہم نے کندھے اُچکا کر حیرانی سے دیکھا کہ روی کبھی ہنسنا بند بھی کرے گا۔ اس نے ہنسنا تو بند کر دیا مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیں نئی تفریح کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔

ہم اس کے پیچھے پچھواڑے کی طرف گئے۔ اس نے ہماری رہنمائی اس چھوٹی سی باڑ تک کی جو دوسرے پڑوسی کھنہ اور ہمارے گھر کو الگ کر رہی تھی۔

"یہ بہت عمدہ رہے گا" وہ بڑبڑایا "کچھ انتظار کرو اور دیکھو۔"

"یہ انتظار اور دیکھنا، ہماری رگیں کھنچنے کی شروعات ہوتی ہمارا دیکھنا اور انتظار بہت تکلیف دہ تھا کہ روی نے ہمارا کوڑے کا ڈبا باڑھ تک کھینچا اور اس میں سے آدھا کوڑا کرکٹ کھنہ صاحب کے گھر کے پیچھے کے حصے میں ڈال دیا۔

"اب چل کر بیٹھو اور بم پھٹنے کا انتظار کرو" اس نے کہا۔ اور اس نے وعدہ کر کے ہم میں پھونک بھر دی کہ وہ ایک اچھی سی دعوت دے گا۔ کچھ گھنٹوں بعد ہم نے سُنا کہ مسز کھنہ ہماری ممّی سے زبردست لڑائی میں مصروف ہیں۔ ہم لوگ اپنے چچازاد بھائی کے اس عجب سے مذاق سے بہت پریشان تھے ہم دل سے چاہتے تھے کہ چھٹیاں ختم ہوں اور یہ واپس اپنے والدین کے پاس جائے۔

اب دیکھتے جایئے۔ آدھے کھائے ہوئے سینڈوچ سنترے کے چھلکے، سیب کے بیچ کا حصہ، چاکلیٹ کے اترے کاغذ، ببل گم، مونگ پھلی کے چھلکے، آئس کریم کی لکڑی یہ کچھ ایسی چیزیں تھیں جو وہ لاپروائی سے اپنے اردگرد جمع رکھتا۔ وہ جہاں بھی جاتا اپنے پیچھے کوڑے کرکٹ کی لائن لگا دیتا ہم نے کوشش کی کہ اس کے کمرے میں ایک کوڑے کا ڈبا رکھ دیں تو اسے وہ ایک فٹ بال کی طرح استعمال کرنے کو ترجیح

دیتا۔ خیر، ہم نے اسے نکال لیا۔ صرف علاقہ کے جنگلی بھٹکتے ہوئے کتے، بلّیاں یا پھر علاقہ کی گائیں اس سے پیار کرتیں اور اس کی موجودگی پر خوش آمدید کہتیں جب بھی وہ ٹہلنے جاتا یہ جانور ایک دوسرے کو ہوشیار کر دیتے اور قریب سے ہمارا پیچھا کرتے۔ روی نے کبھی انھیں ناامید نہیں کیا۔

ہم جانتے وہ دن دور نہیں جب محلہ سے شکایات آنی شروع ہو جائیں گی اور تب ہم دونوں بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے کیوں کہ مہمانوں پر نظر رکھنے کی ذمّے داری بھی تو میزبانوں کی ہوتی ہے۔ ہم اپنے والدین سے بھی اس سلسلہ میں مدد مانگ سکتے تھے مگر وہاں ایک بڑا مسئلہ تھا۔ کہ جب وہ سامنے ہوتے تو روی صفائی کا ایک نمونہ پیش کرتا کبھی بھی ان کی موجودگی میں اس نے بدتمیزی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا اس وجہ سے ہم سوچتے یہ یقین کرنا کتنا مشکل ہے کہ یہ وہی روی ہے۔ ہم بے شک انھیں یہ سب بتا سکتے تھے جو ہم جانتے تھے مگر ہم کہانیاں بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔

ہماری ممّی اکثر حیران ہوتی تھیں کہ گھر کے آس پاس یہ افراتفری کیا ہوتی ہے مگر وہ کبھی بھی روی کو الزام نہیں دے سکتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ہی فرض کر لیتیں کہ گھر کے نوکر ست ہیں یا پھر گلی کے کتّے اپنے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ڈیڈی کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی اگرچہ اتنے ہی پریشان تھے جتنی ممّی کیوں کہ گھر کے تینوں بچّے تو صفائی رکھنے کا خاص خیال رکھتے ہیں پھر یہ شرارت کس کی ہے۔ میں اور میرا بھائی ہر وقت مشکل میں پڑے رہتے اور اس قیمت پر ہماری چھٹیاں برباد ہو رہی تھیں۔ ہم اپنی حالت کے بارے میں سینکڑوں دفعہ غور کر چکے تھے اور کر رہے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ اور مسٹر سنہا اندر آئے میرا دل دھڑکنے لگا اور میں نے اپنے بھائی کے کہنی ماری، کیوں کہ مجھے معلوم تھا وہ بھی یہی محسوس کر رہا ہے۔ مسٹر سنہا جب تک وہ چلے نہ گئے ہم آنکھوں سے اوجھل ہی رہے اور پھر ایک دھاکے کے لیے خود کو تیار کرتے رہے لیکن وہ وقت نہیں آیا بلکہ ہماری ممّی نے بتایا کہ اسی دن مسٹر سنہا کے بیٹے کی سالگرہ میں ہم سب مدعو ہیں جب ہم نے روی کو اس کی اطلاع دی تو وہ بہت بے قرار ہو گیا۔ اس نے رائے زنی کی کہ "وہاں کھانے کے لیے بڑھیا بڑھیا چیزیں ہوں گی۔" کیوں کہ اس نے پیچھے کی گلی میں پلاسٹک کے پیکٹ پڑے دیکھے ہیں۔"

اس شام ہم خوب نہا دھو کر برش وغیرہ کر کے مسٹر سنہا کے گھر جا پہنچے روی کا ہم نے سب سے تعارف کروایا۔ دھوپ ڈھلتے ہی وہ باہر کھسک لیا۔ ہم تفریح میں اس قدر مصروف تھے کہ پرواہ ہی نہ کی وہ کہاں ہے۔ وہاں طرح طرح کے پرجوش کھیل اور شاندار کھانا تھا۔ ہم نے اچٹتی نگاہ روی پر ڈالی تو وہ اپنی پلیٹ بڑھیا بڑھیا چیزوں سے بھر رہا تھا اور جلدی جلدی کھا رہا تھا اور پھر دوسری دفعہ تیار تھا آخر جانے کا وقت ہو گیا تو مسٹر سنہا نے ہمیں چاکلیٹ کے چھوٹے چھوٹے پیکٹ واپس کا تحفہ کہہ کر پکڑائے روی نے اپنا تحفہ لیا اور ہمارے ساتھ آ گیا۔ مسٹر سنہا ایک پرنسپل تھے انھوں نے خوش اخلاقی سے میرے چچازاد بھائی کا سر تھپتھپایا وہ بہت ہی ملنسار اور محبت کرنے والے تھے۔

تب روی نے ہمیں ایک طرف لے جا کر صلاح دی کہ "ہم پیچھے کے حصّے سے چلیں گے اور باڑھ کو پھلانگ لیں گے۔"

ہم بھی اس بات پر راضی ہو گئے کیوں کہ اس طرح ہم جلد گھر پہنچ جائیں گے۔ اور چند ہی سنٹ بعد ہم اپنے صحن میں کھڑے تھے اور تب تک ہم زیادہ تر چاکلیٹ کھا چکے تھے۔

میرے چچازاد بھائی نے کہا "وہ ایک زبردست پارٹی تھی" اس نے اپنا چاکلیٹ کا خالی ڈبا خاموشی سے باڑھ سے اُچھال دیا۔ اس نے ہم سے بھی چھینے اور وہ بھی مسٹر سنہا کے پچھلے صحن میں پھینک دیے۔ تب ہم نے فیصلہ کیا کہ اب زیادہ برداشت نہیں کریں گے۔ بس یہ آخری وار ہے۔ عملی منصوبے کو سوچتے سوچتے ہمارے دماغ پھٹنے لگے کافی دیر میں ہمیں ایک روشنی کی کرن نظر آئی۔

اس دن میں بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ٹہلنے گیا وہ ہمیشہ کی طرح اپنے اسکول اور دوستوں کے بارے میں شیخی مار رہا تھا کہ ایک پکا ہوا ٹماٹر پوری طاقت سے اس کے چہرہ پر آ کر پڑا اور اس کا منہ ٹماٹر کے بیجوں اور رس سے بھر گیا اس نے غصہ سے جھاڑیوں کی طرف دیکھا اور مجھے امید تھی کہ میرے بھائی نے خود کو اچھی طرح جھاڑیوں میں چھپا لیا ہے۔ میں نے بڑے آرام سے اپنے غصّے میں بھرے ساتھی سے کہا "ہو سکتا ہے سنہا کے یہاں سے کوئی ہو۔"

"وہ شاید اپنے باغ کی پرورش چاہتے ہوں گے مگر مقصد دور ہے۔"

کچھ لمحہ ہم خاموشی سے چلتے رہے کہ پھر میرے چچازاد بھائی کے چہرے پر ایک دھماکے کے ساتھ مچھلی کا کچھ گندگی پڑی اور کچھ سڑک پر گر گئی میں نے اسے صاف کیا اور گھور کر دیکھا اس کے چہرہ پر کچھ شرمندگی تھی وہ سڑک کے بیچ پیر پسار کر بیٹھ گیا۔

''میں نے حیرت سے کہا''اوہ اس پر غور کرو کہ کسی اور کے دل میں بھی وہی خیالات آئے ہوں گے جو تمھارے دل میں تھے انھوں نے بھی سڑک پر کیلے کے چھلکے اگانے کو پھینکے ہیں۔''

میں نے سوچا روی اب مجھے مارے گا مگر وہ لمحہ گزر گیا ہم نے ایک چکر لگایا اور پیچھے کے حصّے کی باڑھ کے قریب پہنچے جہاں بہت سے کتّے جمع تھے اور کسی چیز پر جھگڑ رہے تھے۔

میرے چچازاد بھائی نے پوچھا''وہ کیا ہے''اور ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ جھگڑے کی وجہ ایک سلیٹی رنگ کا کپڑے کا ٹکڑا تھا میرے چچازاد بھائی نے اسے پہچان لیا اور دہشت سے ایک چیخ ماری''میرا نیکر''تمھیں یہ ملے کیسے؟اور اُس نے کتّوں کو بھگا دیا۔ میں نے وہ پھٹے ہوئے کپڑے اٹھائے۔

شاید یہ کپڑوں کی الگنی پر سے گر گئے ہوں گے۔ کیوں کہ آج ہوا تیز ہے۔''میں نے رائے دی اس پر کوئی دھبّا ہے''ارے اس پر تو پگھلی ہوئی چاکلیٹ لگی ہوئی ہے۔''میں نے اضافہ کیا''کتنی زیادہ ہے۔ کیا تم نے ٹھیک سے اپنی جیب صاف نہیں کی تھی؟ کوئی تعجب نہیں کہ کتّے اسی کے لیے لڑ رہے تھے۔ روی کا منہ لٹک گیا اور وہ غصّے میں گھورنے لگا۔ ہم گھر میں داخل ہوئے میری چچازاد بھائی کا منہ پھولا ہوا تھا میں اس کے پیچھے اس کے کمرے میں گیا وہ اپنے بستر پر ڈھے سا گیا''کس قدر منحوس دن ہے''وہ منمنایا اور بولا''کاش ہم باہر نہ گئے ہوتے۔''میں اطمینان کر کے کہ جو ببل گم ترکیب سے اس کے پلنگ پر لگی ہوئی ہے۔ اس کے پاجامہ پر چپک جائے گی اسے الگ کرنے میں ہر کوشش ناکام ہو جائے گی۔ کمرے سے نکل گیا اور جب کمرے سے اس کے چیخنے کی آواز آئی تو میں سمجھ گیا کہ عمل جاری ہے۔ یہ اس کا آخری امتحان نہیں تھا رات کو مسٹر سنہا ایک غصیلے پرنسپل کی شکل میں آئے اور روی کو بلانے کو کہا پچھلی رات ان کے نوکر نے روی کو چاکلیٹ کے ڈبّے ان کے صحن میں پھینکتے دیکھ لیا تھا۔ بہت غصے میں روی کو بلایا گیا اور ہم نے اپنے کان بند کر لیے اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی میرے والدین بھی اس

سے ان کے برابر ہی پڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی بھی نازیباالفاظ کا اثر نہیں لیا۔ آخر میں اس انٹرویو کے بعد آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ عقل مند لڑکا اداسی سے چلا گیا۔

کئی دن تک گھر میں اِدھر سے اُدھر یہ پیغام اس کے گھر تک پہنچ گیا۔ ہماری دعائیں قبول ہو گئیں۔ اس دن کے بعد سے روی صفائی کا بے حد پابند ہو گیا۔ وہ اس قدر شائستہ ہو گیا کہ ہم بھی اس کی ٹانگ کھینچنے لگے۔ لیکن ہمیں اس کی یہ تبدیلی بے حد پسند آئی اور اندر سے ہمارا دل چاہنے لگا کہ کاش روی ہمارے ساتھ اور زیادہ دن رہ سکتا۔ جس دن وہ جارہا تھا اُس نے مجھے بید کا ایک خوبصورت کوڑے دان تحفہ میں دیا۔"

اس نے کہا "یہ تمھارے کمرے کے لیے اچھا ہے۔"

"کیوں" "کیا یہ کمرے میں اُگے گا" میں نے شرارت سے کہا۔ اور مل کر ہنس دیے۔

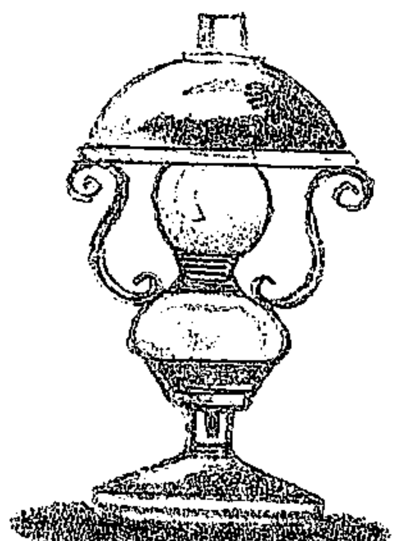

ایک تھا گھوڑا

مجھے ہمیشہ سے گھوڑوں سے پیار ہے۔ وہ شاندار جانور، حسین گردن، ہلکورے لیتی دُم اور وہ ایال۔

اگر چہ میں چھوٹی سی لڑکی تھی مگر مجھے یاد ہے کہ کس طرح میں ان موٹے تازے لمبے اور طاقت ور جانوروں کو لندن کی گلیوں میں کوئلے کی گاڑیوں کو کھینچتے گھورا کرتی تھی۔ وہ اپنے سراہنے والوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے کھانے کے تھیلوں میں منہ ڈالے رہتے تھے۔

شہر کے باہر، ہریالی میں فارم کے مضبوط گھوڑے رہتے تھے اس کے قریب ہی فوج کا لشکر تھا جہاں سے یہ ہل چلاتے یا گھاس بواتے اپنی گردنیں چمکاتے تھے اور جب یہ میلے یا نمائش میں لے جائے جاتے تھے تو ان لمبے شاندار جانوروں کی دُموں، گردنوں کے بالوں پر برش کیا جاتا، کاٹھی کو خوبصورت رنگین رِبن سے سجایا جاتا۔ اور اِن پر جو پیتل لگا ہوتا اسے بھی خوب چمکایا جاتا تھا۔

کون ان چھوٹی چھوٹی جنگلی پونیوں کی حیران کن اور چمکدار آنکھوں کا مقابلہ کر سکتا تھا جو بنجر زمینوں پر رہتی تھیں۔

بچہ ہونے کی حیثیت سے جب میں سرکس جاتی تو داخلی دروازے پر بیٹھ کر ان خوبصورت، ملائم اور آلو بخارے کے رنگ کے غرور سے سر اٹھائے گھوڑوں کو سرکس کے میدان میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔

اسکول میں بھی جب میں کوئی کام کرتی تو اس کے کنارے پر جست لگاتے ہوئے گھوڑے کی تصویریں

بنا دیتی جس پر میرے استاد برہم ہو جاتے کہ اپنی یہ مصوّرانہ قابلیت اپنے آرٹ کے گھنٹے کے لیے ہی بچا کر رکھا کرو۔

جب میں بڑی ہو گئی تو اپنی سائیکل پر سوار ہو کر میلوں میدانوں میں گھوڑے دیکھنے چل پڑتی اور میری جیبوں میں چھوٹے چھوٹے سیب، گاجریں اور شکر کی ٹکڑے بھرے ہوتے تھے۔ اور جب میں گھوڑوں کے میدان کے قریب پہنچتی تو وہ مجھے دیکھ کر گیٹ کے اوپر سے سر اٹھا کے ہلکے ہلکے ہنہنا کر میرا خیر مقدم کرتے۔

میں ان کے ساتھ ایک مسّرت بخش گھنٹہ گزارتی جب وہ میری ہتھیلیوں کو اپنے نرم نرم ہونٹوں سے چاٹتے اور وہ رسیلے سیب اور مزیدار چیزیں چباتے۔

میری دوست بھی میری ہی مانند گھوڑوں کی دیوانی تھیں ہم بچّوں کی لائبریری میں گھوڑوں سے متعلق کتابیں لینے کے لیے چھاپامارتے رہتے۔ مجھے یہ یاد کر کے جھرجھری سی آجاتی ہے کہ کس طرح ہم آرام سے بیٹھ کر، جل جون، یا انھی کی ان کے اپنے گھوڑوں کے متعلق کہانیاں پڑھتے کہ کس طرح جم خانوں میں ان کی سواری کرتے یا گھوڑوں کی نمائش میں لے جاتے۔ اور ہمیشہ گھوڑوں کی دوڑیں جیتنے پر انھیں انعام ملتے اور گلے میں ربَن ڈالے جاتے کتنی پر جوش اور نمایاں کارناموں کی کہانیاں تھیں اوہ..... اوہ وہ بچپن کے شاندار دن ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ بس اب تو اپنے پوتا، پوتیوں کو بہلانے کے لیے تسکین کا سامان ہیں۔

مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں گیارہ سال کی تھی تو گھوڑے کی سواری کے لیے بے قرار رہتی تھی۔ اس لیے ہر ہفتہ کے آخری دن قریبی گھوڑسواری کے اسکول میں میں نے ایک گھنٹہ کے لیے داخلہ لیا اور جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ ایک گھنٹہ کی گھوڑسواری بہت کافی ہے کیوں کہ کمر پر اچھلنے سے سخت کمر درد ہونے لگتا تھا۔ اور ایک ہفتہ جب میں خالی بیٹھتی تو نرم کشن لگاتی تھی۔ گھوڑا سواری سکھانے والا اسکول ایک کیچڑ بھرے میدان میں تھا جہاں صرف کچھ چھپّر پڑے ہوئے تھے۔ جہاں ایک صاحب

کے پاس سات، آٹھ گھوڑے تھے وہاں وہ تربیت دیتی تھیں۔

وہ ایک دبلی پتلی، جھریوں بھرے چہرے والی ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں جن کے دانت لمبے لمبے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ شاید وہ بھی گھوڑی ہی ہیں ان میں سے ویسی ہی بُو بھی آتی تھی۔

وہ ٹویڈ کی جیکٹ پہنتی تھیں جو گھوڑے کے عمدہ بالوں سے ڈھکی رہتی تھی اور اس کی جیب سے گھوڑوں کو ملنے والا جھانواں باہر کو جھانکتا رہتا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے جانوروں کے گرد ہی گھومتی رہتی گھوڑوں کے نرم اور چکنے گردن اور دُم کے بال جھولتے رہتے مگر اس کے اپنے الجھے ہوئے بالوں کی لٹیں لمبی نوکدار سواری کی ٹوپی کے نیچے لٹکتی رہتی تھیں۔ اس کی پتلون بھی کبھی صاف نہ ہوتی اور اس پر گھاس پھوس کے دھبے اور تنکے پڑے رہتے جوتوں پر ہمیشہ مٹی لگی رہتی تھی۔

اکثر ہماری ٹیچر ہم سے ناراض ہو کر جھنجھلا جاتیں..... اپنے آدھے درجن شاگردوں سے۔

ہمیں بہت قریب سے دیکھتی اور ہوشیاری سے نظر رکھتی تھی کہ کہیں ہم اپنی لاپرواہی اور پھوہڑپن سے ان کے کسی جانور کو زخمی نہ کردیں۔

وہ پہلا یادگار دن جب مجھ سے گھوڑے پر چڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میری ٹیچر میرے لیے ایک سب سے لمبا اور پرانا بھورے رنگ کا گھوڑا لے کر آئیں جس کا نام 'سوسن' تھا۔

سوسن نے میری طرف مغرورانہ انداز میں دیکھا میں اکثر حیران ہوتی پہلی ملاقات میں اس نے اس طرح کیوں دیکھا؟ میں کھڑی اسے گھورتی رہی۔ ایک موٹا تازہ، ہٹا کٹا بچہ نئی گھوڑسواری کی پتلون، چمکیلا زرد سوئیٹر، لمبے موٹے گرم موزے۔ نئے مضبوط جوتے، بال پیلے ربن سے بندھے ہوئے خوب اچھی طرح صابن سے دھلا منہ اور خوشی سے چمکتا چہرہ پھر......

مجھے ہدایات دی گئیں کہ گھوڑے پر کیسے سوار ہوتے ہیں میرا دل ڈوبنے لگا جب میں دور سے زین کسی ہوئی دیکھی۔ میں کیسے اس پر چڑھوں گی؟ مجھے یاد ہے مجھے کتنی خوشی، جوش اور ولولہ تھا کہ پہلی مرتبہ

اکیلی گھوڑے کی سواری کروں گی۔"

اور اس وقت مجھے کچھ گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی اگرچہ جب اس نے اپنے ایک پیر کا بوجھ دوسرے پر ڈالا۔ تو میں ڈر سی گئی۔ ایسا لگا جیسے کوئی چھوٹا موٹا زلزلہ آ گیا ہو میدان دور نظر آ رہا تھا حالاں کہ سوسن گرم اور لچکدار جسم پر سواری کتنی اچھی لگ رہی تھی۔

میں نے اس کی گردن تھپتھپائی اور ہلکے سے گنگنائی مجھے اس سے محبت تھی اور سوسن کو بھی احساس تھا۔ وہ شیطان پرانا گھوڑا ہر وقت نئی نئی شرارتیں کرنے اور ہوشیاریاں دکھانے کے لیے تیار رہتا اور اس کے پاس اس کا بھنڈار تھا۔

وہ کبھی بھی میرا حکم نہیں مانتا تھا اور ہمیشہ اس کا الٹا کرتا اسے قابو میں کرنے کے لیے میں نے کافی سخت وقت گزارا ہے۔ پھر بھی اب تک مجھے اس سے محبت ہے۔

ہمیں سکھایا گیا تھا، سیدھے بیٹھو، ہاتھ نیچے، ایڑیاں بالکل نیچے، اور کس طرح چلتے گھوڑے پر گھومنا ہے جو میں نے بہت اچھی طرح نبھایا۔ دلکی چال اور سرپٹ دوڑتے گھوڑے پر کیسے بیٹھا جاتا ہے اور کتنے سلیقہ سے اس کی حرکتوں کو سنبھالا جاتا ہے۔

میرے ساتھ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ سوسن ایک طرف جھک جاتا کبھی مجھ سے غلطی ہو جاتی اگر میں اترتی تو سوسن ٹانگیں اٹھالیتا۔

میری ٹیچر نے مجھے ڈانٹا کہ میں جیلی کے انداز میں چڑھتی ہوں ٹھیک ہے کبھی میں اسی طرح سوار ہوتی۔

ہماری ٹیچر ہمیں سواری کے لیے خوشگوار موسم میں جنگل کی طرف بھی لے جاتی تھیں۔ جہاں ہم پیڑوں کے نیچے پتلی سڑک پر بھی چلتے تھے۔ کبھی کبھی پیڑوں کی لٹکتی شاخوں کی وجہ سے ہمیں کاٹھی پر جھک کر نکلنا پڑتا تھا اس طرح باہر نکلنے پر سوسن بھی اپنی شرارتیں کرتا رہتا۔

انھوں نے نوٹ کیا کہ مجھے یقین ہے کہ وہ اور اس کی مالکن نظروں سے دور ہو گئی ہیں آہستہ چلنے کی

بجائے وہ دوڑ نے لگا راستے میں ایک موٹی شاخ تھی اس سے بچنا بھی مشکل تھا میں نے اپنا اٹھایا اور ہاتھ سے شاخ پکڑی سوسن نے اپنا سر اٹھا کر دم سے شاخ ہٹائی اور تیز دوڑ کر دوسروں سے جاملا۔ اور مجھے ایک پیلے پکے ہوئے پھل کی طرح شاخ پر لٹکا دیا میں زمین پر گر پڑی اور اپنے شریر ساتھی کو پکڑنے چلی سوسن اسی طرح کھلبلی مچارہا تھا اور اپنی مالکن کی تلاش کر رہا تھا اور اس طرح دیکھ رہا تھا کہ میں زخمی تو نہیں ہوئی۔ نیچے گرنے سے میرے گال لال ہو رہے تھے اور کپڑوں میں مٹی لگی ہوئی تھی۔ بہر حال اب میں سوسن کی عادی ہو چکی تھی اس کی شرارت سے چمکتی آنکھیں بہت دلچسپ لگتی تھیں۔

کچھ ہی دن میں میرے دل میں یہ اعتماد پیدا ہو گیا کہ میں ایک اچھی سوار بن جاؤں گی اور میں ان سنہری خوابوں میں کھو گئی کہ ایک دن میرا اپنا گھوڑا ہو گا اور جیم خانہ سے انعامات جیت رہا ہو گا۔

بہار کے ایک خوشگوار دن ہم سب ایک لمبے گھاس کے راستے میں جا رہے تھے ہماری ٹیچر نے ہمیں آہستہ خرامی کا حکم دیا تھا سبھی گھوڑے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ سوائے سوسن کے۔

ہماری ٹیچر نے سوسن کے پٹھے پر ایک زور سے تھپڑ رسید کیا تاکہ وہ چلے، وہ چلا اس کا دماغ گھوما ایک طرارہ بھر کر (جست لگائی) بھاگ لیا وہ بہت لاڈلا تھا اس لیے یہ تھپڑ شاید ناگوار گزرا میں اتنی تیز رفتار کے لیے تیار نہ تھی اس لیے کاٹھی پر سے پھسلنے لگی اور بری طرح گرنے لگی۔

میں نے اپنے ہاتھ سختی سے سوسن کی گردن میں ڈال دیے اسے جکڑ لیا ایک پیر اب بھی کاٹھی میں تھا اور میں لٹک رہی تھی۔

نہ جانے کس طرح میں نے محسوس کیا کہ میں سوسن کی نرم نرم ٹھوڑی کی طرف دیکھ رہی ہوں کس طرح میں نیچے اتری ہوں مجھے کچھ پتہ نہیں بس اتنا معلوم ہے کہ مجھے کچھ سکون محسوس ہوا بس اتنا یاد ہے کہ میری ٹیچر نے سوسن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کیسے اسے پکڑا اور سوسن کو روکا۔

میں نے اس کے بعد گھوڑ سواری چھوڑ دی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہمدرد ٹیچر اور ایک سست اور اچھے گھوڑے کی وجہ سے میں نے کاٹھی پر اٹکے رہنے کا فن سیکھ لیا تھا۔

بہر حال کسی بھی طرح میرا گھوڑے کی سواری کا شوق کمزور پڑ گیا اور میں نے اپنے آپ کو صرف گھوڑوں کی کہانیاں پڑھنے اور ان کی تصویریں بنانے تک ہی محدود کر لیا۔

لیکن ..... آہ..... اب بھی میں اس خوبصورت، شاندار گھوڑے اور اس کی کھال اور پسینہ کی تیز خوشبو کی کمی محسوس کرتی ہوں۔

اس عظیم الشان جانور کی آج بھی پرستار ہوں اگرچہ محفوظ ہوں.... خطرات سے.... دور ہی دور سے۔

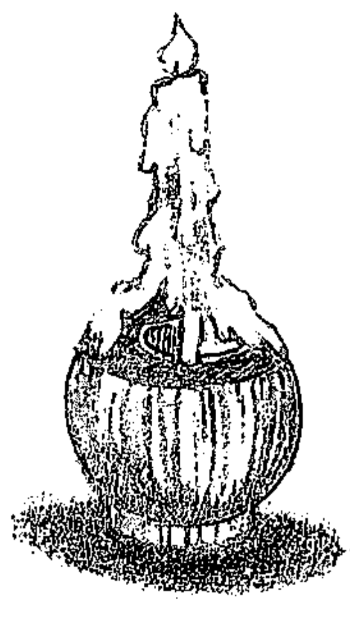

موت نہیں آئی

ساتویں بی کلاس کا ہر بچہ دیپک پر ٹکٹکی باندھے دم بخود بیٹھا تھا۔ حساب میں گھر کا کام جو اس نے جمع کروایا تھا اس کا پورا صفحہ زیرو سے بھرا پڑا تھا اور حساب کے استاد غصیہ میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ ''اس قسم کا کام اس کلاس کا بالکل نہیں لگتا ہے۔''

دیپک کھسیایا اور بولا ''اگر نہیں لگتا تو بہتر ہے میں اسے ضائع کر دوں۔'' وہ کھڑکی کی طرف بڑھا اور حساب کی کتاب باہر پھینک دی۔'' اب بھی وہ کھڑکی پر جھکا ہوا حیرت سے خاموش کھڑے استاد کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اور تمام کلاس سانس روکے یہ ڈراما دیکھ رہی تھی آخر سکتہ کے بعد ماسٹر لرزتی ہوئی آواز میں بولے ''اب میں تمھارے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا میں تمھیں ہیڈ ماسٹر کے پاس لے جاؤں گا۔''

دیپک بغیر کسی جذبہ کے کھڑکی سے ہٹا اور ماسٹر کے پیچھے پیچھے سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ اور اس کی کلاس کے لڑکے غیر یقینی طور پر منہ پھاڑے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد دیپک کو اپنے ڈیڈی کا چہرہ دیکھ کر رحم آ گیا ہیڈ ماسٹر غصے سے کہہ رہے تھے۔

''مسٹر کرشنن یہ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کا اس کا پہلا موقع نہیں ہے تقریباً دو مہینے سے یہ نہ کلاس کا کام ڈھنگ سے کر رہا ہے نہ گھر کا کام کر کے لاتا ہے استادوں کی بے عزتی کرتا ہے اس کا عام برتاؤ بھی بہت حوصلہ شکن ہے۔'' میں نے گزشتہ ہفتہ آپ کو ٹیلی فون پر بھی بتایا تھا کہ دیپک کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جانچ کروایئے۔ کیا آپ نے کروائی۔''

''جی جناب''مسٹر کرشنن نے جلدی سے جواب دیا۔ میں اسی شام کو لے گیا تھا مگر ڈاکٹر نے کہا وہ بالکل تندرست ہے۔''

ہیڈ ماسٹر نے دیپک پر بھی کچھ سوچتے ہوئے ایک نظر ڈالی۔ ''آپ جانتے ہیں کہ آپ کس مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں میں چاہوں تو اسے ابھی ٹی۔ سی (اسکول چھوڑنے کا) دے سکتا ہوں مگر میں صرف اس وجہ سے ہچکچا رہا ہوں کہ جب سے تم اسکول میں داخل ہوئے ہو پچھلے امتحانوں تک ہمیشہ کلاس میں اوّل آئے ہو۔ اب تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیوں پریشان ہو۔'' مجھے بتاؤ۔ اپنے ڈیڈی کو بتاؤ ہم سب ٹھیک کر دیں گے۔ چلو شاباش بولو۔''انھوں نے زور دے کر کہا۔

دیپک دل ہی دل میں چلایا''تم میں میری مدد کرنے کی طاقت نہیں ہے۔'' مگر وہ زور سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا مگر خاموشی سے گھورتا رہا دیپک کی خاموشی اور ہٹ دھرمی نے ہیڈ ماسٹر کو اور بھی غصہ دلا دیا مسٹر کرشنن نے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ جناب کیا میں تنہائی میں چند منٹ آپ سے بات کرسکتا ہوں۔'' ہیڈ ماسٹر نے سر ہلا کر اجازت دی اور دیپک کو باہر انتظار کرنے کے لیے کہا۔

دیپک نے باہر نکلتے ہوئے سوچا''میں جانتا ہوں پپا کیا کہیں گے ؟''

اندر مسٹر کرشنن کہہ رہے تھے ؟ جیسا کہ گزشتہ ہفتہ میں نے آپ کو ٹیلی فون پر بتایا تھا، جناب، میری بیوی کے یہاں ولادت ہونے والی ہے اور دیپک کیوں کہ بارہ سال تک اکلوتا بچہ رہا ہے شاید ہماری محبت تقسیم ہونے کے خیال سے وہ خود کو غیر محفوظ خیال کر رہا ہے ایک دفعہ جب بچہ ہو جائے گا تو اس کی سمجھ میں آجائے گا کہ ہماری محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جناب میری آپ سے درخواست ہے کہ اسے ایک مہینہ کی مہلت اور دے دیں۔''

''اگر ولادت میں ایک ماہ ہے اور دیپک دو مہینے سے ذہنی طور پر ہلا ہوا ہے۔ تو کیا آپ نے اسے یہ اطلاع کیا صرف دو مہینے قبل ہی دی ہے۔''

ہیڈ ماسٹر نے اُنھیں سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو یہ اطلاع اسے پہلے ہی دے دینی چاہیے تھی اور اسے سمجھوتہ کرنے کے لیے زیادہ وقت دیتے۔'' نہیں..... نہیں ہم نے اسے یہ شروع میں ہی

بتادیا تھااور وہ بے انتہا خوش تھا..... صرف انھی دنوں..... مسٹر کرشنن نے ٹھہر ٹھہر کر کہااور ہیڈ ماسٹر نے تلخی سے دیکھا۔

''مسٹر کرشنن'' ہیڈ ماسٹر نے کھردرے لہجے میں کہا ''مجھے دیپک کے مسائل سے ہمدردی ہے مگر اسکول کے سینکڑوں لڑکوں کے لیے بھی میرے کچھ فرائض ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسکول کے نظم وضبط پر کیااثر پڑے گا۔ جب اس کے برتاؤ کی خبریں پھیلیں گی۔ جب وہ آزاد گھومے گا۔ ہر لڑکا بگاڑ نے میں اس کی ہمت افزائی کرے گا۔ اور میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ دیپک ایک غلط مثال پیش کرے۔ اسے سزا ملنی ہی چاہیے۔''

مسٹر کرشنن نے خوشامد کی ''مہربانی کیجیے، جناب! براہِ کرم کوئی ایسا فیصلہ نہ کیجیے کہ اس کا مستقبل تباہ ہو جائے۔''

ہیڈ ماسٹر کچھ لمحوں تک سوچتے رہے پھر مسٹر کرشنن کا سہا ہوا چہرہ دیکھ کر بولے ''ٹھیک ہے میں اسے ایک آخری موقعہ اور دوں گا وہ اسکول سے دو مہینہ غیر حاضر رہے اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ اس عرصہ میں آپ اسے سمجھادیں اور اس کا اچھا برتاؤ بحال کر سکیں۔ مگر جب وہ اسکول واپس آئے اور میں نے اسے ذرا بھی غلط برتاؤ کرتے یا غلط طرزِ عمل کا مجھے اشارہ ملا تو کوئی رعایت ہو گی سوائے اسکول سے رخصت کر دینے کے۔''

مگر اس کے ششماہی امتحان تو چھوٹ ہی جائیں گے'' مسٹر کرشنن نے ڈرتے ڈرتے مردہ سی آواز' میں کہا۔

اُس نے ان دو مہینوں میں امتحان کے لیے کیا ہی کیا ہے'' ہیڈ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا۔

مسٹر کرشنن نے بہت تکلیف سے اپنا سر ہلایا اور ہیڈ ماسٹر نے چپراسی سے دیپک کا بستہ لانے کو کہا۔

مسٹر کرشنن نے بہت خاموشی سے کار چلائی اور دیپک ان کا اُداس چہرہ دیکھتے ہوئے دو ماہ پہلے کے واقعات سوچ رہا تھا جب وہ اپنے سہ ماہی امتحان کی رپورٹ لے کر گھر آیا تھا وہ بہت ہی جوش اور خوشی خوشی تیزی سے گھر آیا تو تالا لگا ہوا تھا تب اسے یاد آیا کہ اماں نے تو آج ڈاکٹر سے وقت لیا ہوا تھا مگر اسے اس کی پرواہ

نہ تھی کیوں کہ وہ مہینہ میں ایک دفعہ جاتی ہی تھیں وہ اپنے ایک دوست کے گھر کھیلنے چلا گیا۔
جب وہ دیر سے واپس آیا تو اس نے پپا کی کار کھڑی ہوئی دیکھی تو سمجھ گیا وہ گھر واپس آ گئے۔ جیسے اس نے انھیں پکارنے کے لیے منہ کھولا اسے اماں کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں رُک گیا اماں تو کبھی نہیں روئیں۔ اس نے انھیں کہتے سُنا۔ تم اکیلے دیپک کی دیکھ بھال کیسے کر سکو گے۔" وہ سسکیاں لے رہی تھیں۔

دیپک باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور الجھن میں پڑ گیا کہ "آخر پپا اکیلے اس کی دیکھ بھال کیوں کریں گے۔" اور پپا نے تسلّی دیتے ہوئے کہا "میں کیوں کروں گا۔" وہ بارہ سال کا ہے بچّہ نہیں رہا کہ میں اسے دیکھوں سومی اب رومت، دیپک گھر آنے والا ہوگا اگر وہ تمھیں روتا دیکھے گا تو پریشان ہوگا۔"
اس کے بارے میں ابھی اسے کچھ نہ بتانا۔ اماں نے وکالت کی "ابھی تو اس نے بچّے کے ساتھ مجھے تقسیم کرنے کے لیے اپنا ذہن تیار کر لیا ہے مگر وہ ہرگز برداشت نہیں کرسکے گا کہ میں اسے بالکل نہ ملوں۔"

آگے کچھ سُنے بغیر دیپک سڑک کے کنارے کی طرف بھاگ گیا پھر آرام سے گھر میں اس طرح داخل ہوا جیسے ابھی آرہا ہے اس کے دماغ میں بے چینی سے وہ باتیں گردش کر رہی تھیں جو اس نے سنی تھیں۔ جتنا سوچتا اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا کہ اور اس خیال کو نہ جھٹک سکا کہ ڈاکٹر نے کوئی غلط بات بتائی ہے اور اماں مرنے والی ہیں۔"
اس دن کے بعد سے اس نے گھر میں بھی کچھ تبدیلیاں محسوس کیں اس کے ہنسنے ہنسانے اور خوش رہنے والے پپا کچھ پریشان اور خاموش تھے۔ اور اس کی ہر وقت مسکرانے والی اماں بھی دکھی تھیں اس کی پڑھائی میں دلچسپی کم ہوتی جا رہی تھی۔
"ایسے امتحان میں اوّل آنے کا فائدہ ہی کیا جب اماں اسے لپٹا کر پیار نہ کر سکیں اور یہ نہ کہہ سکیں۔ "مجھے تم پر فخر ہے۔" لیکن اس کے استاد اس کے توجہ نہ دینے پر چڑنے لگے اور ناراض ہو گئے۔ اور وہ ان سے دور ہوتا گیا وہ اسے سمجھ نہ سکے۔

جب کار رکی تو ایک جھٹکے سے دیپک اپنے خیالات سے چونک کر حال میں واپس آیا۔ اور وہ اس وقت واقعی خوش تھا کیوں کہ اس طرح وہ اماں کے پاس رہے گا انھیں چھوڑ نہیں سکے گا جو اسکول جانے میں ممکن نہ تھا اگلا مہینہ وہ اپنی پیاری امّاں کے قریب گزارے گا وہ ان کے چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے دوڑتا اور ہر طرح تسکین دینے کی کوشش کر رہا تھا جیسے جیسے دن گزر رہے تھے اسے سخت اذیت ہو رہی تھی کہ اماں کو کھونے کا ایک اور دن کم ہو گیا۔

اس کے والدین اس کے دل میں مچے ہنگامہ سے بے خبر تھے اور اپنے ہر عمل سے یہ دکھانے کی کوشش کر رہے تھے وہ اسے بے حد چاہتے ہیں۔

ایک رات دیپک لرز کر رہ گیا جب اس کے پپّا نے کہا "دیپک اُٹھ جاؤ مجھے اماں کو ڈاکٹر کے یہاں لے جانا ہے تم شیام کے گھر ٹھہر جاؤ۔"

دیپک اُٹھ گیا اور سمجھ گیا کہ اب وہ خوفناک وقت آ گیا ہے "پپّا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا" اس نے کہا تو اس کا پختہ ارادہ دیکھ کر پپّا بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ وہ اماں کی طرف دوڑا اور ان کو شدید تکلیف میں دیکھ بے حد رنجیدہ ہوا اگر اسے دیکھ کر وہ بہادری سے مسکرائیں اور کہنے لگیں "دیپک میں ٹھیک ہو جاؤں گی پریشان مت ہو" مگر دیپک مارے خوف کے سُن ہو گیا۔

ہسپتال کا یہ انتظار دیپک کے لیے بہت خوفناک تھا، صبح ہونے والی تھی کہ ایک نرس مسٹر کرشنن کے پاس آئی۔

اور اسی وقت پپّا نرس کے پیچھے چلے گئے دیپک نے سوچا.... بس..... اب پپّا آکر مجھے بتائیں گے کہ امّاں مر گئیں اور وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا۔

پپّا جب واپس آئے تو انھوں نے دیکھا ان کا بیٹا رو رہا ہے وہ کچھ ہچکچائے دیپک نے پپّا کا سنجیدہ چہرہ دیکھا وہ دوڑ کر ان کے پیروں میں پڑ گیا اور گھورتے ہوئے بولا "اماں، مر گئیں یہ ٹھیک ہے نا پپّا۔ وہ مر گئی ہیں اور آپ مجھے بتاتے ہوئے ڈر رہے ہیں۔"

مسٹر کرشنن اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر صدمے سے حیران رہ گئے وہ بُری طرح سسک رہا تھا۔

تب وہ سختی سے بولے "چپ رہو دیپک یہ کیا حماقت ہے؟اماں مری نہیں ہیں۔"

دیپک وہی سمجھے ہوئے تھااور ابھی تک سسکیوں سے رو رہا تھابولا "مجھ سے جھوٹ مت بولیے پپا مجھے بہت دن سے معلوم تھا کہ جب بے بی پیدا ہو گا تو اماں مر جائیں گی۔"

پپا حیران رہ گئے انھوں نے دیپک کو کندھوں سے پکڑ کر بہت مضبوطی سے کہا "دیپک میری طرف دیکھو، رونا بند کرو اور مجھے دیکھو۔"

دیپک نے اپنے پپا کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں کچھ امید تھی اور کچھ شک جھلک رہا تھا۔

"اماں زندہ ہیں اور ٹھیک ہیں" پپا نے بتایا۔

"تم انھیں دیکھنا چاہتے ہو؟کس وجہ سے تمھیں یہ سب خیالات آئے۔"

اس تکلیف سے نجات پاکر دیپک نے انھیں سب کچھ بتادیا اور آگے پوچھا "لیکن پپا آپ اور لماں اس دن پریشان کیوں تھے؟اس وجہ سے مجھے پورا یقین ہو گیا۔" پپا اس بات سے بہت جذباتی ہو گئے کہ تین مہینے ان کے بیٹے نے تنہا اپنے دل پر کس قدر بھاری بوجھ جھیلا ہے۔

انھوں نے اسے اپنے سے لپٹاتے ہوئے جھکتے ہوئے کہا اس دن ہمیں پتا چلا تھا کہ اماں کے یہاں جڑواں بچّے ہوں گے۔ تم اندازہ لگا سکو گے؟ایک ہی بچّے کو پالنے میں کتنا وقت لگتا ہے اور کہاں دو؟ لماں اس وجہ سے پریشان تھیں جب انھیں تمھارے لیے وقت نہیں ملے گا تو تمھیں تکلیف ہو گی اور ناخوش رہو گے۔اب آیا تمھاری سمجھ میں۔"

"لو لماں زندہ ہیں؟دیپک نے حیران ہو کر پوچھا کیوں کہ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں" آخر پپا نے ہنس کر کہا "اور اب تمھیں دو جڑواں بہنیں ملی ہیں۔؟

تب دیپک اس خوشی میں شامل ہوا جب اس نے اپنی بہنوں کو قریب قریب سوتے ہوئے دیکھا جن کی ننھی ننھی کلائیوں پر پہچان کے لیے چٹیں بندھی ہوئی تھیں۔

اسے دیکھ کر اس کے والدین کو بھی سکون ملا اور وہ پچھلے مہینوں کی ساری پریشانیاں بھلا کر مستقبل کی خوشیوں کو جگمگاتے دیکھنے لگے۔

وزیر صاحب کا بیٹا

وہ سفید ایمبسڈر کار دیکھیے جس میں پولیس کے دو چوکنے سپاہی آدھے اندر آدھے باہر ہاتھوں میں چھوٹی مشین گنیں لیے لٹکے ہوئے ہیں۔ جس کی پیچھے کی سیٹ کے درمیان ایک بچہ ڈرا ہوا سا بیٹھا ہے اور تم ہنستے ہو..... "ہاہا کچھ بڑے آدمیوں کے بگڑے ہوئے بچے حفاظتی آدمیوں کے سایہ میں جاتے ہیں اور اس کے لیے بھگتنا ہمارے والدین کو پڑتا ہے..... اس لیے وہ ملک سے غریبی کیسے ختم کرسکتے ہیں جب کہ ہر چیز تو وزیروں کے ناک بہتے ڈرپوک بچوں کی حفاظت پر خرچ کی جاتی ہے۔ ٹھیک انھی میں سے ایک میں بھی ہوں۔ ناک بہتا، ڈرپوک، تازہ ہوا کے لیے ترستا رام سنگھ اور دادن کے درمیان بھنچا ہوا یہ دو آدمی جن کے جسم سے پسینہ بہتا رہتا ہے ہر وقت خوف و ہراس پھیلاتے رہتے ہیں جن کی کمر پر بندوقیں لٹکی رہتی ہیں۔ اور رام سنگھ کی بندوق تو میری خاص ران میں چبھتی رہتی ہے اسکول سے گھر آتے ہوئے انڈیا گیٹ دیکھ کر مجھے لگتا جیسے یہاں ناچ گانا ہو رہا ہو، فخر سے سر اٹھائے محرابیں، لان جیسے قالین بچھے ہوں غبارے فروش، غبارے ایسے اڑاتے ہوئے جیسے جھنڈے لہرا رہے ہوں رنگ برنگی کینڈل (جسے بچے گڑیا کے بال بھی کہتے ہیں) آئس کریم کے گلابی گلابی کون لٹکتے ہوئے ایسے لگتے ہیں جیسے کرسمس کے پیڑ پر مختلف چیزیں لٹکی ہوں مگر میرے بارہ سالوں نے یہ سکھایا ہے کہ اور بچوں کی طرح کسی چیز کی خواہش نہیں کرسکتا۔

پچھلی مرتبہ میں نے یہ کیا کہ لڑ جھگڑ کر ایک لڑائی کا مورچہ کھولا۔ آئس کریم کے ٹھیلے کے پاس گاڑی رُکوائی اور وہ یہ سمجھ کر دہشت گرد آگئے۔ اپنا ٹھیلا سڑک پر ہی چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ

کھڑا ہوا۔ میرے ڈرائیور نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر زور زور سے گالیاں دینے لگا۔ دادن نے ایک اور ستم کیا کہ ہوا میں گولی چلادی نتیجہ یہ نکلا کہ آئس کریم والے کا ٹھیلا سڑک پر ہی ٹوٹ گیا ایک افراتفری مچ گئی وہ ریڑھی چھوڑ کر بھاگا تھا۔ گولی چلنے سے اپنے ہاتھ اٹھاکر گڑگڑیا نے لگا اپنی آنکھیں بند کرلیں بظاہر معافی مانگ رہا تھا مگر حقیقت میں اسے موت کا ڈر تھا۔ رام سنگھ نے اُس کے چاکلیٹ نکال کر لیے اس اثنا میں میری بھوک ختم ہو گئی تو رام سنگھ بے چینی سے مڑا اور اپنی موٹی سے گردن ہلا تا ہوا پھر گاڑی کی کھڑکی میں لٹک گیا اور مجھ پر منسٹر کے بیٹے کا لیبل لگا کر خاموشی سے وزیر کے بچے کو حفاظت سے پہنچانے روانہ ہوئے۔

ان دنوں اکثر میری بھوک اُڑی رہتی۔ ناشتہ لیجیے..... میں ایک نظر اخبار پر ضرور ڈالتا ناشتہ کر کے آنے والے کو بھگا دیتا میری بھوک.... میرا مطلب ہے۔ اخبار دیکھ کر بھاگ جاتی اخبار والوں کا کام اپنے اخبار کی اشاعت بڑھانا اور تجارت کو چمکانا ہی ہے کہ وزیروں کے خلاف الٹی پلٹی باتیں لکھیں اگر میرے ڈیڈی وزیر نہ ہوتے اور ان کے متعلق کوئی کچھ کہتا تو انھیں اچھی طرح ٹھیک کیا جاسکتا تھا۔ اور ٹائسن کے انداز میں.... معافی مانگنے کی بھی ضرور تہوتی۔ اخبار میں میرے ڈیڈی کے کارٹون تھے انھیں نیلے رنگ کے ڈینیم کی پتلون اور ٹی شرٹ پہنا کر آرنلڈ شچور زینگر کا تصوّر پیش کیا تھا ان کارٹونوں میں تو ڈیڈی ایسے لگ رہے تھے جیسے جیوریسک کے دلال سے کھود کر نکالا گیا ہے یا کہیں ارنلڈ شچور زینگر کرتا، پاجامہ اور گاندھی ٹوپی میں اور کبھی ہالی ؤڈ کے ہیرو پر اختتام ہوتا کیوں کہ میرے ڈیڈی اور دوسرے بہت سے وزیروں سے بہت اچھے ہیں۔

لوگ غداری، بدعنوانی اور تصنع کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ اگر کوئی صحیح، سچّا متوازن غیر جانبدار یا مذہبی ہوتا تو اس پر یقین نہیں کرتے آج کل ایماندار، اپنے اصولوں اور رسوم کو نبھانے والا..... وہی بہترین لوگوں میں سے ایک نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دہشت پسندوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے میرے ڈیڈی انھی میں سے ایک ہیں اسی وجہ سے میری اتنی حفاظت تھی لیکن لوگ ہر وقت حماقت آمیز فقرے اور بدنامیاں اُچھالتے رہتے ہیں۔ آج کا ہی واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک پارٹی میں جس میں ڈیڈی دوسرے ملکوں کے اشتراک سے کاروبار کی مخالفت میں شرکت کی تھی کوکا

کو لا پیش کیا تو انھوں پینے سے منع کرتے ہوئے کہا کہ آج یا کل کے اخباروں میں سرخیوں میں موٹی موٹی خبریں آجائیں گی "وزیر کی گھاس میں سانپ" یا "الماری میں سولہ سال پرانی کھوپڑی" یعنی بے بنیاد خبریں.....

مگر اس کا بدترین حصہ تو حفاظتی انتظامات ہیں۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا "میری دو بھیڑوں کے ساتھ" رام سنگھ اور دادن نہ تو نرم مزاج ہیں نہ منکر المزاج۔ یہ میری کلاس کے باہر بھی نگرانی کرتے رہتے ہیں خاص طور سے اگر کبھی کسی لڑکی سے بات کرتا ہوں وہ ہمیشہ میری ممی سے شکایت کر دیتے ہیں اور مجھے ان کی ڈانٹ سننی پڑتی ہے اگر میں کوئی چھوٹی سی شوخی بھی کروں تو یہ جڑواں ہنہنانے لگتے بغیر انھیں بتائے میں 'ضروریات' سے بھی نہیں جاسکتا یہ سب کچھ مجھے اپنے ڈیڈی کی عزت کے لیے بھگتنا پڑتا ہے۔

دوسرے دن میرے بہترین دوست سجیت کی سالگرہ تھی وہ اسکول کے بعد سارے دوستوں کو لے کر سنیما دیکھنے لے جارہا تھا۔ "سچورزینگر کی" فلم "ٹرمینیٹر!" میں نے اسے ویڈیو کے ذریعہ چھوٹے پردے پر دیکھی تھی اس میں تو وہ گھٹیا کا مارا لگتا تھا۔ اس کے علاوہ باہر جانا دوستوں کے ساتھ قہقہے لگانا، مذاق کرنا اور گپ شپ لڑانا بھی دلچسپ لگا ایسے میں بھلا کندھے پر بندوق لٹکائے پہرے دار بھی مذاق میں لگیں گے۔ لطف تو ہے بھری بس میں سفر کرنا، چیخ چیخ کر قہقہے لگانا، آپس میں ہنسی مذاق کرنا۔ کتنا دلچسپ ہے۔ آہا سنیما ہال میں بیٹھ کر پوپ کارن چبانا۔ مگر سر سے اجازت کون لے۔ سمیت نے مجھے ساتھ آنے کو کہا مگر اس نے ان دو دسوں کی وجہ سے رسماً ہی کہا ان دونوں کی وجہ سے سب ہی مجھے گھور کر دیکھتے رام سنگھ اور دادن کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے تیسری جنگِ عظیم کسی بھی لمحہ ہو سکتی ہے اگر کوئی مارنے والا آدمی سامنے آجائے تو بس وہ سر، سر، کہہ کر سر جھکا کے کھڑے ہو جاتے۔ تبھی ایک دوست رجت جو یہاں ملا تھا اس نے پوپ کارن کا ایک پیکٹ میری طرف اچھالا وہ کھل گیا اور وہ عذاب بن گیا رام سنگھ نے جھپٹ کر مجھے پکڑ لیا اور فوراً اس طرح مجھے اپنے پیچھے کر لیا جیسے ایک بوتل کا ڈھکنا۔

دادن نے خود کو پاپ کارن کے کاؤنٹر پر جھکا دیا اور کمسن مجرم کو اپنے ایک سو دس کلو وزن کے نیچے دبا لیا

۔رجب کو پکڑ کر جکڑ لیا۔ ہمارے ساتھ کی لڑکیاں ایسی ہنسی ہنس رہی تھیں جیسے پولیس کا سائرن۔ اور یہ تب ہوا جب میں نے دادون کی بندوق لے کر اس کی کمر پر رکھی۔ تب جا کر اس نے رَجت کو چھوڑا جس کا آدھا دم گھٹ چکا تھا۔ رجت نے اپنی پی۔پی کی جینز اور بنی ٹون کی قمیض سے گرد جھاڑی یہ ہم دونوں کا فرق تھا اس نے پھر میری طرف رخ بھی نہ کیا نہ ہی نظر ڈالی بقیہ وقت میں اکیلا ہی پاپ کارن کھاتا رہا۔ رام سنگھ اور دادون مجھے ایسے لائے جیسے ریاست کے سربراہ کو پھانسی کے پھندے سے بچالائے۔

میں اب اسے دہرانا نہیں چاہتا تھا۔

اس وجہ سے سنیچر کے دن جب سجیت کی سالگرہ تھی میں نے اپنی ممّی کو بتایا کہ میں دیر سے واپس آؤں گا کیوں کہ سجیت اپنی سالگرہ اپنے گھر میں منائے گا اس کے والدین دونوں ہی کام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے گھر میں وہ نہ ہوں گے۔ ہم نے رام سنگھ اور دادون کو کھانے کے لیے ان کے گھروں سے بُلایا اور کہا بہتر ہے تم دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔ ہم نے اس کا انتظام پہلے ہی کیا ہوا تھا جیسے ہی وہ دال مکھنی اور چاول کھانے میں مصروف ہوئے ہم نے انھیں دیکھا اور بچ نکلے۔

اوہ کس طرح ہم بس اسٹاپ تک دوڑے ہیں۔ دعا کرتے جاتے تھے کہ ٹھیک بس آجائے۔ میں سوچ رہا تھا میں جلدی سے بڑا ہو جاؤں کہ بس آگئی میں نے کھڑکی سے اپنا سر نکال کر دیکھا، کھڑکی سے لٹک کر رام سنگھ کی نقل اتاری سامنے سے گزرنے والوں اور لائن میں لگے لوگوں کو ہاتھ ہلانے مرغ کی پٹیز کھائیں ایک دفعہ اندر چچو اور زینگر کو دیکھا رام سنگھ کی موٹی سی گردن کا خیال کیا اس کے بعد ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر فلم کا پوسٹ مارٹم کیا یعنی اس پر تبصرے کرتے رہے۔ چٹنی کے ساتھ برگر اُڑائے۔ آہا کیا لطف آیا جب میرے دوستوں نے مجھے گھر آنے کے لیے بس میں بٹھایا۔ گھر پہنچ کر جو استقبال ہوا ایسا لگا جیسے وزیر اعظم بیرونی ممالک کا دورہ کر کے آئے ہوں۔ کچھ سائرن کی سی آوازیں آئیں سب لوگ اس طرح نکل پڑے جیسے بارش میں چیونٹیاں نکلتی ہیں۔ مجھے ہنسی چھوٹ گئی جب ایک پولیس کے سپاہی نے میرا بستہ ٹٹولا کہ اس میں بم نہ ہو تب میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "بابا واپس آگیا"۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں قبر سے واپس آیا ہوں۔ ہر ایک خاموشی سے واپس چلا گیا

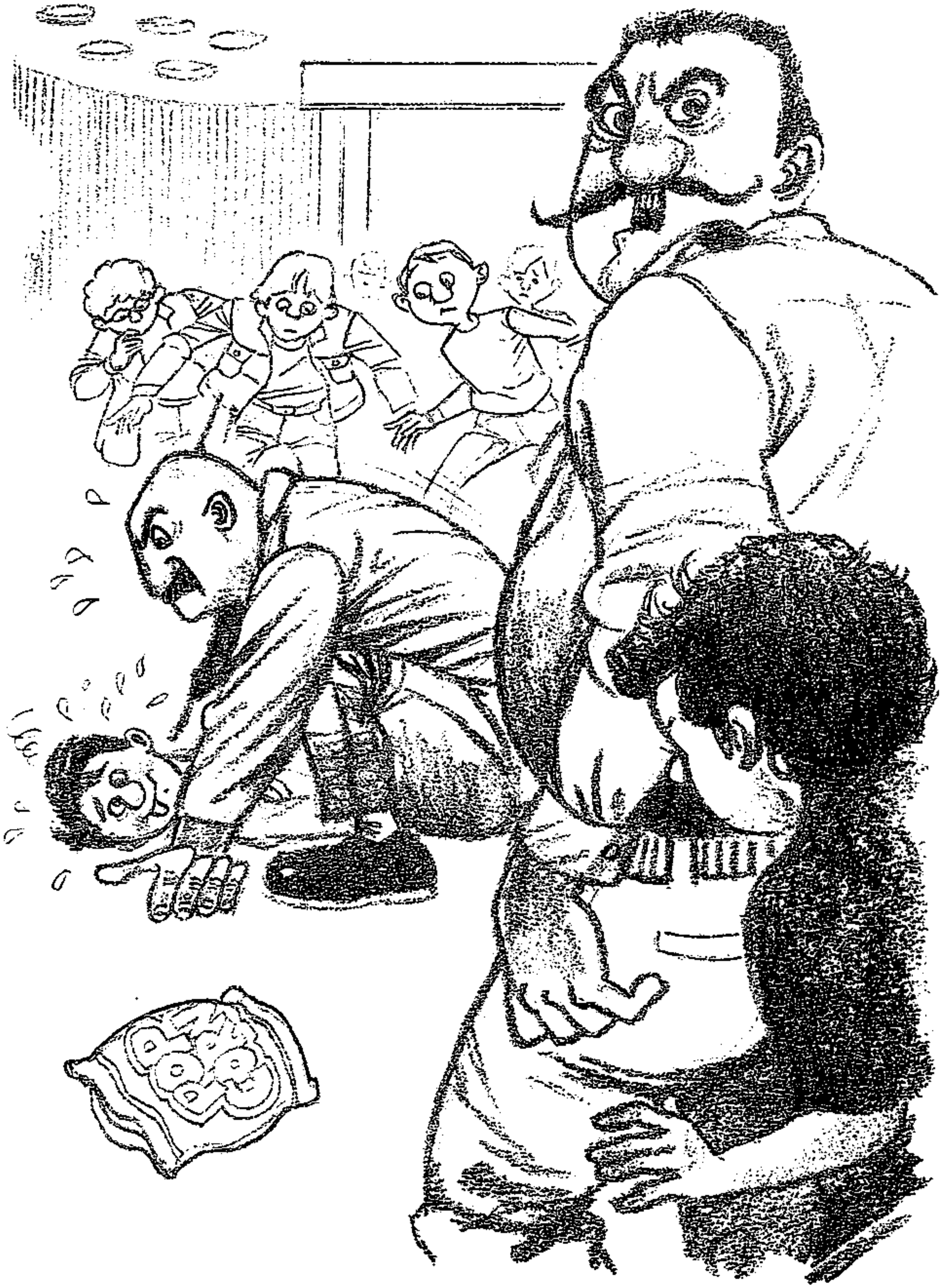

صرف جن لوگوں سے واسطہ تھا وہ ناامیدی اور غصے سے لوٹے ایک بے تکی بکواس کہانی بن کر پھیل گئی 'جیسے کہ گیلا کمبل' میں محفوظ اور بغیر کسی نقصان کے واپس آگیا۔ سبھی احمق یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کسی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ ہر ایک کی نظریں مجھ پر تھیں۔ رام سنگھ اور دادن نے تو مجھ پر ایسی گھناؤنی نظریں ڈالیں کہ میں اندر بھاگ گیا۔

میرے ڈیڈی یعنی وزیر صاحب، ٹیلی فون پر کسی سے بات کر رہے تھے میری ممی پریشان تھیں انھوں نے بتایا تھا رومت جنھوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر ان کا اکلوتا بیٹا صحیح سلامت واپس نہ آیا تو وہ خودکشی کرلیں گی۔"

ہائے ممی "ہائے ڈیڈی، میں نے بہت ہمّت کر کے کہا۔

میری ممی نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میں مجرم ہوں پھر سسکیاں لینے لگیں پھر میری طرف مڑیں ڈیڈی نے ان کی کمر پکڑلی۔

انھوں نے میری طرف ہوشیاری اور قریب سے دیکھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ ان کی طرف کچھ شرمندگی سے اور اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کے انداز میں دیکھوں مگر میں تو بہت خوش تھا۔

میرے ڈیڈی نے پوچھا "تم بالکل ٹھیک ہو۔"

میں نے ہمّت کر کے کہا "ہاں" اور اپنی قمیض کے بٹن کھول کر اپنا صاف اور چکنا سینہ دکھادیا۔

دیکھیے کوئی چھید نہیں ہے۔"

انھوں نے مجھے کندھوں سے مضبوط پکڑ کر میری آنکھوں میں سیدھا جھانکا اور آواز میں سختی لا کر کہا "آئندہ پھر تم ایسا کروگے؟" ایسا لگا جیسا وہ ایک لاکھ کے مجمع میں بول رہے ہوں "یہ بہت غیر ذمہ دارانہ برتاؤ تھا" انھوں نے تیوری چڑھائی۔

"دیکھو ہم سب کس قدر پریشان تھے" انھوں نے میری ممّی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم نے اس قسم کی حرکت کیوں کی مگر ان کی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ وہ سمجھتے ہیں ''اپنے کمرے میں جاؤ۔''

یہ وزیر صاحب کی تقریر ختم کرنے کا خوبصورت اشارہ تھا۔ وہ میرے کمرے تک پیچھے پیچھے آئے۔ میرے پلنگ پر بیٹھے اور بولے ''یہ ان کا قصور نہیں ان کی نوکری ہی ایسی ہے۔ اس میں تمھارا بھی قصور نہیں، یہ کسی کا بھی قصور نہیں یہ میری غلطی ہے مگر میرا بھی ایک کام ہے۔ اور تمھیں میرا بیٹا ہونے کی وجہ سے یہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

میں کسی اور کا ہونا بھی نہیں چاہتا تھا اور انھیں بتانا چاہتا تھا۔ مگر صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ ڈیڈی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ رام سنگھ اور دادن سے معافی مانگو'' اور اپنی ممّی سے بھی ''میں نے پھر سر ہلایا۔ وہ جانے کے لیے مڑ گئے۔

میں نے کہا ''ڈیڈ'' ''بس ایک منٹ''

وہ رُکے کھڑے رہے اور اس تھیلے کو دیکھا جو میرے ہاتھ میں تھا....... ایک گیلا بس کا ٹکٹ۔ ایک سیلا ہوا برگر اور ایک کوک کی بوتل تھی۔

وہ اس طرح ہنسے کہ میں نے کسی بھی بیٹے کے وزیر باپ کو ہنستا ہوا نہیں دیکھا تھا کافی دیر ہنستے رہے۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ بہترین ہیں۔ کیا نہیں کہنا چاہیے ؟ لیکن مجھے امید نہ تھی کہ آپ سمجھتے ہیں۔

تم ایک وزیر کے بیٹے نہیں بلکہ تم ایک ناک سڑ پتے ڈرپوک، بگڑے ہوئے بچّے ہو۔''